کلیاتِ یگانہ

تحقیق، تدوین، تقدیم

وسیم فرحت (علیگ)

میری نگاہ میں یگانہؔ پر لکھے گئے بے شمار مضامین کی اہمیت اپنی جگہ مگر وسیم فرحتؔ (علیگ) کی پاکستانی کتاب 'یگانہ چنگیزی' یگانہؔ شناسی میں غیر معمولی معاون بنی ہے۔ وسیم فرحتؔ نے خود کو یگانہؔ کے لیے وقف کر کے یہ تحریک دی کہ کسی ایک ادیب کے ادب پہ کام کرتے ہوئے پوری زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ یگانہؔ ایسے ہی ایک شاعر تھے۔

زبیرؔ رضوی

وسیم فرحتؔ (علیگ) بھارت کے سخت نقاد اور سخت جان محقق ہیں۔ سہ ماہی 'اردو' کے مدیر ہیں۔ انھوں نے بڑی جانفشانی سے کتاب ''یگانہ چنگیزی'' لکھ کر دنیائے ادب کو خوش گوار حیرت میں ڈال دیا ہے۔ وسیم کی یہ کتاب پاکستان میں 'ہاٹ کیک' کی طرح مشہور ہوئی ہے۔

معراج جامیؔ

تحقیق، تدوین، تقدیم

وسیم فرحت (علیگ)

اُردو پبلی کیشنز، امراوتی

KULLIYAT E YAGANA

BY

Waseem Farhat (Alig)

Year of Edition 2022
ISBN 978-93-91238-09-4
Rs. 400/-

نامِ کتاب	:	کلیاتِ یگانہ
محقق و مرتب	:	وسیم فرحت (علیگ)
		پوسٹ باکس نمبر 55، ہیڈ پوسٹ آفس،
		امراوتی-444601 (مہاراشٹر)
		موبائل:9370222321
سنِ اشاعت	:	جنوری ۲۰۲۲ء بارِاول
ضخامت	:	۳۹۲ صفحات
ناشر	:	عالیہ فرحت
تعداد	:	۵۰۰ (پانچ سو)
قیمت	:	۴۰۰ روپے
مطبع	:	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۶

تقسیم کار

۱) مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، علی گڑھ، بمبئی

۲) دانش محل، امین الدولہ پارک، لکھنو

۳) کتاب دار، ٹیمکر مارگ، بمبئی

URDU PUBLICATIONS

'AdabistaN', Near Wahid Khan Urdu D.Ed College,
Walgaon Road,AMRAVATI-444601 (Maharashtra)
Mobile : 09370222321 / 07020484735
E-mail: wkfarhat@gmail.com

انتساب

شاعرِ خوش فکر،

بے لوث خادمِ زبان و ادب

شائقِ یگانہ،

میرے مربّی

جناب ڈاکٹر گنیش گائیکواڑ

کے نام

فہرست

محترم وسیم فرحت (علیگ)

تسلیم و نیاز

امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

میرے والد بزرگوار میرزا یگانہ چنگیزی صاحب
مرحوم کی حیات و فن پر آپ کی خدمات قابلِ ستائش
تعریف ہیں۔ آپ کی علمی کاوشیں میری جانکاری سے
گزرتی رہتی ہیں۔ کاش کہ آپ جیسے چاہنے والے
یگانہ صاحب کی اپنی زندگی میں میسر آجاتے۔ بہرحال
خدا انھیں غریقِ رحمت کرے۔ میرے لیے یہ بڑی خوشی کی
بات ہے کہ یگانہ صاحب کی حیات جاوداں بخشنا اپنا ادبی مشن
مقرر کیے ہیں۔ میں بخوشی آپ کو لکھتی ہوں کہ میرزا یگانہ کی
مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شعری اور نثری نگارشات، مکتوبات
شائع کرنے کی اجازت دیتی ہوں۔ اور یہ صرف آپ کو اجازت
اور حق حاصل ہوگا کہ کلیات انکی شائع کر سکتے ہیں
والسلام

عامرہ بیگم

23 دسمبر 2019

AMRA BEGUM
1815 EMERSON RIDGE DR.
SPRING, TX 77388
U.S.A.

اجازت نامہ برائے اشاعتِ کلیات از دختر یگانہ چنگیزی محترمہ عامرہ بیگم صاحبہ

دیباچہ

بیس برس قدیم میرا خواب آج پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ کم و بیش بیس برس قبل جناب مشفق خواجہ کا مرتبہ 'کلیاتِ یگانہؔ' دیکھتے ہی یہ ارمان جاگا تھا کہ میرؔ و غالبؔ کے بعد اردو ادب کے تیسرے بڑے نام یگانہؔ چنگیزی کے کلام کو مناسب ڈھنگ سے یکجا کر از سرِ نو 'کلیاتِ یگانہ چنگیزی' شائع کروں۔ مشفق خواجہ صاحب سے اپنے مرتبہ کلیات کا تقابل میرا مطمحِ نظر نہیں ہے، حتیٰ کہ خواجہ صاحب کی تنقیص بھی میرا مدعا نہ گردانا جائے، تاہم کتابِ ہٰذا کے وجود میں آنے کے اسباب و علل واضح کرنا از حد ضروری ہے۔ پھر یہ کہ ایک ہی شاعر کے کلیات کی موجودگی کے باوجود مجھ ہیچ مداں کی توجیہاتِ تدوین کا بیان قطعاً لازمی ہو جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مشفق خواجہ کا مرتبہ کلیات اکادمی بازار کراچی سے جنوری ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اس وقت میرے پیشِ نظر یہی نسخہ ہے۔ اس اشاعت کے قلیل عرصہ میں ہندوستان کے دو ایک تجارتی اداروں نے بھی اسے بااجازت ربِّ اجازت شائع کیا۔ کسی تازہ پاکستانی کتاب کا عکسی صورت میں شائع ہونا از خود کئی سوال کھڑے کر گیا۔ بہر حال۔ یگانہؔ چنگیزی کے شعری حجم سے مکمل واقفیت کی بناء پر پاکستانی اشاعت کا ۹۶۲واں آخری صفحہ دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔

'تخلیقی ادب' کے گوشۂ یگانہ چنگیزی کے بعد مشفق خواجہ کی پندرہ سولہ برس تک یگانہ کے تئیں خاموشی رہی۔ اب جب اتنی طویل خاموشی کے بعد مذکورہ کلیات پر نظر پڑی تو طبیعت میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ ابتدائی ۶ صفحات تو فہرستِ مندرجات کی نذر ہو گئے۔ پھر ۱۴ صفحات پر غزل کی ردیف وار فہرست دی گئی ہے۔ غزلیات کی فہرست میں غزلیں جس ترتیب تقدیم و تاخیر سے رکھی گئی ہیں کتاب اس ترتیب سے بالکل مختلف ہے۔ بعد ازآں ۶۸ صفحات پر مشتمل دیباچۂ مرتب، یگانہؔ کا سوانحی خاکہ اور ماخذ پر گفتگو کی گئی ہے جو بے حد اہم اور ضروری ہے۔ کلیات کی سب سے اہم شئے یعنی شعریاتِ یگانہؔ صفحہ نمبر ۱۱۱ سے شروع ہوتی ہے اور ۶۲۷ پر ختم ہو جاتی ہے۔ صفحہ نمبر ۶۲۹ تا ۶۶۳ کل ملا کر ۳۴ صفحات پر محیط فرہنگ بھی شاملِ کتاب ہے۔ اس کے بعد صفحہ نمبر

۶۶۴ تا ۹۵۸ کم وبیش تین سو صفحات پر مشتمل حواشی ہیں جس میں غزل یا شعر کا زمانہء تصنیف، اختلافِ نسخ وغیرہ امور انجام دیے گئے ہیں۔لبِ لباب یہ ہے کہ ۹۵۸ صفحات کے اس شعری کلیات میں نصف حصہ شعر اور نصف حصہ مرتب کی نثر پر مشتمل ہے۔

القصہ مختصر کہ مشفق خواجہ بھی وہی کام کر گئے جس کے لیے وہ یگانہؔ سے شاکی تھے۔دیباچہء مرتب کا اول اقتباس ملاحظہ فرمائیں، خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

''آیاتِ وجدانی ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔یگانہ کی شاعرانہ اہمیت کا دارومدار بڑی حد تک اسی مجموعہ پر ہے۔لیکن یہ مجموعہ کچھ اس طرح شائع ہوا کہ نثر کا پلہ شاعری سے بھاری ہوگیا۔یگانہؔ کے ہم زاد مراد بیگ شیرازی کے 'محاضرات' کے سامنے کلام یگانہ کی اہمیت ثانوی نظر آتی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نثر شعروں کی وضاحت کے لیے نہیں لکھی گئی، نثر کی آرائش کے لیے شعر استعمال کیے گئے ہیں۔اپنی بہترین شاعری سے ایسا سلوک یگانہؔ ہی کر سکتے تھے۔'' (کلیاتِ یگانہ از مشفق خواجہ صفحہ نمبر ۲۵)

میں بے تامل یہ عرض کرتا ہوں کہ اپنی برس ہا برس کی محنتِ شاقہ کے پردے میں یگانہؔ کی شاعری کو عوام کی رسائی سے اس قدر دور کرنے کا 'امرِ مستحسن' مشفق خواجہ ہی سرانجام دے سکتے تھے۔دورِ جدید کا قاری 'کلیاتِ یگانہؔ' ہاتھ میں اٹھا کر یگانہؔ کی غزل کی پہلی ہی قرات میں یہ غیر معتبر اندازہ لگا لیتا ہے کہ یگانہؔ کی شاعری اس درجہ ثقیل، چیستاں اور مبہم ہے کہ شاعری کے پانچ سو صفحات پڑھنے کے لیے مشفق خواجہ کے تحریر کردہ پانچ سو نثری صفحات بھی پڑھنے ہوں گے، لہٰذا وہ اس بھاری بھرکم کتاب کو میز پر بڑے احترام سے واپس رکھ دیتا ہے۔یہ یگانہ کے ساتھ ایک مخفی 'زیادتی' ہی کہی جانی چاہیے۔

تحقیق کے میدان میں خاکسار بھی عرصہء دراز سے پتا ماری کر رہا ہے، بہ ایں ہمہ 'کلیاتِ یگانہؔ' از مشفق میں خواجہ صاحب کی تحقیقی محنت بلا شبہ قابلِ داد ہے۔سو سالہ قدیم رسائل تک رسائی اور پھر انھیں چھان بین کے بعد فیصلہ کن طریقے سے قارئین تک پہنچانا کس قدر جان لیوا کام ہے، میں اس سے خوب واقف ہوں۔لیکن خواجہ صاحب کی روح سے معافی طلب کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ پی ایچ ڈی کا مقالہ اور شعری کلیات میں یقیناً فرق ہوتا ہے۔ہم خواجہ صاحب کے نصف ہزار صفحات کو تحقیق کا اعلیٰ نمونہ تو قرار دے سکتے ہیں تاہم ان صفحات کی کلیات میں بے دریغ شرکت قطعی مناسب نہیں۔خواجہ صاحب ہی کے لفظوں میں یوں محسوس ہو رہا ہے کہ

جیسے موصوف نے اپنی نثر کی شمولیت کے لیے بالجبر یگانہ کی شاعری بھی کلیات میں شامل کر لی ہے۔ شعری حصہ کی بات کریں تو کلیات از مشفق میں شامل کلام سے کچھ ماسوا کلام کلیات از خاکسار میں محض ۳۳۰ صفحات پر محیط ہے۔ اور اتنی تعداد دورِ حاضر کے قاری کے لیے بوریت کا سامان نہیں ہوتی۔ ان نکات کے علاوہ کئی اور اہم معاملات بھی اس وقت میرے ذہن میں ہیں جو مشفق خواجہ صاحب کی جانب سے یگانہ کے حق میں مفید نہ تھے تاہم ان کا اظہار کا یہاں محل نہیں۔

مندرجہ بالا یہی وہ اسباب ہیں جو کلامِ یگانہ کی از سرِ نو تحقیق و تدوین کا محرک ہوئے اور گزشتہ دو دہائیوں کی میری جستجو و لگن 'کلیاتِ یگانہ' از خاکسار کے روپ میں آپ کے ہاتھوں میں سونپ رہا ہوں۔

ماخذ کے ضمن میں اجمالاً یہاں عرض کرتا ہوں کہ کلام کی یکجائی میں یگانہ چنگیزی کے مطبوعہ دواوین سے کما حقہ کام لیا گیا ہے۔ جن میں نشترِ یاس (۱۹۱۴ء) آیاتِ وجدانی (۱۹۲۷ء)، ترانہ (۱۹۳۳)، آیاتِ وجدانی دوم (۱۹۳۴ء)، آیاتِ وجدانی جدید (۱۹۴۶ء)، گنجینہ (۱۹۴۷ء) مطبوعہ ہیں۔ ساتھ ہی 'ترانہ' اور 'گنجینہ' کے قلمی نسخے؛ 'کجکول' کے عنوان سے ایک قلمی بیاض اور دیگر ۵ قلمی بیاضیں قومی عجائب گھر کراچی میں بہ اہتمام محفوظ ہیں۔ جن سے تدوین میں خاطر خواہ مدد پہنچی۔ یگانہ کی نثری کتابیں 'چراغِ سخن'، 'شہرتِ کاذبہ' اور 'غالب شکن' کے علاوہ ان کے خطوط میں بھی جا بجا اشعار مل گئے۔ ایک کثیر الاشاعت شاعر کی حیثیت سے یگانہ کا کلام کثرت اور تواتر کے ساتھ مختلف جرائد میں شائع ہوتا رہا لہٰذا ان ۱۹۱۰ء تا ۱۹۵۵ء ملک کے سبھی چھوٹے بڑے رسائل کی فائلیں تلاش کی گئیں جن سے خوب فائدہ پہنچا۔ کل ملا کر کلیاتِ ہٰذا میں ۱۷۷ اردو غزلیات، ۱۲ فارسی غزلیات، ۳۹۴ اردو رباعیات، ۱۵ فارسی رباعیات کے علاوہ ۱۰۸ متفرقات (سہرا، قطعہ، مثلث، نظم، قطعہ، تاریخ وغیرہ) شامل ہیں۔

کلیات کی ترتیب میں تدوین کا سریع الفہم اور دورِ حاضر کے موزوں طریقہ اپنایا گیا ہے۔ سنین کے اعتبار سے مختلف اصناف کی علیحدہ علیحدہ ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یگانہ کی کُل شاعری کا اٹھانوے فی صد حصہ محض غزلوں اور رباعیوں پر مشتمل ہے۔ ایک آدھ سہرا، دو تین قطعات، چار پانچ مثلث اور بس۔ لہٰذا خانہ بندی کے ذیل میں محض غزلیات، رباعیات اور متفرقات کے طور پر تین ہی باب قائم کیے گئے ہیں۔ دواوین کی اشاعت کی ترتیب ہی متن کی ترتیب میں من و عن رکھی گئی ہے۔ ترمیم و تنسیخ کے ضمن میں عرض کروں کہ یگانہ کے شعری

مجموعوں میں شامل نثری حصہ (محاضرات، خودنوشت، خلاصہ، نوٹ، تقریظ وغیرہ) قطعاً شامل نہیں کیا گیا۔ غرض کہ اس شعری کلیات میں آپ یگانہؔ چنگیزی کی خالص شعری نگارشات ہی ملاحظہ فرمائیں گے۔ حذف شدہ نثری موادمیری پیش آئند کتابوں کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ ساتھ ہی 'ترانہ' میں شامل تمام تر رباعیات کو یگانہؔ نے ایک خاص عنوان دے رکھا ہے۔ یہ فعل پہلے پہل مجھے اجتہادی اور انوکھا معلوم ہوا کرتا تھا، یہ عرصہ قبل کی بات ہے۔ تاہم آج شاعر اپنی ہر تخلیق سے پہلے تفہیم کی غرض سے تمہید باندھے تو ہم اسے فعلِ مستحسن قرار نہیں دے سکتے۔ اور پھر اس میں ایک ابدی نقصان یہ بھی ہے کہ رباعی سے ایک عنوان جڑ دینا، اس کی معنویت اور فکری کینوا س کو از خود محدود کرنا ہوگا۔ قدرت کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ہمیں قاری کے ذہن کو معنی اخذ کرنے کی مکمل آزادی فراہم کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس اعتبار سے یگانہؔ کے رباعی کو 'عنایت کردہ' عنوانات میں نے بے تامل حذف کردیے ہیں۔ 'نشترِ یاس' میں یگانہؔ نے اپنی پسند اور شدتِ پسند کے اظہار کے لیے ہر شعر پر ایک، دو، تین صاد لگائے تھے، لیکن فی زمانہ میں اسے 'امرِ اضافی' سمجھتا ہوں۔ قاری کو بھلا شاعر کی پسند ناپسند سے چہ نسبت؟ لہٰذا اس کا اہتمام کلیاتِ ہٰذا میں روا نہیں رکھا گیا۔

یگانہؔ چنگیزی کی کم وبیش سات آٹھ رباعیاں کہ جن سے فی الحقیقت ادب میں کوئی خاص اضافہ واقع نہیں ہوتا، چہ جائیکہ یگانہ کی حمیت میں فرق پڑتا ہو، میں نے قصداً نکال دیں۔ معاصرانہ چشمک کے تحت لکھے گئے کلام کی معنویت اور مقصدیت وقت کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے لہٰذا اس کی تنسیخ میں کوئی قباحت نہیں۔ بہ ایں ہمہ کلیاتِ ہذا میں قاری یگانہؔ کو اپنی تعصب سے پاک آنکھ سے دیکھے گا اور جدید دور کا نقاد بغیر کسی سابقہ لاحقہ کے، یگانہؔ کے قد کا تعین کرے گا۔ مقدمہ میں یگانہ کی حیات، روزگار، معاصرانہ مخاصمات، غالب شکنی اور یگانہ کے فن کا مختصراً جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مقدمہ میں طوالت سے گریز کرتے ہوئے ممکنہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

دیباچہ کو مختصر کرتے ہوئے آخری مرحلہ سپاس گزاری کا درپیش ہے۔ اس ذیل میں محض 'کلیات' تک ہی معاملہ محدود نہیں بلکہ یگانہؔ سے متعلق تمام تر مواد کی فراہمی اور ضروری اطلاعات کی حصولی جن کرم فرماؤں کے مرہونِ منت ہے، میں تمام کا سراپا سپاس گزار ہوں۔ ایک صدی قبل کا مواد اس عالمِ کس مپرسی میں حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف رہا۔ اس کشاکشِ پیہم کی مختصر روداد بھی قارئین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھ میں یگانہؔ کا جنون سر پہ لیے دورۂ ہندوستان پر نکل پڑا۔ ایک طویل فہرستِ کتب و مضامین ساتھ لیے

مکتبِ عثمانیہ حیدر آباد پہنچا جہاں سے بجز دو ایک مضمون کوئی اور مطلوبہ شئے ہاتھ نہ لگ سکی۔ ساتھ ہی ڈپارٹمنٹ آف آرکائز حیدر آباد سے بھی مایوسی ہوئی۔ یہاں سے رام پور رضا لائبریری رامپور کی طرف کوچ کیا۔ رضا لائبریری کے ڈائریکٹر قبلہ پروفیسر عزیز الدین حسین صاحب کی چشمِ کرم سے قیام و طعام و دیگر غیر عمومی سہولتیں فراہم ہوگئیں۔ رضا لائبریری سے بہت کچھ مواد حاصل ہوگیا۔ رضا لائبریری کے عملہ میں برادرم ظفر احمد، برادرم اصباح علیگ، عزیزی شہامت، کامران میاں و دیگر احباب نے پرتپاک انداز میں امداد بہم پہنچائی۔ خدا انہیں معقول اجر دے۔ یہاں سے خدا بخش لائبریری پٹنہ کی سیر کر آیا۔ کچھ چیزیں یہاں سے بھی موصول ہوگئیں۔ خدا بخش لائبریری کے ڈائریکٹر عالی جناب ڈاکٹر امتیاز احمد صاحب نے خندہ پیشانی سے تعاون کیا۔ یہیں سے آگے بڑھتے ہوئے مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک راجستھان، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، مدن موہن مالویہ لائبریری علی گڑھ، دارا شکوہ لائبریری دہلی وغیرہ کی خاک چھانی۔ سبھی مقامات سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے ہوئے مسلسل رو بہ سفر رہا۔ کچھ لائبریریوں میں میرے عزیزوں و خیر خواہوں نے زحمت اٹھائی اور مجھے مرہونِ منت کیا۔ جن میں شبلی لائبریری ندوہ لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی لائبریری لکھنؤ، دہلی اردو اکادمی لائبریری دہلی، ابن سینا اکیڈمی علی گڑھ وغیرہ شامل ہیں۔

ان اسفار کے علاوہ دکن کے وہ مقامات جہاں میرزا یگانہؔ برسرِ ملازمت رہیں، وہاں حاضری بھی خاکسار نے ضروری خیال کی۔ جن میں سیلو، پربھنی، لاتور، عثمان آباد، ہنگولی، کنوٹ، حیدر آباد وغیرہ شامل ہیں۔ سیلو میں ایک بزرگ نے بتایا کہ لکھنؤ کے ایک دوسرے مولوی صاحب کے ساتھ یگانہؔ بڑی مسجد کے پاس کرایے کے مکان میں رہتے تھے۔ لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ 'آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

پاکستان قومی عجائب گھر کراچی سے بھی خوب خوب تعاون حاصل ہوا۔ ساتھ ہی جی سی یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے سے نقوش کے کئی شمارے حاصل ہوئے۔ اس کے علاوہ برادرم معراج جامی اور برادرم راشد اشرف (کراچی) کے ذاتی کتب خانے سے بھی خاکسار مستفید ہوا۔ اتر پردیش اردو اکادمی لائبریری میں محترمہ شان اسلام صاحبہ (جن سے علیگی نسبت بھی ہے) نے بخوشی تعاون کیا۔ ماہنامہ 'نیا دور لکھنؤ' کے مدیر برادرم ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی نے مواد کی فراہمی میں تعاون کیا۔ میں دونوں ہی صاحبان کا سراپا مشکور ہوں۔ لکھنؤ سے ڈاکٹر نیر مسعود مرحوم،

اظہر مسعود صاحبان سے بھی گاہے بگاہے مشورہ لیا گیا۔ خدا انھیں معقول اجر دے۔ دہلی سے ماہنامہ ''ایوان اردو'' کے مدیر برادرم راغب الدین صاحب نے خوب مدد کی۔ ماہنامہ ''آجکل'' کے مدیر برادرم ڈاکٹر ابرار رحمانی صاحب و معاون مدیر محترمہ نرگس سلطانہ صاحبہ نے 'آجکل' کی فائلوں سے بڑے کام کی چیزیں مہیا کیں۔ نرگس صاحبہ کا بالخصوص جس قدر شکریہ ادا کیا جائے سو وہ کم۔ ساتھ ہی عالی جناب خالد محمود (چیرمن دہلی اردو اکادمی دہلی) نے بھی دست تعاون دراز رکھا۔ بمبئی سے ہمارے بہترین دوست ڈاکٹر کلیم ضیاؔ صاحب و جناب یعقوب راہیؔ نے باقر مہدی کے رشحاتِ قلم کے عکس بھجوائے۔ میں دونوں ہی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ علی گڑھ سے میرے مخلص پدم شری حکیم ظل الرحمن صاحب نے محبت آمیز مدد کی۔ میری یگانہ سے متعلقہ کتابوں کے سرورق کے لیے خاص فرمائش پر برادرم شکیل اعجاز صاحب نے یگانہؔ کا خوبصورت اسکیچ مرحمت فرمایا جسے میری ہر کتاب میں بروئے کار لایا گیا ہے، لیکن میں ان کا شکریہ ادا نہیں کروں گا۔ 'حسابِ دوستاں دردل'۔ جی سی یونیورسٹی لاہور کے لائبریرین جناب محمد طفیل، جناب ناظم حسین و جناب محمد حسن کا بھی میں بہت ممنون ہوں جنھوں نے خطوطِ یگانہؔ کی فراہمی میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ جناب شمس الرحمن فاروقی نے عمیق نظری سے یگانہ پر میری گزشتہ کتابوں کا مطالعہ کیا اور اپنے مفید مشورے عنایت کیے، میں اس فرحتؔ نوازی کے لیے محترم فاروقی صاحب کا ممنون ہوں۔ خدا انہیں کروٹ کروٹ سکون بخشے۔ خوش فکر شاعر، خوش طرز نثار اور معتبر نقادِ ادب جناب شین کاف نظام سے بھی گاہے بہ گاہے خاکسار مشورے لیتا رہا۔ موصوف یگانہؔ کے مداح ہیں اور میری شیفتگی کو سراہتے ہیں۔ نباضِ ادب محترم سید معظم علی کی دوستی اور نیک مشورے میرے لیے سرمایۂ غنیمت ہیں۔

برادرِ بزرگ جناب شمیم فرحتؔ بھی ہمہ وقت حوصلہ افزائی فرماتے ہیں جو میرے جہل پر 'پردۂ لایبصرون' کا کام کرتی ہے۔ شریکِ حیات عالیہ فرحت کی بلاواسطہ شرکت کے بغیر یہ کتاب ممکن نہ تھی۔ جو میرے اس 'خبط' کو 'دانش مندی' پر محمول فرما کر اپنی 'فراست' کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔ ساتھ ہی چہیتی بیٹی تضمین فرحت اور نورِ نظر ترمیم فرحت کا بھی ذکر اس واسطہ سے اہم خیال کرتا ہوں کہ یگانہ تحقیق کی کئی راتوں کی تھکن ان کی ایک مسکراہٹ دور کیے دیتی ہے اور میں یک لخت تازہ دم ہو جاتا ہوں۔

جہاں تک معاملہ پروف ریڈنگ میں تعاون کا بنتا ہے، تو مجھے عرض کرنے دیجیے کہ شہر

امراوتی میں قحط الرجال ہے، بلکہ امراوتی پر ہی کیا موقوف، بعینہ برار میں قحط الرجال ہے۔ معدودے چند قلم کار ہیں، وہ بہ زعم خویش اپنے میں مست رہتے ہیں۔ بقول خلیل فرحت مرحوم،

کس کو فرصت تھی جو سنتا قصہ ءطولِ فراق ہو گئے خود ہی مخاطب، خود ہی فرماتے گئے

تاہم جناب شمیم فرحت میری امداد کی خاطر اس 'گناہِ بےلذت' کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، خدا انھیں معقول اجر دے۔ مشفق خواجہ صاحب کے کلیات کو پیشِ نظر رکھنا میرے لیے ناگزیر رہا، لہٰذا ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سخت ناسپاسی ہوگی گرچہ میں محترمہ عامرہ بیگم صاحبہ بنتِ یگانہ چنگیزی کا شکریہ ادا نہ کروں۔ عامرہ بیگم یگانہ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ اور اپنے والد کی سی دانش مندی ان کی شخصیت میں جھلکتی ہے۔ شعر و ادب پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ اپنے بیٹے جناب کامران میرزا کے ساتھ امریکہ میں مقیم تھیں۔ ابھی حال ہی میں ۱۷ر مارچ ۲۰۲۱ء کو عامرہ بیگم کا انتقال ہوا۔ خدا انہیں غریقِ رحمت کرے۔ یگانہ پر میرے کام کو محترمہ قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ یگانہ کی شعری و نثری نگارشات کی اشاعت کے لیے رضامندی طلب کرنے پر بلاچوں و چرا آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

ایک صاحب کہ جن کا ذکر ابتداء میں کیا جانا چاہیے تھا، میں قصداً اخیر میں کر رہا ہوں۔ ہندوستان کے جدید لب و لہجہ کے مقبول شاعر، کامیاب سرجن جناب ڈاکٹر گنیش گائیکواڑ۔ جنھیں مولائے کریم نے دیدۂ بینا اور سینہ ءبے کینہ سے نوازا ہے، جو یگانہ چنگیزی کو بہ نظر انصاف دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں، اسی جذبہ ءخلوص کی کارفرمائی سے ''کلیاتِ یگانہ'' آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہو پایا ہے۔ میں ڈاکٹر گنیش گائیکواڑ صاحب کا سر بہ سر شکر گزار ہوں کہ ان کے تعاونِ خاص کے بغیر یہ کام ممکن نہ تھا۔ چنانچہ انہی کے نامِ نامی سے کلیاتِ ہٰذا منسوب ہے۔

قارئین سے دست بستہ ملتمس ہوں کہ یگانہ چنگیزی کی شاعری کو بغیر کسی سیاق و سباق کے ملاحظہ فرمائیں۔ اور آپ خود کو باقر مہدی کے مقولے کی تصدیق کرتے پائیں گے کہ میر و غالب کے بعد اردو شاعری کا تیسرا بڑا نام یگانہ ہے۔

وسیم فرحت (علیگ)

یکم جولائی ۲۰۲۱ء

مقدمہ

حیات برائے جہاد

دلِ طوفاں شکن تنہا جو آگے تھا سو اب بھی ہے
بہت طوفان ٹھنڈے پڑ گئے ٹکرا کے ساحل سے

(یگانہؔ)

میرزا یگانہؔ چنگیزی، ایک ایسا نام جسے فضائے ادب رہتی دنیا تک فراموش نہیں کرسکتی۔ یگانہ کا اصل نام میرزا واجد حسین اور تاریخی نام میرزا افضل علی بیگ تھا۔ (آیاتِ وجدانی طبع اول، مطبوعہ کریمی لاہور ۱۹۲۷ء) یگانہ کے بزرگ ایران سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ سلطنتِ مغلیہ میں سپہ سالاری کے صلہ میں مختلف جاگیریں حاصل کرنے کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) کو شہر سکونت بنایا۔ عظیم آباد کے ایک مشہور اور معزز محلہ مغل پورہ میں زندگی آباد کی۔ یگانہ نے اپنی نامکمل اور مختصر خودنوشت میں لکھا ہے کہ ”میرزا واجد حسین، تخلص یاسؔ، ابن میرزا پیارے صاحب ابنِ میرزا آغا جان صاحب ابن میرزا احمد علی صاحب ابن میرزا روشن علی ابنِ میرزا احسن بیگ۔ موخر الذکر بزرگ اطراف ایران سے زمانہء شاہی میں ہندوستان تشریف لائے اور سرکارِ دہلی کی فوج میں ملازم ہوئے۔ انہیں خدمات کے صلے میں چند جاگیریں پرگنہ حویلی عظیم آباد میں بادشاہ کی طرف سے عطا ہوئیں۔ انہی جاگیروں میں ایک موضع رسول پور بھی تھا جو وراثتاً کمترین کو پہنچا تھا۔ نانہالی بزرگوں کا سلسلہ لکھنو سے تھا مگر ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد پھر کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ (خودنوشت یگانہؔ، مطبوعہ علی گڑھ میگزین ۱۹۶۰ء صفحہ نمبر ۱۵۶) یگانہ نے اپنے بزرگوں کے متعلق اور اپنی پیدائش کے ضمن میں ان کی تقریباً ہر تصنیف میں اندارج کیا ہے۔

میرزا واجد حسین بالمعروف یاس یگانہ چنگیزی ۷ ۲ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۸۴ء جمعہ کے مبارک دن عظیم آباد کے مغل پورہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخِ پیدائش کے متعلق خود یگانہ کی کتابوں میں اتنی شہادتیں موجود ہیں کہ اشکال کی گنجائش نہیں بلکہ جائے پیدائش بھی خود یگانہ نے متعدد مرتبہ رقم فرمائی ہے۔ یگانہؔ دادیہال اور نانیہال، دونوں ہی جانب سے اعلیٰ نسب تھے۔ ان کے نانا علی حسن خان صاحب عرف بڑے بابو پٹنہ کے ممتاز رئیسوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ جن کا سلسلہ لکھنو سے جا ملتا ہے۔ یگانہ کو ترکے میں بجز احساس برتری اور کچھ نہ ملا۔ مشت بھر جائیداد ملی جو تمام زندگی بسر کر لینے کے لیے ناکافی ٹھہری۔

مغل جاگیرداروں کے گھر پرورش پانے والے یگانہؔ کا زمانۂ طفلی آرام بخش رہا۔ گو کہ جاگیردارانہ روش دھیرے دھیرے ختم ہو چلی تھی تاہم اتنا انتظام تو ضرور تھا کہ کسی فرد کو ملازمت یا فکرِ معاش سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ یگانہ کو اپنے عہد کی بہترین تعلیم دلوائی گئی۔ لیکن یہ سلسلہ بھی بہت دیر تک نہ چل سکا۔ یگانہؔ تحتانوی درجے میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے یگانہؔ مولانا سعید حسرت عظیم آبادی کے مدرسہ واقع مغل پورہ میں شریک کیے گئے۔ (آیاتِ وجدانی، محولہ بالا، صفحہ نمبر ۷) اس مدرسے میں وزیر علی رنگ پوری اور مولوی محمد عظیم آبادی صاحب پشاوری سے یگانہؔ نے فارسی کی درسیات مکمل کیں۔ بعد ازآں پٹنہ کی مشہور درس گاہ محمڈن انگلو عربک اسکول میں داخل کیا گیا۔ مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی کے مدرسے کے شاعرانہ ماحول نے یگانہؔ کے مزاج کو شعر گوئی کی طرف مائل کیا۔ "آیاتِ وجدانی" (طبع اول) کے دیباچے میں میرزا مراد بیگ شیرازی رقم طراز ہیں "محمڈن اینگلو عربک اسکول میں داخل ہوئے، اول سے آخر تک وظیفے اور تمغے اور انعامات پاتے رہے اور ۱۹۰۳ء میں فارغ التحصیل ہو کر نکلے"۔ (آیاتِ وجدانی، محولہ بالا، صفحہ نمبر ۷) اسکول میں یگانہؔ کے استاد مولوی سید علی خان بےتابؔ، کہ جو شہر عظیم آباد کے مشہور اور پختہ شاعر تھے اور شادؔ عظیم آبادی کے تلامذہ میں شامل تھے، نے یگانہؔ کی تعلیم و تربیت میں خصوصی شفقت و توجہ کا اظہار کیا۔ یگانہؔ کی صحیح دماغی نشو نما، مذاق شعر کی اصلاح اور رموزِ فصاحت و بلاغت کی تعلیم بھی حضرتِ بےتابؔ نے فرمائی۔ بےتابؔ فطری اور وجدانی شاعر تھے، ساتھ ہی مقبول مختار تھے، فوجداری مقدمے لڑتے تھے۔ (بعض شعرائے عظیم آباد، از یگانہؔ، مطبوعہ نظارہ میرٹھ، جنوری فروری ۱۹۱۶ء صفحہ نمبر ۵۵)

۱۹۰۳ء میں یگانہؔ نے کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ (واضح ہو کہ اس

وقت بنگال کی تقسیم عمل میں نہیں آئی تھی اور صوبہء بہار بنگال ہی کا حصہ ہوا کرتا تھا، کلکتہ جس کا دارالخلافہ تھا) ۱۹۰۳ء سے ۱۹۰۴ء کے درمیان کچھ مہینوں کے لیے یگانہ نواب کاظم علی خان رئیس سنگی دالان عظیم آباد کے پوتے نواب ابوالحسن خان (جن کا جوانی میں انتقال ہوا) کے اتالیق مقرر ہوئے۔ (ہرچند کہ اس اتالیقی کا سلسلہ یگانہ کے دوران تعلیم، میٹرک کے اخیر سے ہی شروع ہو چلا تھا) ان لوگوں سے یگانہ کے نانیہالی عزیزوں کی رشتے داری بھی تھی جس کا علم یگانہ کو اپنی والدہ کے ذریعے ہو چکا تھا مگر یگانہ نے اپنی مٹی ہوئی خاندانی وجاہت کے پیش نظر اس تعلق کو ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ (آیاتِ وجدانی جدید، مطبوعہ اسٹیم پریس حیدرآباد ۱۹۴۶ء صفحہ نمبر ۵)

۱۹۰۴ء میں یگانہ نے کلکتہ اور مٹیا برج کا سفر اختیار کیا وہاں شہزادہ میرزا محمد مقیم بہادر (واجد علی شاہ کے نواسے) کے مرشد زادوں کے انگریزی اتالیق مقرر ہوئے۔ مگر مٹیا برج کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ کچھ دنوں بیمار ہو کر عظیم آباد لوٹ آئے۔ لیکن ستم بالائے ستم کہ تبدیلی آب و ہوا کی بناء پر صحت عظیم آباد میں بھی بحال نہ ہوئی اور علالت کا یہ سلسلہ کم و بیش ایک سال تک جاری رہا۔ حالت اس درجہ بگڑ گئی کہ امیدِ زیست بھی باقی نہ رہی۔ لامحالہ ۱۹۰۵ء میں لکھنو تشریف لے گئے۔ سفر کلکتہ اور لکھنو آوری کے متعلق یگانہ نے اپنی متعدد کتابوں میں اظہار کیا ہے۔ لکھنو میں یگانہ حکیموں کے معروف محلے جھوائی ٹولہ میں کرائے کے مکان میں مقیم تھے۔ نورالحسن نے یگانہ کا حلیہ بیان کیا ہے کہ ''گندمی رنگ، اوسط قد، لمبی لمبی مونچھیں، چال البیلی، ڈھیلے ڈھالے کپڑے غرارہ دار پاجامہ، کالے بالوں والی ایرانی ٹوپی، عینک لگی ہوئی، لکڑی ہاتھ میں، جھومتے جھامتے پھرتے تھے بعض وقت بے ساختہ قہقہہ لگاتے''۔ (اردو کا معتوب شاعر یاس عظیم آبادی، مطبوعہ آبگینہ حمایت نگر حیدرآباد ۱۹۶۴ء صفحہ نمبر ۳۱)

سات آٹھ سال یگانہ لکھنو میں تنہا بہ تقدیر زندگی گزارتے رہے۔ ان ہی دنوں یگانہ کے رشتے کی بات لکھنو میں طئے ہوئی اور ۱۹۱۳ء میں برصغیر کا عظیم فنکار رشتہء ازدواج میں بندھ گیا۔ یگانہ نے اپنی شادی اور سسرالی عزیزوں کے متعلق اپنی خودنوشت میں تفصیل لکھی ہے۔ حکیم محمد شفیع صاحب کی پہلی بیوی کنیز فاطمہ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی کنیز حسین یگانہ سے منسوب ہوئیں جن کی پرورش حکیم صاحب کی تیسری بیوی انجو بیگم نے اپنی اولاد کے جیسی کی اور انھیں کے ہاتھوں شادی کے جملہ امور انجام پائے۔

کنیز حسین، یگانہ کی اہلیہ، اپنے نام سے کم اور ''یگانہ بیگم'' سے ادب میں زیادہ مشہور

ہیں۔ تینتالیس برسوں پر محیط اس ہم سفری میں یگانہ بیگم نے یگانہ کے ہر رنگ و روپ اور قدرت کے ہر ستم کو دیکھا، جھیلا اور اس پر صبر کیا۔ تنگ حالات میں بھی یگانہ بیگم کی ذہنی کشادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ اپنے خاوند کی آئے دن کی ہجرت اور مسائل روزگار میں بھی یگانہ بیگم نے خفگی کا اظہار نہیں کیا۔ یگانہ تمام عمر یہاں وہاں روزگار کی تلاش میں بھٹکتے رہے۔ عہدِ شباب میں بھی یگانہ کسی ایک جگہ قیام نہ کر پائے۔ لکھنو سے اٹاوہ، علی گڑھ، لاہور، پھر بہت دور عثمان آباد، لاتور، یادگیر، سیلو، کنوٹ، وغیرہ مقامات پر مہاجرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن یگانہ بیگم نے ایک سچے دوست کی طرح یگانہ کی غم گساری کی۔ اس تمام شہر بدری میں بھی یگانہ بیگم خود کو دور نہ رکھ پائیں۔

یگانہ کے یہاں سات بچے پیدا ہوئے۔ شادی کے دوسرے سال (یعنی ۱۹۱۴ء) پہلی اولادِ نرینہ پیدا ہوئی لیکن محض ایک ہفتہ زندہ رہی۔ مابقیہ اولاد کی ولادت کی تفصیل یگانہ نے اپنی قلمی بیاض (مخزونہ قومی عجائب گھر کراچی پاکستان NM/1957-903) میں درج کی ہے۔ (یگانہ کی بیاض میں عیسوی سن درج نہیں ہے، سہولت کی خاطر میں نے درج کر دیا ہے)

۱) حسن بانو (عرف بلند اقبال) ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۶ء وقت آٹھ بجے دن یوم سہ شنبہ مقام جھوائی ٹولہ لکھنو (وفات مارچ ۲۰۰۰ء، بہ مقام کراچی)

۲) آغا جان ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ ۲۹ اگست ۱۹۲۰ء یوم دوشنبہ ۹ بجے شب مقام باغ قاضی لکھنو (وفات یکم مئی ۱۹۹۰ء، بہ مقام کراچی)

۳) ام صغریٰ یکم فروری ۱۹۲۴ء ۱۳۴۲ھ یوم جمعہ مقام لکھنو، وفات اول محرم ۱۳۴۸ھ شاہ گنج لکھنو

۴) مریم جہاں ۱۳ محرم ۱۳۴۴ھ ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء یوم شنبہ دو بجے دن لاہور (وفات ۲۲ر اگست ۲۰۲۰ء، بہ مقام کراچی)

۵) حیدر بیگ، شب یک شنبہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ ۱۷ مئی ۱۹۳۰ء عثمان آباد (وفات ۲۰۰۴ء، بہ مقام کینیڈا)

۶) عامرہ بیگم، یوم سہ شنبہ پونے پانچ بجے صبح ۱۴ محرم ۱۳۵۰ھ ۲ جون ۱۹۳۱ء عثمان آباد (وفات ۱۷ر مارچ ۲۰۲۱ء، بہ مقام امریکہ)

بلند اقبال کا بیان ہے کہ یگانہ اپنے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں سے زیادہ پیار کرتے تھے اور ان کے نام کے ساتھ "صاحب" کا لاحقہ لگا کر انہیں احترام سے بلاتے تھے۔ بلند اقبال اور حیدر بیگ کے نام خطوط سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ام صغریٰ بنت یگانہ کا انتقال نہایت کم

سنی میں ہو گیا تھا۔ یگانہ کو امّ صغریٰ کے انتقال کا بڑا ملال تھا اور تا عمر رہا۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنے خطوط میں کیا ہے۔ وہ ان دنوں عثمان آباد میں برسر ملازمت تھے۔ یگانہ کی بڑی اور سب سے چہیتی بیٹی حسن بانو عرف بلند اقبال کے شوہر شہر یار میرزا عرف شلن صاحب۔ بلند اقبال سے ان کی شادی ۱۹۴۰ء میں لکھنو میں ہوئی۔ شہر یار میرزا کا انتقال جولائی ۱۹۸۳ء کراچی میں ہوا۔ بلند اقبال کی اولادیں کراچی ہی میں آباد ہیں اور بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ بلند اقبال کا انتقال مارچ ۲۰۰۰ء میں شہر کراچی میں ہوا۔

۱۹۱۳ء تا ۱۹۲۳ء یگانہ نول کشور پریس کے ''اودھ اخبار'' کے مدیر تھے۔ یگانہ کے خلاف وہ وہ سازشیں کی گئیں کہ بالآخر یگانہ کو ''اودھ اخبار'' کی نوکری گنوانی پڑی۔ یگانہ پر عرصہء حیات اس قدر تنگ کر دیا گیا کہ انھیں معاش کی کوئی صورت باقی نہ رکھی گئی۔ یگانہ نے اپنی اس کیفیت کا اظہار یوں کیا ہے کہ'' تنگ دستی کے ہاتھوں مجھے اپنی عمر بھر کا سرمایہ یعنی کتب خانہ کوڑیوں کے مول بیچ کر سر بہ صحرا ہونا پڑا''۔ (مکتوب بنام مولوی ضیاء احمد بدایونی محررہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۴ء مشمولہ 'مکتوباتِ یگانہ' از خاکسار مطبوعہ اگست ۲۰۱۳ء صفحہ نمبر ۱۳۹)

۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۴ء یگانہ نے ریلوے کے اکاؤنٹ آفس میں ملازمت کی۔ (میرزا یگانہ چنگیزی۔ میرا ذاتی تاثر۔ بشیشور پرشاد منور لکھنوی مطبوعہ ماہنامہ 'ہمایوں' دہلی شمارہ اپریل ۱۹۶۷ء صفحہ نمبر ۲۴۳) جنوری ۱۹۲۴ء میں اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے ہیڈ ماسٹر مولوی سید الطاف حسین کے توسط سے بحیثیتِ مدرس یگانہ کو ملازمت مل گئی۔ الطاف حسین یگانہ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ساتھ ہی فانی اور جگر کو بھی انھوں نے اٹاوہ بلا لیا تھا۔ خدا جانے کیا معاملہ رہا کہ یگانہ یہاں بھی سال بھر سے کچھ زائد عرصہ ہی ٹھہر پائے۔ قیام اٹاوہ کے دوران یگانہ نے جنوری ۱۹۲۵ء میں ''صحیفہ'' نامی ماہنامہ جاری کیا۔ اٹاوہ سے یگانہ علی گڑھ چلے گئے جہاں انھیں چھاپہ خانے میں پروف ریڈر کی نوکری مل گئی۔ علی گڑھ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یگانہ کی معرکہ خیز کتاب ''شہرتِ کاذبہ'' کی چھپائی لکھنو میں ہو چکی تھی لیکن ٹائٹل باقی تھا اور یہیں علی گڑھ میں مذکورہ کتاب کا ٹائٹل چھاپا گیا۔ جس کی اطلاع ''شہرتِ کاذبہ'' کے اندرونی سرورق سے ملتی ہے۔ یگانہ کے قیام علی گڑھ کے دوران لاہور میں تاجور نجیب آبادی نے ''اردو مرکز'' قائم کیا جس کے تحت تصنیف و تالیف کے لیے ملک بھر سے ادباء و شعراء بلوائے گئے۔ یگانہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ غرض کہ یگانہ علی گڑھ میں چھ ماہ سے زائد نہیں ٹھہرے۔ (بھائی ابا۔ بلند اقبال۔ مطبوعہ تخلیقی ادب ۲ کراچی

۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۳۹۳) یگانہ لاہور چلے گئے۔ اس زمانے میں مالک رام بغرض ملازمت لاہور میں تھے۔ دوارکا داس شعلہ، پنڈت ہری چند اختر، میرزا فہیم بیگ وغیرہ احباب سے یگانہ کی رسم و راہ اسی قیامِ لاہور سے پیدا ہوئی۔ قیام لاہور یگانہ کے لیے مثبت نتائج کا سبب بنا۔ لاہور اشاعتی اداروں کے لیے اس زمانے میں خاصہ مشہور تھا۔ مختلف پبلشروں سے یگانہ کے مراسم پیدا ہوئے۔ 'آیاتِ وجدانی' اور 'ترانہ' کی اشاعت کے لیے راہیں ہموار ہوئیں۔ ساتھ ہی رسائل میں متواتر اشاعت کے جذبے کو بھی لاہور میں ہی جلا ملی۔ 'بہارستان' لاہور میں یگانہ کثرت سے شائع ہوتے تھے۔ 'بہارستان' کے مدیر اختر شیرانی یگانہ کے مداح اور شائق تھے۔ قیامِ لاہور کا حلیہ مالک رام کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، ''مشاعرے کی صدارت سر شیخ عبدالقادر مرحوم نے کی تھی۔ انھوں نے میرزا یگانہ سے اپنا کلام سنانے کو کہا، تو وہ منبر پر تشریف لائے۔ لگ بھگ ۴۵ برس کا سن، متوسط قد، سانولا رنگ، تیکھا ناک نقشہ، بڑی بڑی ذہین اور چمک دار سیاہ آنکھیں، چشمہ لگائے ہوئے، یہ بڑی گھنی مونچھیں جنھیں بھرپور تاؤ دے رکھا تھا۔ سر پر اونچی دیوار کی سیاہ کپڑے کی ٹوپی اور گلے میں معمولی سپید کپڑے کی شیروانی تھی، جس کی بائیں طرف کی جیب کے باہر گھڑی کی زنجیر دکھائی دے رہی تھی، نیچے سپید لٹھے کا پاجامہ، پیروں میں سیاہ رنگ کا پمپ شو اور ہاتھ میں ہلکی سی بید کی چھڑی۔ یہ تھے میرزا یاس عظیم آبادی'' (مضمون 'یگانہ چنگیزی' مشمولہ 'یہ صورتیں الٰہی' از مالک رام، مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی فروری ۱۹۷۴ء، صفحہ نمبر ۱۳۹)

بد قسمتی سے ''اردو مرکز'' چل نہ سکا اور نومبر ۱۹۲۶ء میں یگانہ مع اہل خانہ لکھنو لوٹ آئے۔ 'اردو مرکز' بند ہونے کی وجہ کچھ اور رہی تاہم یگانہ کی علیحدگی کن ہی اور وجوہات کی بناء پر واقع ہوئی۔ معاملہ یہ ہے کہ جگر مرادآبادی، اصغر گونڈوی اور یگانہ ابتداء میں تینوں ایک ہی کمرے میں مقیم تھے۔ پھر یگانہ نے اہل خانہ کو لاہور بلوالیا اور ایک دوسرا مکان میں کرائے سے رہنے لگے۔ (جس کا نام انھوں نے ٹیڑھا بنگلہ رکھا تھا) قابلیت از خود اپنے دشمن پیدا کر لیتی ہے۔ یہاں بھی وہی معاملہ ہوا۔ جگر اور اصغر نے یگانہ کے خلاف سازشیں کیں اور بالآخر یگانہ کو 'اردو مرکز' سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ (آیاتِ وجدانی اول صفحہ نمبر ۱۰۵) روزگار پر حملے کرنے والوں کے خلاف یگانہ زندگی بھر لکھتے رہے۔ لیکن ہمارے سہل پسند محققین کو اس کے پس پردہ عوامل سے واقفیت نہ ہونے کی بناء پر سر زمانہ کچھ اور ہی تصویر پیش کی گئی ہے، اور یہ اردو ادب کا المیہ ہے۔

لاہور سے واپسی کے بعد میرزا فہیم بیگ گوالیاری نے انھیں خط لکھ کر لاہور واپس آنے

کی دعوت کی۔(مذکورہ خط کا عکس ''مکتوباتِ یگانہ'' میں شامل ہے) دسمبر ۱۹۲۶ء میں یگانہ دوبارہ لاہور آئے اور جولائی ۱۹۲۷ء تک لاہور میں مقیم رہے۔ یہیں سے یگانہ کا دوسرا شعری مجموعہ ''آیاتِ وجدانی'' شائع ہوا۔

لاہور سے یگانہ اپنے خسر کے انتقال پر لکھنو آئے تھے اور پھر دوبارہ لاہور کا کبھی رخ نہیں کیا۔ یگانہ پہلی مرتبہ ۱۹۲۷ء کے اخیر میں تلاش معاش میں حیدر آباد گئے تھے۔ وہاں محکمہ ءرجسٹریشن و اسٹامپ میں سب رجسٹرار کے عہدے پر ملازمت مل گئی۔ اور عثمان آباد میں تقرر ہوا۔ چند برس ہوئے تھے کہ یگانہ کے بڑے بیٹے آغا جان کی صحت خراب ہونے لگی۔ خرابی صحت کا سلسلہ ۱۹۳۲ء تک جاری رہا۔ چارو نا چار یگانہ بچوں کو ساتھ لے کر دہلی بغرضِ علاج روانہ ہو گئے۔ راستے میں آگرہ پر یگانہ کے دوست نجم آفندی نے انہیں روک لیا۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں یگانہ آگرہ پہنچے۔ (یگانہ کے ساتھ چند لمحے، میکش اکبرآبادی، مطبوعہ نقوش لاہور، اکتوبر ۱۹۵۸ء صفحہ نمبر ۲۳۸) یگانہ اکتوبر ۱۹۳۲ء تا ۳۰ دسمبر آگرہ میں رہے۔ تین مہینے کی طویل رخصت (Leave) کی وجہ سے ان کا تبادلہ عثمان آباد سے لاتور کر دیا گیا۔
(مکتوب بنام شعلہ بتاریخ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۲ء مشمولہ 'مکتوباتِ یگانہ')

یگانہ ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۸ء لاتور میں مقیم رہے۔ قیام لاتور ہی کے دوران یگانہ کی شہرہ آفاق تصنیف مجموعہ رباعیات ''ترانہ'' لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ لاتور سے یگانہ کا تبادلہ سیلو (ایک چھوٹا سا قصبہ جو پربھنی اور جالنہ کے درمیان ہے، تحقیق کے دوران مصنف نے بھی سیلو کی خاک چھانی، مزید یہ کہ فراقؔ کے نام یگانہ کا مشہور خط نما مضمون یا مضمون نما خط اسی مقام سے لکھا گیا تھا۔ جو میری عنقریب شائع ہونے کتاب 'یگانہ شناسی' میں شامل ہے) پربھنی، ہنگولی اور کنوٹ، تھوڑے تھوڑے وقفے کے لیے ہوتا رہا۔ ۱۹۳۹ء میں یگانہ کا تبادلہ کنوٹ (دکن کا آخری حصہ) سے یادگیر (فی الحال واقع ریاست کرناٹک) ہوا جو قدرے بڑا شہر ہے۔ یادگیر چار برس یگانہ کا مستقر رہا۔ رٹائرمینٹ کے متعلق واقعہ بھی قارئین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اعظم حسین اعظم نے اپنے مضمون ''میرزا یگانہ چنگیزی'' میں لکھا ہے کہ ''اواخر ۱۹۴۲ء میں جب کہ میرزا یگانہ کی ملازمت ۵۵ سالہ کی بناء پر ختم ہونے والی تھی، پرنس معظم جاہ بہادر نے میرزا صاحب سے خود فرمایا کہ آپ وظیفے سے پہلے چھ ماہ کی باتنخواہ رخصت (Leave with pay) لے کر میرے پاس کیوں نہیں آجاتے۔ پرنس کی یہ تجویز سن کر میرزا صاحب دل میں بہت گھبرائے کہ یہ تو وہی بات کہہ

رہے ہیں جو مجھ ایسے شخص سے کبھی ممکن نہیں یعنی درباداری۔ میرزا صاحب نے پرنس کا جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ ادھران کا انسپکٹر جنرل بھی اس امر کا خواہاں ہوا کہ میرزا صاحب جگہ خالی کردیں تو وہ اپنا مہرہ اس جگہ بٹھادے۔ میرزا صاحب نے رخصت نہیں لی مگر انسپکٹر جنرل نے میرزا صاحب کا تبادلہ تعلقہ یادگیر سے ایسی جگہ کیا جہاں میرزا جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر وہ نہیں گئے اور رخصت لے کر ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔'' (مطبوعہ، نقوش لاہور، شخصیات نمبر، ۱۹۵۶ صفحہ نمبر ۸۶۹)۔ اس کے بعد یگانہ محض پندرہ روپے پنشن لے کر لکھنو آ گئے۔ لیکن کچھ ہی وقت کے بعد پھر حیدرآباد چلے گئے۔ جہاں وہ اپنے دیرینہ دوست غلام پنجتن کے یہاں مقیم ہوئے۔ غلام پنجتن کا مکان حیدر گوڑہ، حیدرآباد میں واقع تھا۔ (یگانہ بیتی، کچھ سنی کچھ دیکھی۔ محمد رضا انصاری، مطبوعہ ماہنامہ آجکل، دہلی، اگست ۱۹۷۴ء صفحہ نمبر ۱۱) یہ وہی مکان ہے کہ جس میں یگانہ پہلی مرتبہ حیدرآباد آمد پر ٹھہرے تھے۔

اس اثناء میں یگانہ چاہتے تھے کہ ''آیاتِ وجدانی۔ جدید'' لاہور سے شائع کی جائے۔ اسی سے متعلق ایک اہم واقعہ کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا جو یگانہ کی شرافت اور طہارتِ نفسی کا مظہر ہے۔ یگانہ کا دوسرا شعری مجموعہ ''آیاتِ وجدانی'' (۱۹۲۷ء) کے پبلشر شیخ مبارک علی تاجر، لاہور تھے۔ شعلہ لکھتے ہیں ''لاہور میں آیاتِ وجدانی کا پہلا ایڈیشن چھپا تو ناشر نے پانچ سو روپے بطور معاوضہ دینے منظور کیے۔ سو روپے مسودہ حاصل کرتے وقت دے دیے باقی وعدہ۔ چند ماہ میں کتاب شائع ہوگئی۔ میرزا تقاضہ کرنا تو خیر جانتے ہی نہ تھے۔ اپنی بدحالی سے مجبور ہو کر ایک دن مجھ سے ذکر فرمایا کہ اگر ناشران کے باقی چار سو دے دے تو یہ رقم کئی ماہ تک لیے ان کے اخراجات کی کفیل ہو جائیگی۔ میں نے اجازت چاہی کہ پتا کروں۔ فرمایا: 'تجارت پیشہ لوگ ہیں روپے ہاتھ میں نہ ہوں گے ورنہ خود ہی پہنوچا (پہنچا) جاتے'۔ یہ معاملہ پنڈت ہری چند اختر کے علم میں تھا۔ میں نے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا، 'میرزا یہاں کے کتب فروشوں کے چلن سے واقف نہیں، اگر تقاضوں پر بھی یہ رقم وصول ہو جائے تو بڑی بات ہے'۔ میں کتب فروش کے ہاں پہنوچا۔ پھر ہری چند بھی آ گئے۔ آخر وہ بندۂ ضرورت میرزا کے یہاں گیا۔ سو روپے آگے رکھ کر چلا آیا اور ہم سے کہہ دیا کہ حساب بے باق ہو گیا۔ جب میرزا سے پوچھا کہ آپ نے سو روپے لے کر معاملہ کیوں طے کر دیا تو فرمایا: 'وہ تو سو روپے بھی نہ جانے کس مشکل سے مہیا کر سکا۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ اس کی کھال بھی کھینچ لی جائے'، ہم اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ مجھے اب تک وہ نقشہ

یاد ہے۔ میں نے میرزا سے عرض کی کہ یہ لوگ بڑے چالباز ہیں آپ یونہی ان کے بھرّے میں آ گئے، میرزا اس پر برافروختہ ہوئے اور بھنویں تان کر کہا، تم لوگ خواہ مخواہ کسی شریف آدمی پر تہمت لگاتے ہو، تم یہاں نہیں تھے ورنہ اس کی صورت دیکھتے، وہ بے چارہ تو مارے شرمندگی اور مجبوری کے پانی پانی ہوا جاتا تھا۔ مجھے تو سو روپے بھی لیتے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی گناہ کر رہا ہوں۔ اس کا پیٹ کاٹ کاٹ کر اپنا پیٹ پالوں، یہ کہاں کی شائستگی ہے۔ بھائی اسے دیکھا ہوتا تو پتہ چلتا۔ بیچارے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ تو میں نے اسے دلاسا دیا ورنہ رو پڑنے میں کون سی کسر رہ گئی تھی۔'' (یہ تیس برس کا قصہ ہے، مشمولہ یگانہ، از ساحل احمد، اردو رائٹرس گلڈ الہ آباد ۱۹۸۶ء، صفحہ نمبر ۲۷۹)۔ یگانہ کی انسان دوستی کو سلام کیا جانا چاہیے۔ کسی معصوم بچے کی سی شرافتِ نفس یگانہ میں پائی جاتی تھی۔ زمانہ کی مسلسل اور متواتر بے رخی اور ایذا رسانی ہی یگانہ کی کرختگی کا باعث بنی۔

یگانہ کا مکتوب بنام دوارکا داس شعلہ بتاریخ ۱۳ جون ۱۹۴۶ء (مشمولہ مکتوباتِ یگانہ از خاکسار) سے اندازہ ہوتا ہے کہ یگانہ حیدر آباد سے بمبئی چلے گئے۔ وہ اپریل ۱۹۴۶ء تا وسط مئی ۱۹۴۶ء بمبئی میں مقیم رہے۔ یگانہ کے ایک نزدیکی خیر خواہ ذوالفقار علی بخاری، جو ان دنوں آل انڈیا ریڈیو بمبئی کے ملازم تھے، نے یگانہ کو تبدیلیٔ آب و ہوا کی غرض سے اپنا مہمان بنایا۔ یگانہ قیام بمبئی میں ان ہی کے یہاں مقیم رہے۔ (سرگزشت، از ذولفقار علی بخاری، معارف کراچی ۱۹۶۶ء صفحہ نمبر ۱۷۸) اسی درمیان یگانہ نے بخاری کے توسط سے اپنے بیٹے آغا جان کو آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت فراہم کروادی۔ مزید اسی اثنا میں ترقی پسند مصنفین کے روحِ رواں سجاد ظہیر نے ان کا دیوان ''گنجینہ'' کمیونسٹ پارٹی کے دارالاشاعت (لاہور) سے شائع کروانے کے متعلق کارروائی کی۔ جس کی ترتیب یگانہ نے بمبئی میں ہی قیام پذیری کے دوران سرانجام دی۔ مشفق خواجہ مرحوم کے مرتبہ ''کلیاتِ یگانہ'' کے سرورق پر ''گنجینہ'' میں شائع شدہ تصویر لی گئی ہے، جو قیام بمبئی کی ہی دین ہے۔ یہ تصویر علی سردار جعفری نے کھنچوائی تھی اور یہ غالباً پہلی اور آخری تصویر ہے جس میں یگانہ مسکراتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

ایک مہینہ بمبئی میں گزارنے کے بعد یگانہ پھر تلاشِ معاش میں حیدر آباد کی خاک چھاننے جا نکلے۔ اپنے دیرینہ کرم فرما غلام پنجتن کے یہاں (کہ جہاں سے وہ بمبئی کے لیے نکلے تھے) قیام کیا۔ غلام پنجتن حیدر گوڑہ سے بنجارہ ہل پر منتقل ہو گئے اور یگانہ سے ساتھ چلنے کی

درخواست کی۔ نورالحسن بی اے لکھتے ہیں، ''پنجتن صاحب جب بنجارہ ہل پر رہنے کے لیے آگئے تو یگانہ نے ان کے ساتھ آنا پسند نہیں کیا اور نام پلّی اسٹیشن کے مہمان خانے میں ایک چھوٹا سا کمرہ کرایے پر لے کر رہنے لگے۔'' (اردو کا معتوب شاعر یاس عظیم آبادی، آبگینہ، حمایت نگر، حیدرآباد، ۱۹۶۴ء صفحہ نمبر ۱۷) نام پلّی مسافر خانے میں تقریباً ایک ماہ قیام کے بعد یگانہ کے دیرینہ دوست دکن کے مشہور و مقبول رباعی گو شاعر علی اختر انہیں اپنے گھر لے گئے جہاں یگانہ نے دو ماہ قیام کیا۔ یگانہ جیسے تیسے نومبر ۱۹۴۶ء کے اول ہفتے میں حیدرآباد سے لکھنو پہنچے تھے۔ (مکتوبِ یگانہ بنام دوارکا داس شعلہ، محررہ ۹ نومبر ۱۹۴۶ء مشمولہ ''مکتوباتِ یگانہ'' از خاکسار صفحہ نمبر ۶۴)

حیدرآباد میں چار سال معاش کی تلاش بے سود کے بعد نومبر ۱۹۴۶ء میں یگانہ لکھنو پہنچے تھے لیکن یہاں آکر پھر وہی روٹی کا مسئلہ۔ لہٰذا پھر ایک مرتبہ بادل نخواستہ یگانہ جون ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد پہنچے۔ ۱۹۲۷ء تا نومبر ۱۹۴۶ء کے اٹھارہ سالہ قیام دکن میں یگانہ کے شناسوں کا ایک بہت بڑا حلقہ وہاں موجود رہا۔ اور یہی وہ سبب تھا جو انہیں بار بار دکن کی طرف بحالتِ مجبوری لے جا رہا تھا۔ جس وقت ملک کی تقسیم ہوئی، یگانہ دکن حیدرآباد میں ہی مقیم تھے۔ زبردست تنگ دستی میں گھرے رہنے کی وجہ سے رٹائرمینٹ کے بعد یگانہ تیسری مرتبہ پھر امیدِ موہوم لیے حیدرآباد چلے گئے۔ قیاس تھا کہ حیدرآباد میں معاش کی کوئی صورت نکلے گی۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ایک ۶۸ سالہ بوڑھا آدمی روزگار کی تلاش میں نکلنے پہ مجبور ہوجاتا ہے۔ تیسری مرتبہ کے اس دورۂ حیدرآباد میں یگانہ ۹ ماہ مقیم رہے۔ اور اپنی سب سے چھوٹی بیٹی عامرہ بیگم کی شادی کے لیے واپس لکھنو چلے آئے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۵۰ء کو عامرہ بیگم کی شادی یگانہ کے سسرالی رشتے دار محمد عالم کے ساتھ لکھنو میں سرانجام پائی۔

چھوٹی بیٹی کی شادی کے بعد یگانہ اور یگانہ بیگم ہی لکھنو کے گھر میں رہ گئے تھے۔ بچوں کی مامتا یا پھر کسی اور وجہ سے یگانہ بیگم نے بڑی ضد کر کے کراچی جانے کا پرمٹ یگانہ سے بنوالیا اور ۲۳ جولائی ۱۹۵۱ء کو اپنے بچوں کے پاس جا پہنچیں۔ یگانہ بیگم کے جانے کے ایک مہینہ بعد یگانہ بھی ۲۸ اگست ۱۹۵۱ء کو کراچی چلے گئے۔ اترے تو اپنی بڑی بیٹی بلند اقبال کے گھر تھے لیکن ان کے دیرینہ مداح مولانا رشید ترابی کی طفلانہ ہٹ پر ان کے گھر چلے گئے۔ (مضمون 'یگانہ چنگیزی' مشمولہ 'جناب' از محمد طفیل، لاہور، مطبوعہ ۱۹۶۱ء صفحہ نمبر ۱۴۷) جن کا مکان کلیٹن روڈ (جو آج بہادر یار جنگ کے نام سے جانا جاتا ہے) پر واقع تھا۔

زندگی بھر نت نئی پریشانیوں میں جکڑے رہنے والے یگانہؔ پاکستان میں ایک نئی (اور بالکل نئی) مصیبت کے پھندے میں پھنس گئے۔ یہ واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ یگانہ پہلی مرتبہ کسی ناگہانی آفت کے شکار ہوئے ہوگے۔ یگانہ ہندوستان سے کراچی کا ویزا لے کر پاکستان پہنچے تھے۔ ان دنوں غیر ملکی ویزا کے ضمن میں اس قدر سخت قانون نہ تھا۔ یا کم از کم انتظامیہ کی جانب سے اس قدر سختی نہ رکھی جاتی تھی کہ جتنی آج ہے۔ چنانچہ یگانہ نے خیال کیا کہ لکھنو جانے سے پیش تر وہ اپنے بڑے بیٹے آغا جان سے مل آئیں۔ لہٰذا پشاور چلے گئے۔ وہاں کم و بیش ۲۰ دن قیام رہا۔ پشاور سے یگانہ لاہور آئے۔ قاعدہ کی لاعلمی کی بناء پر یگانہ لاہور سے واھگہ کے راستے دہلی اور وہاں سے لکھنو جانا چاہتے تھے جو بہر اعتبار آسان اور نزدیک ہوتا۔ محمد طفیل نے لکھا ہے کہ ''واھگہ بارڈر پر پہنچنے پر یگانہ کا پرمٹ جانچا گیا۔ پایا گیا کہ اس میں لاہور کا نام نہیں ہے لہٰذا یگانہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس سے آگے کی روداد یگانہ کے الفاظ میں سنیے۔ یگانہ فرماتے ہیں ''اکیس روز جیل میں بند رہا۔ ہتکڑی لگا کر عدالت میں لایا گیا۔ پہلی پیشی پر مجسٹریٹ صاحب نے نام پوچھا۔ میں نے بڑھی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر بڑی شان سے بتایا 'یگانہ'، ساتھ کھڑے ہوئے ایک وکیل صاحب نے بڑی حیرت سے مجھ سے سوال کیا 'یگانہ چنگیزی'، جی ہاں جناب۔ یہ سنتے ہی مجسٹریٹ صاحب (غالباً آفتاب احمد نام بتایا تھا) نے میری رہائی کا حکم صادر فرما دیا۔ جب رہا ہوگیا تو جاتا کدھر؟ اور پریشان ہوگیا۔ مجسٹریٹ صاحب نے میری پریشانی کو پڑھ لیا۔ میں نے ان سے عرض کیا میرے تمام روپیے تو تھانے والوں نے جمع کر لیے تھے، اب مجھے دلوا دیجیے۔ اس پر مجسٹریٹ صاحب نے کہا درخواست لکھ دیجیے۔ میرے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی، کاغذ کہاں سے لاتا اور کیسے درخواست لکھتا۔ اس پر بہ کمال شفقت مجسٹریٹ صاحب نے مجھے ایک آنہ دیا اور میں نے کاغذ خرید کر درخواست لکھی جس پر مجھے فوراً روپیے مل گئے۔ (مشمولہ جناب۔ مطبوعہ ادارہ فروغ اردو لاہور، ستمبر ۱۹۷۰ء صفحہ نمبر ۱۴۹) یہاں سے رہا تو ہو گئے لیکن اب دوسرا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ جس عارضی پرمٹ پر یگانہ پاکستان آئے تھے، اس قید کے چکر میں، اس پرمٹ کی مدتِ قیام جاتی رہی۔ اور اس کی توسیع کروانا، اس وقت نئے پرمٹ بنوانے سے بھی زیادہ سنگین مرحلہ ہوا کرتا تھا۔ اس پوری کاروائی میں کم و بیش آٹھ مہینے گزر گئے۔ ان آٹھ مہینوں میں یگانہؔ ذہنی اور جسمانی ہر دو اعتبار سے پریشان رہے۔ اس 'عجیب و غریب' کرب کی کیفیت یگانہؔ نے اپنے کئی خطوط میں بیان کی ہے۔ (تفصیل کے لیے میری کتاب 'مکتوباتِ یگانہؔ ملاحظہ فرمائیں)

یگانہ ۲۸ اگست ۱۹۵۱ء کو کراچی کے لیے نکلے تھے اور بصد زحمت و باہزار مصائب ۱۸ اپریل ۱۹۵۲ء کو دہلی پہنچے۔ اس درمیان یگانہ کی کیفیت قابلِ رحم رہی۔ اپنے ملک اور اپنی مٹی سے محبت انہیں لمحہ لمحہ تڑپاتی رہی۔ ہر چند کہ اب لکھنو میں ان کا کوئی اپنا نہ رہا تھا۔ تمام بچے مع اہلیہ پاکستان چلے گئے تھے۔ خود اہلِ پاکستان نے انہیں اس مرتبہ روکنے کی خوب خوب کوششیں کی تھیں، لیکن یگانہ نہیں رکے۔ یگانہ لکھنو تو پہنچ گئے لیکن اب یہاں ان کا اپنا کوئی نہ تھا۔ ایک طویل اور خونخوار تنہائی۔ نہ اب وہ ادبی چشمکیں تھیں اور نہ وہ ترکی بہ ترکی جواب دے کر مدِ مخالف کو پسینے میں شرابور کر دینے کا معاملہ۔ یگانہ کے بیش تر حریف اپنی طبعی موت مر چکے تھے۔ اس تنہائی کے کرب کا اظہار یگانہ نے مکتوب بنام یگانہ بیگم محررہ ۲۱ اپریل ۱۹۵۲ء میں یوں کیا ہے کہ،

کششِ لکھنو، ارے توبہ!!
پھر وہی ہم وہی امین آباد
زیست کے ہیں یہ مزے واللہ
چار دن شاد چار دن ناشاد

کچھ دن لکھنو میں تنہائی برداشت کرتے رہے۔

آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے یگانہ اپنے بے حد قریبی اور مخلص دوست ہاشم اسمعیل کے پاس بمبئی چلے گئے۔ شعلہ اور مالک رام کی طرح ہاشم اسمعیل نے بھی آخری وقت تک یگانہ کی مدد کی۔ اور اسی حوالے سے ایک قطعی غیر ادبی آدمی دنیائے ادب میں جاوداں ہو گیا۔ یگانہ ۹ دسمبر تا ۲۳ دسمبر ۱۹۵۲ء بمبئی میں رہے۔ خط بنام مالک رام مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۵۳ء میں لکھتے ہیں "۲۳ دسمبر کو بمبئی میں تو یہ حال ہو گیا کہ جیسے اب وقت آ ہی گیا۔ اوسی (اُسی) شب کو صاحبِ موصوف (ہاشم اسمعیل) نے مجھے ایک آدمی کی حفاظت میں ٹرین پر بٹھا کر لکھنو روانہ کر دیا۔" (خط مخزونہ قومی عجائب گھر کراچی، شعبۂ مخطوطات نمبر شمار 1963-215/17، مشمولہ "مکتوباتِ یگانہ" از خاکسار مطبوعہ اگست ۲۰۱۳ء صفحہ نمبر ۱۶۳)

ادھر پاکستان میں یگانہ بیگم نے قانونی مواخذہ کے خوف سے اپنی قومیت بدل لی تھی۔ (مکتوب بنام شعلہ محررہ ۱۹ دسمبر ۱۹۵۲ء) یگانہ تنہائی سے گھبرا کر یگانہ بیگم کو واپس کراچی سے لکھنو بلوانا چاہتے تھے۔ اسی درمیان پاسپورٹ نافذ ہو گیا۔ اس سے قبل محض عارضی پرمٹ کی بناء پر پاکستان آنے جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ غرض کہ پاکستان کو، کم از کم شعبہ پاسپورٹ میں،

''بیرون ملک'' کا درجہ نہیں دیا گیا تھا۔دسمبر ۱۹۵۲ء سے پاکستان کے لیے بھی پاسپورٹ لازمی قرار دیا گیا۔اور یہ یگانہ کے لیے ایک نئی مصیبت ثابت ہوا۔یگانہ ابھی ابھی ایک مصیبت (پاکستانی قید) سے جان بچا کر نکلے تھے اور پھر ایک نئی آفت نے ان کے در پر دستک دی۔اب ایک دوسرا قانونی مسئلہ درپیش تھا یگانہ بیگم کی ہندوستان واپسی کا۔اس کے لیے یگانہ نے اپنے کئی احباب کو متواتر خطوط لکھے جن میں جوش ملیح آبادی،عرش ملسیانی، مالک رام،شعلہ و دیگر حضرات شامل ہیں۔شعلہ کے نام خط میں لکھتے ہیں،''۲۳ر دسمبر کو بمبئی میں خاتمہ بالکل قریب تھا مگر پھر آئی ہوئی ٹل گئی۔لکھنؤ تک زندہ پہنچ گئے۔یہاں وہی حال، ہر آٹھ دس دن کے بعد حال سے بدحال ہو جاتا ہوں۔تلووں اور پنڈلیوں کا دم نکلا جارہا ہے اور آس پاس کوئی نہیں۔گھر میں جو لوگ ہے وہ اوپر کا کام تو کر دیتے ہیں مگر بُرے وقت اپنے پاس کون آئے؟ بیگم وہاں پھڑ پھڑا رہی ہیں کچھ بنائے نہیں بنتی۔ہر قدم پر دفتری اڑنگے۔پرمٹ کے بعد پاسپورٹ کا طریقہ نکلا ہے۔پاسپورٹ کے لئے انھوں نے درخواست دی۔کئی مہینے کے بعد یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جن بیویوں کے شوہر ہندوستان میں ہی ہیں، انہیں پاکستانی نہیں سمجھا جائے گا نہ پاسپورٹ دیا جائے گا۔لیجیے صاحب اب یہاں اس گورنمنٹ سے رجوع کیجیے، مگر یہ کون کرے۔گھر سے باہر تو نکلنے کی طاقت نہیں۔''
(مشمولہ 'مکتوباتِ یگانہ' صفحہ نمبر ۹۰)

زندگی بھر کی محاذ آرائیاں، گرہوں کے گرہوں سے تنہا جنگ جوئی، ادبی سماجی، معاشی غرض کہ ہر سطح پر ہزار مخالفتوں کا سامنا کرنا اور فتح حاصل کرنا، لاعلمی سے معصوم گناہ پر پاکستان میں جیل کاٹنا، روزگار کے پچاس جھمیلوں سے نبرد آزما ہونا، لکھنؤ کی خونخوار تنہائی کا مقابلہ کرنا، ان تمام امور سے یگانہ تادمِ آخر ہراساں رہے۔ایک ۷۲ سالہ بوڑھے کو تنہائی کس درجہ پریشان کرتی ہے، اس کا اندازہ ہر ذی حس کو ہوگا۔ایسے عالم میں یگانہ کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مشرقی تہذیب اور اردو ادب کے ارفع اقدار کی پلید کر دی۔واقعہ یہ ہے کہ یگانہ چنگیزی زندگی بھر کی رسہ کشی سے ذہنی طور پر بری طرح متاثر ہو گئے تھے۔اپنی بڑی بیٹی بلند اقبال کے نام ایک مکتوب میں یگانہ لکھتے ہیں کہ''دماغ کی حالت یہ ہے کہ اضطراری حالت میں کچھ کا کچھ لکھ جاتا ہوں۔'' واضح ہو کہ مذکورہ خط ۲۰ نومبر ۱۹۵۲ء کا تحریر کردہ ہے۔اسی اضطراری حالت میں ایک خالص نجی خط یگانہ نے نیاز فتح پوری کے نام بھجوایا۔جس میں چنداں رباعیاں مسلمانانِ وطن کی تذلیل کا موجب تھیں۔میں مکرر عرض کرتا ہوں کہ یہ ایک قطعی نجی خط تھا جس کی اشاعت یا تشہیر

کے یگانہؔ خواہاں نہیں تھے۔ اس خط کی اشاعت پر یگانہؔ کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جس سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

یہی وہ غیر انسانی حرکت ہے جو برِ صغیر میں کسی دانشور کے ساتھ پیش نہ آئی ہوگی۔ اہل لکھنو نے اپنی شرافت اور تہذیبی رکھ رکھاؤ کے سارے بھرم توڑ کر رکھ دیے۔ قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اہلِ لکھنو نے یگانہ کے منہ پر جو کالک پوتی تھی وہ تو خیر اسی وقت دھل بھی گئی لیکن اسی دن قدرت نے لکھنو کے منہ پر جو کالک پوتی ہے وہ تا دمِ آخر دھلنے سے رہی۔ دنیا کی کوئی بھی قوم اس دردناک حرکت پر اہلِ لکھنو کو لعن وطعن کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ واقعہ اور اس کے حوالے چونکہ بہت طویل ہیں اس لیے یہاں صرف روداد درج کی جا رہی ہے۔ تفصیل میرے مقالے ''یگانہ چنگیزی۔ تحقیق وتجزیہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ یگانہ نے ''بحالتِ ہذیان'' کچھ رباعیاں لکھ کر نیاز فتح پوری کو بھجوائیں ('' حالتِ ہذیان'' یہ مولانا ماجد دریا آبادی کے الفاظ ہیں) جن سے مسلمانانِ وطن کی تذلیل ہوتی تھی۔ (چار مصارع کی رباعی تو خیر جانے دیجیے، جس کے پاس یہ نگارش بھجوائی گئی خود اس نے الحاد وکفر کی تمام حدوں کو کسی زمانے میں منہدم کر دیا تھا) نیاز فتحپوری نے بقول ڈاکٹر راہی معصوم رضا ''میرے دریافت کیے جانے پر نیاز نے قبول کیا کہ میں نے شرارتاً وہ لفافہ مولانا ماجد کو دیا تھا۔'' (یاس یگانہ چنگیزی۔ از ڈاکٹر راہی معصوم رضا، مطبوعہ شاہین پبلشرز الہ آباد اگست ۱۹۶۷ء صفحہ نمبر ۵۲) مولانا کا شمار ملک کے انتہا پسندوں میں کیا جاتا ہے۔ مولانا نے اپنے ہفت روزہ ''صدق جدید'' ۲۷ مارچ ۱۹۵۳ء کے شمارے میں بڑا سخت اداریہ لکھا اور تینتالیس برس پرانے تمام واقعات (کہ جن کو عوامِ لکھنو بھول بھال گئے تھے) دہرا دیے۔ جس میں غالبؔ، اقبالؔ، عزیزؔ، اصغرؔ، جگرؔ اور تمام ہی ان صاحبان کو شمار کیا گیا جن میں سے تقریباً فوت ہو چکے تھے۔ ہندوستان میں معصوم اور بھولی بھالی ''رعیت'' کو بھڑکانے میں کوئی وقت نہیں لگتا۔ لہٰذا حسبِ منشا نتیجہ برآمد ہوا۔ لکھنو کے چند بد دماغ لڑکوں کے ہجوم نے یگانہ کے گھر پہنچ کر انہیں جوتوں کا ہار پہنایا۔ منہ پر تارکول کی کالک پوتی (بظاہر یگانہ کے منہ پر لگائی گئی لیکن لگی لکھنو کی حمیت پر) انہیں پیدل جلوس کے ساتھ چلنے پر مجبور کیا گیا۔ منصور نگر، کشمیری محلہ، چوک اور نخاس کے چوراہوں پر گھمایا گیا۔ کچھ نالائق قسم کے لڑکے ان کے چہرے پر تھوکتے بھی رہے۔ ایک گھنٹہ تک یہی ظلم سرِ عام چلتا رہا۔ لوگ خاموش تماشہ دیکھتے رہے لیکن کسی شریف کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس انسانیت پر ہو رہے ظلم پر روک لگاتا۔ مولوی گنج سے گزرتے ہوئے جلوس کو پولس نے حراست میں لے کر

یگانہ کو کسی طرح تھانے لے گئے۔ اتنے بڑے غیر انسانی عمل کے لیے ایک اور الزام یگانہ پر لگایا گیا۔ سبّ وشتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس الزام کے پیشِ نظر اہلِ لکھنؤ نے یہ بھی نہ دیکھا کہ فارسی اور اردو ادب کی چند بہترین نعتوں میں یگانہ کی لکھی ہوئی ''اٹھ مرے کالی کملی والے'' صفِ اول میں شمار کی جاتی ہے۔ ایک ذاتی خط کو اشاعتی خط بنا کر کسی ایسے آدمی کے ساتھ، کہ جو بقول خود مولانا ماجد، 'ہذیان' کا شکار ہے، بغیر کسی تحقیق کے، ایسی اوچھی حرکت کرنا کس اسلام کی تعلیم ہے۔ اور کون سا مسلک اس کا حامی ہوگا۔ جب کہ اسلامی اور ہندوستانی قانون (بلکہ دنیا کے کسی بھی ملک کے قانون) کی رو سے ''دیوانے پن کی حالت میں سرزد خطا قابلِ تعزیر نہیں ہوتی۔'' اخیر عمر میں یگانہ کی متزل ذہنی حالت کی تصدیق مالک رام کے مضمون ''یگانہ چنگیزی'' سے بھی ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے یگانہ کے جرمِ بے گناہی کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''نیتوں کا جاننے والا علام الغیوب خدا ہے۔ کوئی کسی کے دل کو چیر کر نہیں دیکھ سکتا کہ اس میں کیا ہے۔ مولانا دریابادی نے جو کچھ (اپنے اداریے) میں لکھا، خدا ہی جانتا ہے، اس سے ان کا مقصود کیا تھا وہ یگانہ کو کیا سزا دلانا چاہتے تھے۔ یگانہؔ نے اس خط میں (جو مضمون برائے اشاعت نہیں تھا) جو رباعیاں لکھی تھیں، ان کی شاعت سے انکار نہیں۔ ان پر مولانا کا مشتعل ہو جانا بھی قدرتی بات تھی۔ لیکن سب سے پہلے تو ہمیں الاعمال بالنیات کا اصول سامنے رکھنا چاہیے۔ یگانہؔ نے وہ خط مولانا عبدالماجد دریابادی کی خدمت میں لکھا ہی نہیں تھا، اگرچہ مولانا نے یہ دعویٰ کیا ہے، یگانہؔ نے یہ 'نجی خط' نیاز فتح پوری کے نام لکھا تھا۔ اس لیے ثابت کرنا پڑیگا کہ یہ انھوں نے مسلم قوم کی دل آزاری کے لیے لکھا تھا۔ پھر مولانا دریابادی خود مانتے ہیں کہ یگانہؔ 'جنون کی حد تک' پہنچ چکے تھے، اور وہ 'ہذیان' بک رہے تھے۔ دنیا کا کوئی قانون یا فقہ ایسے شخص کو اپنے قول وفعل کے لیے ذمہ دار نہیں گردانتا۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی قابلِ توجہ ہے۔ اس ملک میں ایک منظم حکومت ہے، اور مسلمہ قانون اور تعزیرات کا ضابطہ ہے۔ یگانہؔ نے جو قصور کیا تھا اس کے لیے ان پر باقاعدہ مقدمہ چلنا چاہیے تھا، اگر عدالتِ مجاز ان کی دماغی کیفیت دیکھنے کے بعد انھیں مجرم اور سزا کا مستحق ٹھہراتی، تو کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہتی۔ اگر یوں ہر کوئی اپنی صوابدید پر فیصلہ کر لے کہ فلاں شخص نے میری یا میرے بزرگوں کی ہتک کی ہے، اور اسے پیٹ ڈالے یا موت کے گھاٹ اتار دے، تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا! ملک کا امن وامان غارت نہ ہو جائے گا۔'' (وہ صورتیں الٰہی، صفحہ نمبر ۱۶۸)

ڈاکٹر راہی معصوم رضا نے بھی اس واقعہ پر خوب روشنی ڈالی ہے۔مولانا ماجد دریابادی نے اپنے اداریے میں یگانہ کے خلاف جو فردجرم عائد کی تھی اس کے متعلق راہی معصوم رضا فرماتے ہیں کہ ''مولانا نے کوئی چیز چھوڑی نہیں۔یگانہ کے خلاف جو جذبات کام کر رہے تھے،مولانا نے ان سب کو مشتعل کر دیا۔یاس غیر لکھنوی ہیں،یاس بہاری ہیں،یاس غالب وعزیز و اقبال کے مخالف ہیں،یاس شیعہ ہیں،یہی وہ چار ستون ہیں جن پر یگانہ کی مخالفت کی عمارت کھڑی ہوئی'' (یاس یگانہ چنگیزی از ڈاکٹر راہی معصوم رضا،مطبوعہ شاہین پبلشرز الہ آباد،۱۹۶۷ء صفحہ نمبر ۵۶) سچائی یہ ہے کہ مذکورہ خط مولانا ماجد دریابادی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا،پھر یہ بھی قابل غور بات ہے کہ یگانہ کی مولانا ماجد سے کسی بھی زمانے میں نہ دوستی رہی اور نہ دشمنی،بلکہ میرا خیال ہے کہ اڑتا اڑتا تعارف بھی بہ مشکل ہی رہا ہوگا۔اب اس صورت میں یگانہ کا ایک 'نجی خط' مولانا دریابادی کو بھجوانے کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔راہی معصوم رضا لکھتے ہیں،''اگر نیاز فتح پوری نے ایک ذاتی خط کو مولانا دریابادی کے پاس نہ بھیجا ہوتا اور مولانا نے اپنے طویل اداریے میں اس خط کی آڑ لے کر شیعیت پر طنز نہ کیا ہوتا تو شاید یہ شرمناک واقعہ نہ پیش آیا ہوتا جس کے بارے میں مجنوں صاحب (مجنوں گورکھپوری) کا کہنا یہ ہے کہ یہ واقعہ صرف لکھنو میں پیش آسکتا تھا۔'' (یاس یگانہ چنگیزی از ڈاکٹر راہی معصوم رضا،محولہ بالا،صفحہ نمبر ۵۸)

اس واقعہ کے پس پردہ کل ملا کر صرف یہی عوامل کارفرما ہے کہ یگانہ سماجی اور معاشی طور پر غیر مستحکم تھے۔علم کا خزانہ اپنے نزدیک رکھنے والا یہ فنکارِ عظیم ہر دور میں معاشی تنگی کا شکار رہا۔حکومتِ دکن کے ایک ایسے شعبہ (خرید و فروخت) میں کام کرنے والا یہ سچا آدمی کہ جہاں تنخواہ کے علاوہ 'بالائی' سے ملازم،روساء کی صف میں آجاتے ہیں،اس شریف آدمی نے ایک آنہ بھی کسی سے نہ لیا۔اور نہایت معمولی مشاہرہ پر ایمانداری سے اپنی ملازمت کا عرصہ مکمل کیا۔ برعکس اس کے،یگانہ کی مخالف صف والے بھی حضرات صاحب ثروت تھے۔عزیز،ثاقب،صفی اینڈ پارٹی۔راہی معصوم رضا نے ایک دور رس نکتہ بیان کیا ہے،فرماتے ہیں،''جوش ملیح آبادی کا جلوس کبھی نہیں نکلا حالانکہ وہ خدا کو شبیر حسن خان سے چھوٹا جانتے ہیں (شبیر حسن خاں سے بھی چھوٹا ہے خدا)،'خدا کا جنازہ لیے جا رہے تھے فرشتے' قسم کی باتیں چپ چاپ سن لی گئیں۔مولانا دریابادی نے بھی کچھ نہ کہا۔اردو شاعری سے اس قسم کی صدہا مثالیں دی جاسکتی ہیں۔اور اسی لیے جب ہم گالیاں بکتے اور منہ پر تھوکتے ہوئے ایک جلوس میں اڑسٹھ سال کے یگانہ کو ایک رکشہ میں

یوں سوار دیکھتے ہیں کہ ان کے منہ پر کالک لگی ہوئی ہے اور ان کے گلے میں پھٹے ہوئے جوتوں کا ہار ہے تو ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آخر یہ قصہ کیا ہے؟'' (یاس یگانہ چنگیزی از ڈاکٹر راہی معصوم رضا، محولہ بالا، صفحہ نمبر ۵۸)

راہی معصوم رضا کے سوال کا جواب میں اوپر کی سطروں میں درج کر چکا ہوں۔ تصوف کے امام تسلیم کیے جانے والے اصغر گونڈوی نے کہا تھا کہ،

شائستۂ صحبت نہیں ان میں کوئی اصغرؔ
ہندو نہیں دیکھا کہ مسلماں نہیں دیکھا

تو کیا مولانا اصغر کے اس شعر سے مسلمانانِ وطن کی تذلیل نہیں ہوتی ہے؟ لیکن کیا کیا جائے کہ لائق ارتکاب صرف یگانہؔ جانے گئے۔ اردو والے اگر چہ یگانہؔ جیسے نباض ادب کی زبردست تخلیقی و تنقیدی صلاحیتوں کو ٹھیک ڈھنگ سے کام میں لے آتے تو آج اردو ادب کو یگانہؔ کی ذات سے کئی شہ پارے میسر آ گئے ہوتے۔ حیف صد حیف کہ ایسا نہ ہو سکا اور زندگی بھر یہ خلاق ادب و زبان محض معرکہ آرائیوں کی نذر ہو گیا۔ بہر حال۔

یگانہ بیگم ۴ اپریل ۱۹۵۳ء کو کراچی سے لکھنو پہنچیں جب کہ یگانہ کے ساتھ یہ سنگین واقعہ ۳۱ مارچ کو پیش آیا۔ غرض کہ جس وقت یہ غیر انسانی حرکت عمل میں آئی، یگانہ لکھنو میں تنہا تھے۔

یگانہ کے ساتھ جو مندرجہ بالا روح فرسا حادثہ پیش آیا، وہی کیا کم تھا جو پھر ایک مرتبہ اہلِ لکھنو اپنی صدیوں پرانی تہذیب کا گلہ گھوٹنے پر آمادہ ہو گئے۔ ایک ۷۲ سالہ بوڑھے آدمی کو اہلیانِ محلہ نے اتنا ستایا کہ انہیں قہراً و جبراً گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ تفصیل یگانہؔ کی زبانی سنیے، ''پاؤں میں اتنی طاقت نہیں کہ باہر نکل سکوں۔ چکر آنے لگتا ہے۔ ان حالات میں میں ۲ جولائی کو وہ مکان جس میں سولہ سال سے تھا، جبراً و قہراً چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اہلِ محلہ نے اتنا ستایا کہ ٹرنک اور بستر اور بیوی کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوا سارا سامان چھوڑ کر گھر میں قفل ڈال کر چلا آیا۔ اور زیادہ بیمار پڑ گیا۔ ۱۲ جولائی کو معلوم ہوا کہ مکان پر یاروں نے قبضہ کر لیا اور سارا سامان لٹ گیا۔ مجھ میں اتنا دم خم نہیں کہ تھانے جا کر رپٹ لکھوا سکوں۔ یہاں سانس لینا اتنا دشوار ہے تو تھانہ پولس کیسا؟ کیسا گھر بار۔ اب کچھ نہیں معلوم کہاں جاؤں گا اور کہاں ٹھہروں گا۔'' (مکتوب بنام دوارکا داس شعلہ محررہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۳ء مشمولہ 'مکتوباتِ یگانہؔ' از خاکسار صفحہ نمبر ۹۷) مزید لکھتے ہیں کہ

''آخر اہلِ محلہ نے مجھے گھر سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ گرہستی کا سارا سامان اور اپنی بیش قیمتی کتابیں، آیاتِ وجدانی کی قریباً پچاس جلدیں، برتن باسن، النگ پلنگ، میز کرسیاں سب چھوڑ آیا ہوں۔ یاروں نے سب لوٹ لیا۔ نہایت قیمتی مسودات میرے لکھے ہوئے نامعلوم کن ہاتھوں میں پڑیں گے'' (مکتوب بنام شعلہ محررہ ۲۹ اگست ۱۹۵۳ء بحولہ بالا، صفحہ نمبر ۹۸)

یہ کہاں کی رواداری ٹھہری کہ ناکردہ گناہ پر ایک معصوم کو غیر واجبی سزا دینے کے بعد بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا جائے۔ ہائے ری شرافتِ لکھنو۔ ہندوستان بھی کیا یاد رکھے گا اس کے دامن میں ایسی تہذیب کے بدنما داغ بھی ہیں۔ مزید یہ کہ اس بوڑھے آدمی کا گھر بھی لوٹ لیا گیا جس میں اردو فارسی کے نایاب مخطوطات شامل تھے۔ ضیا عظیم آبادی نے لکھا ہے کہ ''بعد میں یگانہ کے مملوکہ نایاب دواوینِ فارسی لکھنو کے مہذب لٹیروں نے من چاہے داموں پر فروخت کیے۔'' (یگانہ چنگیزی از ضیا عظیم آبادی، مطبوعہ اردو پبلشرز لکھنو مطبوعہ ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۳۴)

یگانہ بیگم عارضی پرمٹ پر ہندوستان آئی تھیں۔ جس کی مدت ۲ جنوری ۱۹۵۴ء کو ختم ہونے جارہی تھی۔ لیکن یگانہ نے کسی طرح ۱۰ مارچ تک اس کی توسیع حاصل کرلی تھی۔ پھر ۱۰ مارچ کے بعد Over Stay کا مسئلہ درپیش تھا۔ یگانہ چاہتے تھے کہ یگانہ بیگم کا مستقل قیام لکھنو میں رہے۔ اس کے برعکس یگانہ بیگم پاکستان کی شہریت حاصل کرچکی تھیں۔ اب اس عالمِ ضعف میں یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ (مکتوب بنام شعلہ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۵۴ء مخزونہ قومہ عجائب گھر کراچی۔ شعبہ مخطوطات نمبر شمار این ایم 1963-215/68، مشمولہ ''مکتوباتِ یگانہ'' از خاکسار مطبوعہ صفحہ نمبر ۱۰۱)

اس موقعے پر مجھے یک لخت بھیم سین سچر متخلص بہ سرشار سیلانی کا شعر یاد آگیا۔

اندھیری رات، طوفانی ہوا، ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اس پر ناخدا تم ہو!

تنگی معاش، مخالف فضائے لکھنو، ضعفِ جاں، نو بہ نو عوارض، چھوٹی بیٹی کی ناکام شادی، زندگی بھر کا اثاثہ لٹ جانے کا غم اور ان کے علاوہ بھی بیسیوں ناگفتہ بہ پریشانیاں۔ ایسے عالمِ کس مپرسی میں یگانہ بیگم نے یگانہ سے وہ الجھنیں شروع کیں کہ وہ پریشان پریشان ہوا تھے۔ مشفق خواجہ مرحوم نے لکھا ہے کہ ''بیگم یگانہ کا رویہ تبدیل ہوگیا اور ان کا سلوک یگانہ کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگیا۔۔۔۔۔ یہ اس بیوی کا رویہ تھا جس کی محبت میں یگانہ زندگی بھر سرشار رہے اور جس کی مدح

سرائی انہوں نے اپنی متعدد تحریروں میں کی ہے'' (دیباچہ) اس کی تفصیل یگانہ مکتوب بنام آغا جان مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء میں خود یگانہ نے بڑے پرسوز انداز میں درج کی ہے، فرماتے ہیں، ''جھونپڑی ڈال کر رہنے کا واقعہ یوں ہے کہ تمہاری اماں نے مجھے اتنا عاجز کیا کہ میں تنگ ہو کر پروفیسر مسعود حسن صاحب کے باغ میں اک حجرے میں (آگے چھپر ڈال کر) جا کر ٹھہر گیا۔ ۱۴ جون کو حسن بانو (عرف بلند اقبال بنتِ یگانہ) یہاں سے روانہ ہو گئیں اور ۱۵ جون کو میں مسعود صاحب کے ہاں چلا گیا۔ آخر جولائی سے بارش کی شدت ہونے لگی اور یہاں طبیعت کا یہ حال کہ دو قدم نہیں چل سکتا۔ پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ گھڑی گھڑی نڈھال ہو کر پلنگ پر کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔ ایک بڈھا نوکر مل گیا تھا جو میری خبر گیری کرتا تھا۔ مگر جب وہ کھانے پینے کے لیے باہر چلا جاتا تو پھر میں اکیلا رہ جاتا پھر خدا یاد آتا۔ آس پاس کوئی نہیں۔ جب حالت زیادہ خراب ہو گئی تو میں یہیں پیلے مکان میں واپس آ گیا۔ نثار حسین صاحب نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خدا اوتھیں (انہیں) خوش رکھے۔ مگر تمہاری اماں میری اس چند روزہ زندگی سے اتنی بیزار ہیں کہ میرا ساتھ رہنا اوتھیں (انہیں) گوارا ہی نہیں۔ تم یہاں کیوں آئے۔ میرے ٹھکانے پر کیوں آئے۔ جب جانتے تھے کہ میں یہاں رہتی ہوں تو کیوں آئے۔ (کرایہ کے مکان سے) میں شہنشاہ حسین وکیل کے مکان میں مولانا ناصر حسین صاحب کے مکان کے سامنے رہتا تھا۔ وہاں سے مجھے دوبارا اکیلا چھوڑ چلی آئیں۔ خیر اب شہر میں سجاد حسین کی بیوی کراچی جانے لگیں تو تمہاری اماں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور ہمیشہ کے لیے مجھے تنہا چھوڑ گئیں۔ (مکتوباتِ یگانہ صفحہ نمبر ۱۹۴)

یگانہ پیلا مکان شاہ گنج سے اٹھ کر نخاس چلے آئے۔ یہاں شہنشاہ حسین وکیل کا مکان کرایے پر لے لیا۔ اسی مکان کے سامنے مولانا ناصر حسین صاحب کا مکان تھا جن کی خاندانی وجاہت کے پیشِ نظر، یہ گلی ''جناب کی گلی'' کے نام سے مشہور تھی۔ اب یگانہ نخاس میں اور یگانہ بیگم اپنی بہن کے مکان واقع شاہ گنج میں۔ اس عالمِ تنہائی میں یگانہ کم و بیش چھ مہینے پڑے رہے۔ چھ مہینے بعد یگانہ اسی پیلا مکان میں لوٹ آئے۔ معلوم پڑتا ہے کہ یگانہ بیگم کی ناسازیِ طبع کی بناء پر مجبوراً وفا شعار شوہر اپنی بیگم کی محبت میں بغرض تیمارداری لوٹ آیا ہو۔

یگانہ دسمبر ۱۹۵۴ء کو چوک نخاس سے پیلا مکان بیگم کے پاس لوٹ آئے تھے۔ لیکن پھر چار مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ یگانہ بیگم نے انھیں بری طرح پریشان کر دیا۔ جس میں کچھ دخل یگانہ کے چڑ چڑے پن اور اخیر عمر کے اکھڑے مزاج کا بھی تھا (واضح ہو کہ یگانہ کی تنگ مزاجی

صرف آخری وقتوں میں ہی رہی وگرنہ زندگی بھر ان کی شگفتگی وخندہ مزاجی کی شہادت بڑے بڑوں نے دی ہے) بالاخر جب یہ گھریلو الجھنیں حدِ برداشت سے تجاوز کر گئیں تو یگانہ اپنے عزیز پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب کے گھر ''ادبستان'' میں قیام پذیر ہو گئے۔ مئی ۱۹۵۵ء میں یگانہ کی بڑی بیٹی بلند اقبال والد والدہ سے ملنے کراچی سے لکھنو آئی تھیں۔ ۱۴ جون ۱۹۵۵ء کو بلند اقبال واپس ہوئیں اور اگلے ہی دن یگانہ بحالت مجبوری ۱۵ جون ۱۹۵۵ء کو ادیبؔ کے یہاں منتقل ہو گئے۔ ۱۶ جون تا ۹ اگست ۱۹۵۵ء یگانہ ادیب کے گھر مقیم رہے۔ ایک مہینہ چوبیس دن کے قیام میں یگانہ بیماری سے بری طرح پریشان رہے۔

جس بیوی کے مستقل قیام کے لیے یگانہ نے ہزار نوع کی پریشانیاں جھیلیں، کئی لوگوں کے احسان اٹھائے، کئی خط وکتابت کی، اسی بیوی نے اپنے ۷۳ سالہ بیمار شوہر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ نجانے ایسی کیا صورتِ حالات بنی کہ یگانہ بیگم ایسی حالت میں یگانہ کو چھوڑ گئیں کہ جب دشمن بھی ساتھ نبھا دیتا ہے۔ یگانہؔ نے غالباً ایسے ہی کسی موقعے کے لیے یہ نہایت عمدہ شعر کہہ رکھا ہو،

نگاہِ واپسیں! ایسا نظارہ پھر کہاں ممکن
تمام احباب کا بالیں سے ایک اک کر کے ٹل جانا

پاکستان میں یگانہؔ کی پرمٹ کی مدت ختم ہو جانا، واپسی کے لیے آٹھ مہینے پریشاں حالی، بیگم یگانہ کو ہندوستان واپس بلوانے کے سرکاری رخنہ اندازیاں، عدم روزگار سے مالی پریشانیاں، بیگم سے گھریلو الجھاؤ، ان سے زیادہ تکلیف رساں وہ واقعہ جسے ہندوستان کی ادبی تاریخ کبھی فراموش نہیں کریگی، جو لکھنو کی عظیم الشان تہذیبی روایت کے لیے رہتی دنیا تک بدنما داغ رہیگا، اولاد کے عدم روزگار کے مسائل، گھر بار کے لٹ جانے کا غم، قدرتی وغیر قدرتی آفات کے تحت تبدیلیِ مکان، نوع بہ نوع عوارض جیسی کئی ایک مشکلیں ہندوستان کے عظیم شاعر نے برداشت کیں۔ متذکرہ مصائب کی تفصیل 'مکتوباتِ یگانہؔ' میں ملاحظہ فرمائیں۔

یگانہ بیگم، کہ جنہیں یگانہؔ نے دوبارہ ہندوستانی شہریت دلوانے کے لیے کیا کیا صعوبتیں برداشت نہ کی ہوگی، وہی آخری عمر میں اپنے وفا شعار شوہر کو تنہا چھوڑ چلی گئیں۔ ۵ ستمبر کو یگانہ بیگم کراچی چلی گئیں۔ اب یگانہؔ تنہا لکھنو میں بہتر برس کے سن میں رہی سہی زندگی بڑے کرب وایذا میں گزار رہے تھے۔ اس اندوہ ناک کیفیت کو مکتوب بنام آغا جان محررہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء (مکتوباتِ یگانہ) میں یگانہؔ نے بڑے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے چند ہی مہینوں بعد وہ

لمحہ بھی آگیا کہ جب اس مردِ مجاہد کو دنیاوی جھمیلوں سے آزادی مل گئی۔

تین اور چار فروری ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب کو یگانہ کا انتقال ہوا۔ عرفی کا شعر یگانہ کے حسبِ حال ہے،

ملال عالمیان دم بدم دگر گوں ست
منم کہ مدتے عمرم بہ یک ملال گزشت

سب سے اہم بات یہ ہے کہ یگانہ نے انتقال سے کچھ دن پہلے لکھنو کے بعض ذمے دار حضرات کو گھر بلایا۔ ان کی موجودگی میں کلمہ پڑھا اور ان سے شہادت لی۔ ضیاء عظیم آبادی نے لکھا ہے کہ ''انھوں نے (یگانہ نے) مرنے سے پہلے پروفیسر احتشام حسین کو بلا کر دل کی بات کہی تھی اور تین حضرات کے سامنے کلمہ پڑھا کر پوچھا تھا کیا میں مسلمان ہوں؟ میں شیعہ ہوں؟ جب ان تینوں حضرات نے اس کا قرار کرلیا تب انھیں اطمینان حاصل ہوا تھا۔ یہ واقعہ میرے لکھنو آنے کے چند دنوں بعد احتشام حسین صاحب نے بھی بیان کیا تھا اور مسعود حسین صاحب نے بھی۔ ڈاکٹر راہی معصوم رضا نے بھی اعتراف کیا ہے کہ مجھ سے مسعود صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔'' (میرزا یگانہ چنگیزی۔ حیات اور شاعری۔ مطبوعہ اگست ۱۹۸۰ء اردو پبلشرز لکھنو، صفحہ نمبر ۴۹) شعلہ اپنے مضمون ''یہ تیس برس کا قصہ ہے'' میں لکھتے ہیں کہ ''میرزا محمد نقی نے ایک اور بات کہی اور وہ یہ کہ انتقال سے دو دن پہلے شام کے وقت میرزا یگانہ نے کلمہ پڑھا اور نقی صاحب سے پوچھا، کہو بھئی میں نے کلمہ صحیح پڑھا۔ انھوں نے کہا بالکل صحیح۔ پھر پوچھا، میں مسلمان ہوں؟ انھوں نے کہا، آپ صحیح مسلمان ہیں'۔ پھر کہا۔ 'میرا ایمان درست ہے؟' نقی نے کہا' بالکل درست۔'' (دوارکا داس شعلہ۔ تخلیقی ادب۔ ۲، ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۴۳۳)

ہم کتنے بڑے سخن فہم ہیں اور کس درجہ سخن گو، اس سے کئی گنا اہم بات یہ ہوگی کہ ہمارے ایمان کا درجہ کیا ہے۔ مولویان اپنی ہر دعا میں یہی مانگتے ہیں کہ خدا ہمیں کلمے کی موت عطا فرمائے۔ کیا یہ بات باعثِ عزوشرف نہیں ہے کہ میرزا یگانہ کی موت اقرارِ خدا اور شہادتِ رسولؐ پر ہوئی۔ اس متبرک واقعہ کی تیسری شہادت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ڈاکٹر شیخ انصار حسین (یگانہ کے سسرالی بھانجے) نے لکھا ہے کہ ''انتقال سے ایک شب قبل انھوں نے میری اماں، میری خالہ (رافعہ بیگم) اور میری بھاوج خورشید بشارت مرحومہ کو بلایا اور کہنے لگے، 'ذاکیہ بیگم (میری والدہ کا نام ہے) اس وقت طبیعت کچھ بہتر ہے مگر پیروں میں ورم آچکا ہے، میں اپنے آخری منزل میں

ہوں، پھر کہنے لگے، 'دیکھو ذاکیہ بیگم میں کچھ پڑھ رہا ہوں۔ تم لوگ غور سے سنو'، یہ کہہ کر وہ کلمے کی تلاوت کرنے لگے اور ختم کرتے ہی سوال کیا، 'ذاکیہ بیگم میں نے کلمہ درست پڑھا ہے؟ اماں نے جواب دیا، جی ہاں بھائی صاحب بالکل درست پڑھا ہے'۔ یہ سن کر کہنے لگے، 'خدا کا شکر ہے، یہ دنیا والے تو مجھے کافر، ملحد اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ تم لوگ گواہ ہو کہ میں کس کلمے اور مسلک پر ساری عمر کاربند رہا'، یہ کہہ کر کچھ دیر کے لیے اندر ہی آرام فرمانے لگے اور دوسرے دن انتقال کر گئے۔'' (میرزا یگانہ۔ یادیں اور ملاقاتیں۔ مطبوعہ تخلیقی ادب ۲ کراچی ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۴۱۷)

قصہ کتابِ عمر کا کیا مختصر ہوا
رخ داستانِ غم کا اِدھر سے اُدھر ہوا (یگانہؔ)

حسد کی آگ میں زندگی بھر یگانہ کو ایذا پہنچانے والے اہلِ لکھنو نے پس مرگ بھی یگانہؔ کو چین سے دفن نہ ہونے دیا۔ یگانہؔ کے بھانجے ڈاکٹر شیخ انصار حسین نے اپنے محولہ بالا مضمون میں رقم کیا ہے کہ '' ببا ماموں نے فوراً کابل حسین کی کربلا واقع تال کٹورہ روڈ لکھنو میں روضے کے چبوترے پر قبر کے لیے زمین حاصل کی اور قبر تیار کرنے کا انتظام کر کے گھر آ گئے۔ ادھر ابا اور ببا ماموں کا لڑکا فیروز عالم کفن وغیرہ کے انتظام میں لگ گئے۔ لکھنو کے شیعوں کے رواج کے مطابق میت غسل خانہ پاٹا نالہ لے جائی گئی اور غسل دینا شروع کر دیا۔ اسی دوران وہاں کچھ لوگ پہنچے جو یہ خبر لے کے گئے تھے کہ اس میت کو غسل نہ دیا جائے، سید الملت کا فتویٰ ہے، بہر حال غسّال انسانیت کے کچھ اعلیٰ مرتبے پر ہی تھا کہ اس نے غسل شروع ہو جانے کے بعد غسل روکنا خلافِ انسانیت تصور کیا اور اس طرح غسل دے دیا گیا۔ میت جب چلی تو میت لے جانے والوں اور نقیب کے علاوہ میرے والد، ببا ماموں، فیروز عالم، رضی صاحب (ابا کے دوست) یگانہؔ خالو کے ایک خدمت گار، اسلم (ببا ماموں کا چھوٹا بیٹا) کل چھ یا پھر ایک کوئی اور (مجھے نام یاد نہیں آ رہا ہے) ساتھ تھے۔ وکٹوریہ چوراہے کے قریب پروفیسر مسعود حسن ادیب نے بھی شرکت کی۔ وہ چند قدم جنازے کے ساتھ چلے اور اپنی کوٹھی واپس چلے گئے۔ یہ تھے ایک عظیم شاعر کے جنازے کے ساتھ ہونے والے لوگ، بہر حال میت دفن کر دی گئی۔''

اہلِ لکھنو کی شرافت کا جس قدر دم بھرا جائے سو وہ کم۔ میت اور جنازے کے معاملے میں تو ذاتی اور ازلی دشمن بھی ساتھ دے دیتا ہے، پھر لکھنو والوں سے یگانہ کی کوئی ذاتی دشمنی بھی نہ تھی۔ ان سب کے پسِ پردہ وہ عوامل تھے کہ جن کے ذریعے ادب کے خواص کے علاوہ رائے

عامہ کو بھی یگانہ کے خلاف کر دیا گیا تھا۔ اور پھر یہ یگانہ پر ہی کیا موقوف۔ ہر دانشور کے ساتھ یہی معاملہ ہے کہ قابلیت از خود اپنے دشمن پیدا کر لیتی ہے۔ بہر حال۔ وماتوفیقی الہ باللہ۔ زندگی بھر اپنی شاعری سے دنیا کو زندگی جینے کا فن سکھانے والا، ادب کے لیے جہان بھر سے مجاہدہ کرنے والا اردو کا نابغہء روزگار فنکار ابدی نیند سو گیا۔ اور اس طرح استاد یگانہ چنگیزی کی ''حیات برائے جہاد'' اپنا مقصد پوا کر گئی۔ 'پروانہ اپنی آگ میں جل کر ہوا تمام'

والدِ مرحوم خلیل فرحت کارنجوی نے یگانہ کے انتقال پر یگانہ اور فضائے لکھنو کے تناظر میں غزل کہی تھی، قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

نذرِ یگانہ لکھنوی

میرا شہر

اس شہرِ نامراد میں بر آئے کیا مراد
ہر موڑ پر یزید ہے ہر گام بن زِیاد

راتوں کو چاند بوئے یہاں نفرتوں کے بیج
سورج کے ساتھ ساتھ اُگے فتنہ و فساد

شیطان پھر رہے ہیں فرشتوں کے بھیس میں
اب کون دے گا چشمِ حقیقت نگر کی داد

جو دیدہ ور تھے لوٹ گئے خانقاہ میں
اب دستِ بے شعور میں ہے کارِ اجتہاد

پھر اے دلِ تباہ ترا امتحان ہے
پھر دوستوں کے پیشِ نظر ہے ترا مفاد

فرحت ہزار دل پہ خرابی گزر گئی
ہم ظالموں سے کرتے رہے عمر بھر جہاد

جہاد برائے ادب

نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر، اسے عیب جانیے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر جو نظر پہ چڑھ کے کھری رہی

(یگانہ)

میرزا یگانہ چنگیزی کا دور دراصل انحطاط کا دور تھا۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں مسلمانانِ وطن، مشرقی تہذیب اور اردو ادب، یہ تثلیث بری طرح متاثر ہو رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے اثرات اور اس کے منفی نتائج یگانہ کی پیدائش تک قائم تھے۔ سماجی

مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس دور میں پیدا ہونے والے بھی اہلِ دانش کی فطرت میں بغاوت اور ناراضی کا پہلو شامل رہا۔کل ہندوستان اسی کش مکش اور ہیجان کا شکار تھا۔غدر کے منفی اثرات کے ساتھ ساتھ چنداں مثبت اثرات بھی سامنے آئے جس میں قدامت پرستی کا خاتمہ اور جدت پسندی کی ابتداء شامل تھی۔اردو ادب والے اپنے فرسودہ سماجی ڈھانچے کو توڑنے پہ آمادہ ہوئے اور نئی فکری دنیا تشکیل پائی۔ملک کے مختلف شہروں میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔اردو ادب میں بھی نئے اسکول کی بنیاد پڑی۔

یگانہ چنگیزی نے اس وقت آنکھ کھولی جب پرانے بت ٹوٹ رہے تھے اور نئے سماجی افکار اپنا دائرہ وسیع کرنے کی تگ ودو کر رہے تھے۔اسکولی دنوں میں یگانہ کے استاد بے تاب عظیم آبادی نے یگانہ کی ذہنی تربیت کی۔اور انہیں شاد عظیم آبادی کے شاگردی میں لے گئے۔یگانہ نے شاد سے اپنی چند ایک غزلوں پر اصلاح لی لیکن یہ سلسلہ دیر تک چل نہ سکا۔انگریزی زبان و ادب پر یگانہ کی زبردست گرفت تھی،اس کا بین الثبوت یوں بھی ملتا ہے کہ وہ کلکتہ میں واجد علی شاہ کے نواسے میرزا محمد مقیم بہادر کے مرشد زادوں کے انگریزی اتالیق مقرر ہوئے تھے۔کلکتہ سے یگانہ لکھنؤ چلے آئے۔لکھنؤ کی زندگی اودھی تہذیب کی رنگارنگیوں سے معمور تھی۔یہاں کی چکا چوند یگانہ کے لیے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں۔بقول غالب:

لکھنو آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر وتماشہ ہے سو وہ کم ہے ہم کو

عظیم آباد سے یگانہ کا تعلق صرف اتنا ہی ہے کہ وہ یہاں پیدا ہوئے۔وگرنہ یگانہ کی رزم گاہ لکھنو ہی ہے۔یاس عظیم آبادی کو یگانہ چنگیزی تک پہنچانے میں صرف لکھنو ہی کا ہاتھ ہے۔عظیم آباد (بہار) سے اس تعلق پر یگانہ زندگی بھر اپنے 'بہاری' ہونے کی سزا پاتے رہے۔یگانہ ۱۹۰۳ء میں لکھنو پہنچے تھے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔

بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں کیفیت کچھ یوں تھی کہ بقول ڈاکٹر راہی معصوم رضا ''اک طرف داغ وامیر کی سطحی شوخی ہے۔اس شوخی کے اندر حقیقی زندگی کی رمق نہیں ہے۔دوسری طرف جلال ہیں جو دلی اور لکھنو کے دوراہے پر ہیں۔کبھی ادھر آجاتے ہیں،کبھی ادھر چلے جاتے ہیں۔اور ایک طرف ان سب سے الگ شاد عظیم آبادی ہیں جو عظیم آباد میں بیٹھ کر دلی والوں کی طرح سوچتے ہیں۔اور ایک طرف سرسید ہیں،حالی،شبلی اور آزاد ہیں۔اور ان چاروں کے مخاطب

فارسی داں لوگ نہیں ہیں، اردو جاننے والے ہیں۔لیکن بے چین، متوسط طبقہ ان چاروں میں سے کسی سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوتا۔ اسے داغ وامیر پوری طرح تسکین نہیں دے پاتے۔ وہ شاعری سے کچھ اور مطالبے کرتا ہے۔ اس پر مغربی ادب کے دروازے کھل چکے ہیں۔لکھنو کی بے جا صنعتوں اور کاریگری میں اسے بالکل لطف نہیں آتا۔ دلی کے لہجہ کا گمبھیر حزن بھی اسے پوری طرح متوجہ نہیں کر پاتا۔ اس لیے یہ بڑی حد تک لکھنو اور دلی دونوں کو رڈ کر دیتا ہے اور اپنے لیے اپنے شاعر پیدا کرتا ہے۔ یہ شاعر اس کی آغوش میں پلے بڑھے ہیں، اس کے سیال خوابوں سے واقف ہیں۔ یہ اس کے خوابوں کی تعبیریں تلاش کر سکتے ہیں اور اسے اپنے خوابوں سے روشناس کرواسکتے ہیں۔'' (یگانہ چنگیزی از ڈاکٹر راہی معصوم رضا، صفحہ نمبر ۷۶)

مندرجہ بالا تفصیلات کے بعد اس مردِ مجاہد، روشناسِ زیست، معارفِ خودی، خوش واقف کارِ رموزِ حیات، نقیبِ فلسفۂ حق پرستی کے ادبی کردار کی تشکیل کی طرف بڑھتے ہیں جنھیں ادبی دنیا ''یگانہ چنگیزی'' کے نام سے جانتی ہے۔ ابوالمعانی میرزا یگانہ چنگیزی، ایک بالکل چونکا دینے والی آواز، اپنی جدید شاعری میں سوسو تازہ کاریاں لیے خود شناسی وخود قدری کے معنی آشنا، مکمل اردو ادب کو ایک نئی اور قطعی سمت بخشنے والے امام الغزل میرزا یگانہ چنگیزی کی زندگی جہد وکاوش سے عبارت ہے۔لیکن یہ شکست نا آشنا بندۂ خدا اپنی خوش تدبیری وقابل رشک ذہانت کی بناء پر تنہا بہ تقدیر ہزاروں سے لڑتے رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ لکھنو والے یگانہ کو ادبی محاذ پر کبھی شکست نہیں دے پائے۔ لہٰذا چند کم ظرفوں نے مذہبی محاذ کھڑا کر دیا اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ دیے۔لکھنو کے ابتدائی دورِ قیام کے متعلق یگانہ لکھتے ہیں،''میں جب لکھنو آیا تو شعرا میں سب سے پہلے جناب مولوی بندہ کاظم صاحب جاوید سے رسم وراہ پیدا ہوئی اور اس کے بعد حضرتِ رشید وعارف واوج وفصاحت وانجم وافضل وغیرہ سے نیاز حاصل ہوا۔ جب میں واردِ لکھنو ہوا تو یہ سب بزرگوار میدانِ مشاعرہ میں طوفانِ بدتمیزی دیکھ کر کنارہ کش ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں ایک جماعتِ بے ہودہ موسوم بہ 'معیار پارٹی' نے لکھنو میں بہت سر اٹھایا تھا اور اس جماعت کے اراکین میاں صفی، میاں عزیز، ثاقب، محشر اور اسی طرح کے کچھ اور مجہول الحال لوگ تھے۔'' (خودنوشتِ یگانہ، محولہ بالا، صفحہ نمبر ۱۵۷)

ابتداء میں یگانہ کے لکھنو والوں سے مراسم اچھے تھے۔ یگانہ بہ اعزاز مشاعروں میں بلائے جاتے تھے۔ عزیز، صفی، ثاقب وغیرہ سے بھی یگانہ کے مراسم قدرے ٹھیک تھے۔ (بیسویں

صدی کے بعض لکھنوی ادیب، جعفر حسین، مطبوعہ یو پی اکیڈمی ۱۹۸۱ء صفحہ نمبر ۱۱۱) بگاڑ کی صورت بجز اس کے کچھ اور نہیں ہو سکتی کہ مذکورہ تمام اہلِ لکھنو گھسی پٹی روش پر چلنے والے، پرستش کی حد تک مقلد ذہن لوگ تھے اور یگانہ بالکل مجتہد و اختراعی مزاج کے حامی۔ میر انیس اور خاصہء انیس یعنی مرثیہ کا کچھ ایسا دور دورہ تھا کہ لکھنو والوں کی غزلوں میں بھی یاسیت اور غم و اندوہ در آتا تھا۔ یگانہ ایسی کور چشمی کے سخت خلاف تھے۔ وہ زمانے کو اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اہلِ لکھنو خود بھی متبع تھے اور دوسروں سے بھی کچھ ایسی ہی توقع رکھتے تھے۔ میرزا غالب کو ''جذبہء پرستش'' سے پسند کرتے تھے۔ ایسے عالم بدحواسی میں یگانہ کا اول شعری مجموعہ ''نشترِ یاس'' (۱۹۱۴ء) منظرِ عام پر آیا۔ اس کے آتے ہی لکھنو میں ایک آگ سی لگ گئی، حسد کی آگ۔ ''نشترِ یاس'' کی زیادہ تر غزلیں طرحی ہیں، اور عموماً طرحیں غزلیں آورد کی دین ہوا کرتی ہیں، لیکن باوجود اس کے، یگانہ کی طرحی غزلیں بہ اعتبارِ معیار، آمد کے منتہائے خصوص تک جا پہنچی ہیں۔ فرسودہ اور تقلیدی ڈگر سے بالکل جداگانہ یگانہ کا کلام اردو ادب کے لیے نیا موڑ ثابت ہوا۔ میں بہت وثوق کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اردو ادب کا اولین جدید شاعر ''یگانہ چنگیزی'' ہے۔ اہلِ لکھنو یہ کیوں کر برداشت کرتے کہ ایک غیر لکھنوی شاعر، لکھنو والوں پر سبقت لے جائے۔ یہیں سے حسد اور عناد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ''نشترِ یاس'' کے ایک سال بعد مارچ ۱۹۱۵ء میں یگانہ کا عروض و قوافی کی مبادیات پر مبنی رسالہ ''چراغِ سخن'' شائع ہوا۔ 'نشترِ یاس' میں 'ماہیتِ شاعری' کے باب میں یگانہ نے لکھنو کی روایتی اور باوا آدم کا رنگ رکھنے والی شاعری کی خوب خبر لی تھی۔ ٹھیک اسی طرح ''چراغِ سخن'' میں 'شعر و سخن' سے معنون دیباچے میں سخنورانِ لکھنو کے متعلق سخت زبان استعمال کی گئی، بلکہ اسی دیباچے کے آخری حصے میں 'اہلِ زبان و زبان دان' کے عنوان سے یگانہ نے بڑے مدلل ڈھنگ سے اپنے آپ کو نہ صرف اہلِ زبان بلکہ زبان دان بھی ثابت کیا۔

جیسے ہی یہ دو کتابیں منظرِ عام پر آئیں، لکھنو والے اپنی صدیوں پرانی تہذیب، رکھ رکھاؤ، مجلسی آداب اور شائستگی کو بھول کر غیر مہذب اور رکیک حد تک ذلالت پر اتر آئے۔ اپنے اس جذبے کے اظہار کے لیے ہر ہر زاویے سے یگانہ کو پریشان کرنا شروع کیا گیا۔ یہ بات جگ ظاہر ہے کہ مہذب اور علمی سطح پر اہلِ لکھنو یگانہ سے جیت نہیں سکتے تھے، سو معاندانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ اپنی ثقافتی عز و شان کا دم بھرنے والے یہی وہ لکھنوی حضرات تھے جنھوں نے اپنے متعصبانہ رویہ کے اظہار کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ میرے مذکورہ بیان کی تصدیق اس واقعے

سے ہو جاتی ہے کہ شفق لکھنوی کے یہاں آرزو لکھنوی کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ یگانہ کو بطورِ خاص مدعو کیا گیا۔ یہ بھولا آدمی جانتا تھا کہ اہلِ لکھنو اب اسکے لیے کوئی نیک جذبہ نہیں رکھتے، لیکن پھر بھی تنہا شریک ہو گیا۔ ظریف لکھنوی نے یگانہ کے سامنے ان کی ہجو پڑھی۔ اور اس ہجو پر تمام سامعینِ لکھنو نے جھوم جھوم کر ظریف کو داد دی۔ اسی واقعے کے متعلق مالک رام فرماتے ہیں کہ "ظریف اس سے پہلے شفق لکھنوی کے مشاعرے میں خود یگانہ کی موجودگی میں ان کی ہجو پڑھ چکے تھے۔ حاضرین میں لکھنو کے جملہ اساتذہ موجود تھے، کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ اسے ٹوکے، سب کے سب چپ سادھے سنتے رہے۔ خود یگانہ نے بھی ان مغلظات کا نوٹس نہیں لیا۔ فرماتے تھے، میرا کیا بگڑا! اس احمق نے خود ہی اپنے آپ کو ذلیل ثابت کیا۔ ہاں ذلیل وہی تو ہے جو ذلیل کام کرتا ہے؟ انسان کسی کے کہنے سے ذلیل نہیں ہو جاتا"۔ (یگانہ چنگیزی۔ وہ صورتیں الٰہی۔ مالک رام، مطبوعہ مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۴ء صفحہ نمبر ۱۶۱) مجھے بتائیے کہ یہ کہاں کی شرافت ہوئی کہ ہم اپنے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھیں۔ لیکن اس معصوم یگانہ کا بھولپن دیکھیے کہ پورا مشاعرہ بڑے احترام و ادب سے سنتے رہے۔ ایک حرف تک اپنی زبان سے نہ نکالا۔ واضح ہو کہ ظریف لکھنوی (مقبول حسین)، صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی تھے۔ عمومی درجے کے ہزل گو۔ پتنگ بازی اور کبوتر بازی کی پیچوں پر شاعری کیا کرتے تھے۔

نجد سے لیلیٰ کو لے بھاگا یہی الزام تھا
اونٹ بے چارہ اسی سے شہر میں بدنام تھا

اس عظیم شعر کے خالق ظریف لکھنوی ہیں۔ اس واقعہ سے قطع نظر اگر آج ہم کسی مدعو شاعر کی کسر شان میں ایک فقرہ بھی کہہ دیں تو مشاعرہ گاہ محشرستاں بن جائے گی۔

ظریف کی اس غیر مہذب حرکت پر ہی اہلِ لکھنو کے ارمان نہیں نکلے۔ ایک اور ڈمی شاعر متخلص بہ آس نے فارسی میں آتش اور یگانہ کی ہجو میں رجز لکھی جسے چھوٹے چھوٹے بچے چوک کے بازار میں یہ کہتے ہوئے بیچتے پھرتے تھے کہ "یاس اور آس کی جھپٹ ایک پیسے کو" صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یگانہ کی ایک غزل کے بعض اشعار پر غلیظ مصرعے لگائے گئے جس میں ان کے والدین کی شان میں کمال درجے کی گستاخیاں کی گئی تھیں۔ (یگانہ اور ان کی شاعری، از ممتاز حسین جونپوری، شعور کراچی ۱۹۵۹ء صفحہ نمبر ۳۱) صفدر مرزا پوری ان مصرعوں کو لکھنو کے چوراہوں پر سناتے پھرتے تھے۔ اس واقعے کے متعلق "آیات وجدانی" میں یگانہ نے خیال ظاہر کیا کہ اس

کے پس پردہ 'معیار پارٹی' کے ارکان سرگرمِ عمل تھے۔ جن کی سربراہی عزیز لکھنوی کرتے تھے۔

'معیار پارٹی' لکھنو کے چند شدت پسند ہم خیال شاعروں کی ایک جماعت تھی جس میں اس وقت کے معروف شعراء عزیز لکھنوی اور ثاقب وغیرہ شامل تھے۔ یہ حضرات 'معیار' نامی ایک رسالہ بھی نکالتے تھے جس کی ادارت ابر لکھنوی کے ذمے تھی۔ رسالہ عمومی معیار پر شائع ہوتا تھا۔ مجھے اس رسالے کے محض دو شمارے دیکھنے کو ملے۔ اصل میں ان شعراء کی انجمن کا نام ''معیارالادب'' تھا مگر یہ لوگ 'معیار پارٹی' کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ لکھنو اور گردونواح کے مشاعروں پر اس 'پارٹی' کی اجارہ داری تھی۔ رسالہ 'معیار' میں یگانہ کے اول شعری مجموعہ ''نشتر یاس'' پر تبصرہ شائع کیا گیا تھا جس میں نشتر یاس اور اس کے تقریظ نگاروں پر زبردست اعتراضات کیے گئے تھے۔ 'نشترِ یاس' میں شائع شدہ کلام یگانہ کی فکری بلند آہنگی، قدرتِ زبان اور زبردست تاثر پذیری سے لبریز ہے اسی بناء پر لکھنو کے مستند اساتذہ نے 'نشتر یاس' پر تقریظیں لکھی تھیں۔ اور یہی بات عزیز لکھنوی و حلقہء عزیز کو ناگوار گزری کہ ایک بہاری کے کلام پر اس قدر توصیفی تقریظ لکھی گئی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یگانہ نے ''آیاتِ وجدانی'' میں درج کی ہے۔

میں اس واقعے سے ذرا اور پیچھے جاؤں تو یہ بھید کھلتا ہے کہ 'نشتر یاس' یا 'چراغ سخن' کی اشاعت سے دو برس قبل ہی اہلِ لکھنو نے اوچھی حرکتیں شروع کر دی تھیں۔ محض یہ کہنا کہ یگانہ نے ان کے مضمون ''آتش و غالب'' میں خواجہ آتش کو غالب سے بڑا ثابت کر دیا (مضمون از یگانہ مطبوعہ 'خیال' ہاپوڑ نومبر ۱۹۱۵ء)، یا 'نشتر یاس' اور 'چراغ سخن' میں اہل لکھنو کی تضحیک کی، اسی لیے لکھنو والے ان کے خلاف ہو گئے، یہ سراسر چشم پوشی ہوگی۔ اس کی تصدیق اس واقعے سے ہوتی ہے جو برج نارائن چکبست لکھنوی کے مشاعرے میں پیش آیا تھا۔ تفصیل خود یگانہ نے درج کی ہے۔ ''اب سنیے جب ان لوگوں (معیار پارٹی) کے مشاعروں میں برابر شریک ہونے لگا اور کلام نے دلوں پر اثر کیا اور ان لوگوں کو ہر مشاعرے میں اپنی شکست محسوس ہونے لگی تو آتشِ حسد بھڑک اٹھی۔ دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ یہ بات تو اچھی نہیں کہ ایک عظیم آبادی ہمارے شہر میں ایسی ایسی غزلیں پڑھ جائے اور اپنا رنگ جمائے۔ خود اپنے قلم میں اتنا زور نہ تھا کہ اپنے کلام کے ذریعے یاس کے رنگِ تغزل کا نمونہ پیش کر سکیں۔ ناچار یہ سوجھی کہ لاؤ اس شخص کو باتوں باتوں میں اڑا دیں۔ چناں چہ پنڈت برج نارائن چکبست نے ایک مشاعرہ خواجہ آتش علیہ الرحمۃ کی زمین (گریباں پھاڑ کے چل بیٹھے صحرا کے دامن میں) میں کیا۔ میں بھی اس مشاعرے میں مدعو تھا۔

حضرتِ عارفؔ مرحوم اور حضرتِ افضلؔ بھی شریک تھے۔اور بہت سے وکلاء و بیرسٹر بھی تھے اور اس معیار پارٹی کے سب لوگ جمع تھے۔میری غزل پر ان حضرات نے اور ان کے ہوا خواہوں نے وہ وہ فرمائشی قہقہے لگائے کہ میں ہمیشہ ممنونِ احسان رہوں گا۔'' (خودنوشتِ یگانہؔ،محولہ بالا،صفحہ نمبر ۱۵۹)

چکبست کی طرف سے یہ مشاعرہ ۶ مئی ۱۹۱۲ء کو پنڈت سورج نارائن کے مکان واقع کشمیری محلہ لکھنو میں منعقد ہوا تھا۔(چکبستؔ و باقیاتِ چکبستؔ ،از کالی داس گپتا رضا،ول پلی کیشنز،بمبئی ۱۹۷۹ء صفحہ نمبر ۴۹)لکھنو کے جن حضرات نے یگانہ کی غزل پر قہقہے لگائے تھے ان کی اعلیٰ دماغی اور سخن فہمی کے اظہار کے لیے اس غزل کا محض ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

نہیں معلوم کیسا سحر تھا اس بت کے چتون میں
چلی جاتی ہیں ہیں اب تک چشمکیں شیخ و برہمن میں

اردو ادب کے چند بہترین شعروں میں اس شعر کا شمار کیا جاتا ہے۔اس شعر کے لوچ کی جس قدر داد دی جائے سو وہ کم۔روانی اور معاملہ بندی کے کمال درجے پر پہنچے ہوئے اس شعر کی مکمل غزل بھی کچھ اسی معیار کی ہے۔اور آپ غور کیجیے کہ محض ایذا رسانی کے لیے کسی سچے اور اچھے شاعر کی عمدہ شاعری پر بھی کیسی کیسی پھبتیاں کسی جاتی تھیں۔

اس کے علاوہ ایک اور واقعہ یگانہؔ نے اپنی خودنوشت میں درج کیا ہے۔یہاں بھی یگانہؔ کے ساتھ کچھ ایسا ہی غیر شریفانہ سلوک کیا گیا۔غالبؔ کی زمین میں منعقد اس مشاعرے میں پڑھی گئی یگانہؔ کی غزل کا مطلع ملاحظہ کریں۔

واں نقاب اٹھی کہ صبحِ حشر کا منظر کھلا
یا کسی کے حسنِ عالم تاب کا دفتر کھلا

ایسی شاندار اور جاندار شاعری کی کوئی ذی حس تو تضحیک کرنے سے رہا۔جس نے کی،اس کی نفسیاتی صحت پر کلام کرنے کے علاوہ اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔کچھ ایسے ہی ستم تھے کہ جن کے نقش'نشترِ یاس'اور'چراغِ سخن'میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہم ''ردِعمل'' کو معطون کرتے ہیں اور ''عمل'' کا ذکر بھی نہیں کرتے۔مذکورہ بالا کتابوں میں یگانہؔ نے اہلِ لکھنو کی علمی گرفت کی ہے،ہم یگانہ کی اس حرکت کو نازیبا قرار دیتے ہیں،لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ محض ''ردِعمل'' تھا اس ''عمل'' کا کہ جو متذکرہ مشاعروں میں کیا گیا۔لہٰذا اس معاملے میں میرے

زاویہء نگاہ سے یگانہ نے کوئی قابلِ تقصیر حرکت نہیں انجام دی۔ ایسی تضحیک وتحقیر کے عوض، آپ اور میں بھی وہی کرتے جو یگانہ نے کیا۔ بلکہ آج کے دور میں تو اس سے کئی گنا سنگین ردِ عمل ہوتا۔

یگانہ کے لکھنے والوں نے عوام میں یہ غلط فہمی عام کر دی ہے کہ لکھنو والوں کی یگانہ سے مخالفت کی ابتداء 'نشترِ یاس' اور 'چراغِ سخن' سے ہوئی ہے۔ جب کہ اصلاً معاملہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ لہٰذا پھر میں یہ بات عرض کروں کہ اہلِ لکھنو کا جذبہء حسد ہی ان تمام مجادلوں کا سببِ واحد رہا ہے۔ ایک سیدھے سادھے آدمی کو محض اس کی قابلیت اور مقبولیت کی بنا پر تختہء مشق بنایا گیا۔ آئے دن نت نئے بکھیڑے کھڑے کیے گئے۔ علمی چشمک کو عملی دشمنی کا روپ دے کر یگانہ کے روزگار پر حملے کیے گئے۔ ایک جاگیردار گھرانے سے نسبت رکھنے والے خوددار آدمی کو مفلوک الحال بنا کر چھوڑ دیا گیا اور اس پر بھی ہمارے اردو کے محقق حضرات ان تمام مناقشوں کا سہرہ بے چارے یگانہ کے سر منڈھ دیتے ہیں تو میں اسے بجز کور چشمی اور کسی جذبے سے معنون نہیں کر سکتا۔ رفتہ رفتہ یہ مناقشہ مجادلے میں تبدیل ہوتا چلا گیا اور اس کی انتہا یگانہ کی ''اودھ اخبار'' سے برطرفی پر ہوئی۔ یگانہ کے ایک ملاقاتی میرزا جعفر حسین لکھتے ہیں کہ ''لکھنو کی بزمِ سخن ایک ایسا اکھاڑہ بن گئی جس میں یہاں کے تمام مشاہیر (معیار پارٹی) اور ان کے شاگرد ایک طرف تھے اور دوسری طرف یاس عظیم آبادی اپنی قدرتِ زبان سے تنِ تنہا مقابل تھے۔''

۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۲ء، ان سات برسوں میں یگانہ کے لکھنوی شعراء کے ساتھ خوشگوار تعلقات تھے۔ یگانہ لکھنو کے مشاعروں میں کثرت سے بلائے جاتے تھے۔ اپنی تہہ دار شاعری اور خوش لحنی نیز قابلِ تعریف اندازِ پیش کش سے مشاعرہ لوٹ لیا کرتے تھے۔ یگانہ کی یہی خوبی ان کے حق میں سمِ قاتل ثابت ہوئی۔ لکھنوی شعراء عزیز لکھنوی، ثاقب لکھنوی و دیگر یہ کبھی پسند نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی غیر لکھنوی شاعر لکھنو کے مشاعروں پر حاوی ہو جائے۔ لہٰذا اندورنی طور پر حسد اپنی جگہ بناتا گیا۔ 'معیار پارٹی' کی تشکیل کے بعد جذبہء حسد اور بھڑک اٹھا۔ رسالہ 'معیار' میں یگانہ کی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ بقول یگانہ 'معیار پارٹی کے مشاعروں میں میرے کلام پر خندہ زنی کی جاتی تھی اور بے سروپا کے اعتراضات کیے جاتے تھے' (خودنوشتِ یگانہ) بے جا خندہ زنی اور غیر ضروری اعتراضات کے ردِ عمل کے طور پر ۱۹۱۲ء میں یگانہ نے 'اودھ اخبار' میں فرضی نام سے معیار پارٹی والے شعراء کے کلام پر اعتراضات شائع کئے۔ (خودنوشت) شعرائے لکھنو پرستش کی حد تک غالب کے مداح رہے، غالب کی زمینوں میں غزلیں کہی جاتی تھیں اور اسے اپنا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا

تھا۔ یگانہ نے بھی ابتداء میں چند طرحی غزلیں غالب کی زمین میں کہی تھیں۔ اب جب لکھنوی شعراء نے یگانہ کی بالواسطہ مخالفت شروع کی تو یگانہ کا کمر بستہ ہونا فطری امر تھا۔ یگانہ روایتی شاعری کی جملہ پچاس خرابیوں کے علاوہ 'غالب کی بے جا تقلید' بھی ایک بڑی خرابی جانتے تھے۔ اور یہیں سے غالب کی مخالفت کا آغاز ہوتا ہے جس کا خاتمہ 'غالب شکن' پر ہوا۔ دراصل یہ مخالفت غالب کے پسِ پردہ غالب کے 'مرشدوں' کی تھی۔ غالب کی تردید کے لیے یگانہ نے خواجہ آتش کی تائید کو اپنا شیوہ بنایا۔ ۱۹۱۴ء کا سال یگانہ کے لیے بڑا گہما گہمی والا رہا۔ یگانہ کا اولین شعری مجموعہ ''نشترِ یاس'' کی ابتداء میں یگانہ نے خود کو 'خاک پائے آتش' لکھا۔ لکھنوی حضرات کے لیے یہ ایک سخت جواب تھا جو 'منکرِ غالب' کو 'کافر' جانتے تھے۔ گویا یہ شعرائے لکھنو کی چھاتیوں پہ مونگ دلنا ہوگیا۔ مزید یہ کہ 'نشترِ یاس' میں لکھنو کے استادانِ ادب کی عمدہ تقریظیں شامل تھیں، جن میں نواب انجم لکھنوی (یادگارِ اسیر لکھنوی) محمد جعفر اوج (خلفِ ارشد میرزا دبیر) سید کاظم جاوید (خلفِ امید لکھنوی) علی محمد عارف (نبیرۂ میر نفیس لکھنوی) فصاحت لکھنوی وغیرہ شامل تھے۔ حامد علی خان بیرسٹرایٹ لا نے دیباچہ تحریر کیا تھا۔ مذکورہ بالا حضرات لکھنو میں 'استادانِ فن' اور 'باقیات الصالحات' کا درجہ رکھتے تھے۔ یہ بات بھی اہل لکھنو کو بری معلوم ہوئی کہ ایک غیر لکھنوی کے کلام پر لکھنوی استادان بھرپور تقریظ لکھیں۔ ستم یہ کہ یگانہ نے 'اساتذۂ لکھنو کی رائیں' پر حاشیہ لکھا ہے کہ 'لکھنو کے اساتذہ سچ پوچھیے تو یہی ہیں جن کی رائیں درج کی جاتی ہیں' (نشترِ یاس) یگانہ کے اس فقرے نے آگ پر تیل ڈالنے کا کام کر دیا۔ اور یہاں سے 'اہلِ لکھنو' بہ مخالف 'یگانہ' کا آغاز ہوگیا۔

یگانہ فرماتے ہیں ''مشاعروں کی تہذیب اگرچہ بگڑ گئی تھی مگر اتنا ضرور تھا اور ہے کہ ہر مہینہ میں بالالتزام دو تین مشاعرے ہوتے تھے اور اب تک ہوتے رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ جماعت ایسی نہ تھی کہ کوئی مہذب شخص ایسے مشاعروں میں شریک ہوسکے۔ (چنانچہ حکیم جلال مغفور مرزا اوج، رشید اور دیگر اساتذۂ لکھنو اس جماعت سے ہمیشہ کنارہ کش ہی رہے) مگر میں چونکہ نووارد تھا ان لوگوں کی حقیقت سے آگاہ نہ تھا اور ان لوگوں کے بلانے سے مشاعروں میں شریک ہونے لگا۔ 'وجہ تواں کرد مرد مال ایں اند' پر نظر رکھ کر میں بھی رنگ مشاعرہ دیکھ آتا تھا۔ جب میں ان لوگوں کی صحبتوں میں بالالتزام شریک ہونے لگا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنا کلام کسی کو دکھا لیا کروں۔ مگر دکھاؤں تو کسے دکھاؤں۔ حضرت شاد تو عظیم آباد میں ہیں اور یہاں ہر ہفتہ مشاعرے

میں شریک ہونا ضرور۔ ناچار حضرت رشید نبیرہ میر انیس سے مشورہ کرنا پڑا۔ یہ بزرگوار لکھنؤ کے مسلم الثبوت اہل فن سے ہیں۔ اب سنئے جب ان لوگوں کے مشاعروں میں برابر شریک ہونے لگا اور کلام نے دلوں پر اثر کیا اور ان لوگوں کو ہر مشاعرے میں اپنی شکست محسوس ہونے لگی تو آتش حسد بھڑک اٹھی۔ دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ یہ بات تو اچھی نہیں کہ ایک عظیم آبادی ہمارے شہر میں ایسی ایسی غزلیں پڑھ جائے اور اپنا رنگ جمائے۔ خود اپنے قلم میں اتنا زور نہ تھا کہ اپنے کلام کے ذریعہ سے پاس کے رنگ تغزل کا نمونہ پیش کرسکیں ناچار یہ سوجھی کہ لاؤ اس شخص کو باتوں باتوں میں اُڑادیں خواہ مخواہ بھی سر مشاعرہ مضحکہ کریں کہ یہ شخص مرعوب یا کبیدہ خاطر ہوکر بھاگ نکلے۔'' (خودنوشت یگانہ) مزید غور فرمائیں کہ معصوم یگانہ کے ساتھ شعرائے لکھنؤ کیسی زیادتی پر آمادہ تھے۔ یگانہ کی زبانی ملاحظہ کریں، ''لکھنؤ میں کسی اہل فن کی ہمت تو نہ ہوئی کہ ان غزلوں پر مضحکہ کرتا مگر معیار پارٹی کی بدنفسی اور شوخ چشمی اسی کی مقتضی ہوئی اس کا جواب میرے پاس بھی تھا کہ سکوت کیا جائے یا ان حضرات کی قلعی کھولی جائے۔ لکھنؤ کے موجودہ اساتذہ کے ساتھ بھی ان لوگوں نے یہی سلوک کیا وہ لوگ خاموش رہے۔ یہ لوگ اور شیر ہوتے گئے اور اپنی جگہ یہ سمجھ لیا کہ ہم لوگوں نے سارے لکھنؤ کو دبالیا۔ مگر میں نے ان لوگوں کی شوخ چشمی کو نظر انداز کرنا مناسب سمجھا مثل مشہور ہے ''لات کا آدمی بات سے نہیں مانتا''۔ یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان لوگوں کی چشم نمائی اسی طرح کی جائے۔ ان لوگوں کی حرکتیں اساتذۂ لکھنؤ کے ساتھ اور میرے ساتھ بھی رہیں کہ اعتراضات لایعنی سے دوسروں میں اشتعال طبع پیدا کریں اور اعتراضات کے جواب سے اپنی معلومات بڑھائیں۔ خود ان لوگوں میں اتنی قابلیت نہیں کہ مسائل فن پر کوئی رائے قائم کرسکیں ہاں اعتراض (تحریری نہیں بلکہ زبانی) کے ذریعہ سے کچھ معلومات حاصل کر لیتے تھے۔ میں اس راز کو سمجھ گیا۔ لہذا ان کی خندہ زنی بیجا اور اعتراضات لایعنی کا جواب تحریری اعتراضات کے ذریعہ سے دینا مناسب سمجھا تاکہ پبلک پر ان کی استعداد علمی کا انکشاف ہوجائے۔ ان حضرات نے اپنی شہرت کے لئے چندہ کرکے ایک ماہوار رسالہ ''معیار'' کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس میں میری غزلیں بھی یہ لوگ مانگ کر درج کرتے تھے مگر دل لگی یہ کرتے تھے کہ میرے وہ اشعار جو سارے مشاعرہ پر بھاری ہوتے تھے درج نہ کرتے تھے تاکہ پبلک کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقع نہ ملے۔ قوت شاعرانہ کا فرق مراتب معلوم نہ ہوسکے۔'' (خودنوشت محولہ بالا)

علی العموم اردو شاعری وعلی الخصوص لکھنوی فرسودہ شاعری کے لیے 'نشتر یاس' یہ مجموعہ

'اسمِ بامسمیٰ' ثابت ہوا۔ایک نووارد بہاری کے شعری مجموعے پر لکھنو کے اساتذہ نے خوب خوب تقریظیں لکھی ہیں، یہ جان کر 'معیار پارٹی' والے سٹپٹا گئے۔رسالہ 'معیار' (مدیر حکیم منّے آغا ابر لکھنوی) میں 'نشترِ یاس' پر تبصرہ شائع ہوا۔ایڈیٹر معیار نے تبصرہ نگاری نہیں بلکہ نشتر زنی کی۔ چند ایک اعتراض تو خیر کم فہمی کی بدولت تھے لیکن کچھ تو بالکل لایعنی۔دنیا جانتی ہے یگانہ چنگیزی علمِ شعر اور شاعری کی مبادیات سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔حوالے کے ضمن میں جہاں لکھنو والے محض علمی کتابوں کے تراجم پر اکتفا کیے ہوئے تھے، یگانہ نے فارسی کی اصل کتابیں پڑھ رکھی تھیں (پڑھ کیا رکھی تھیں بلکہ گھول کر پی گئے تھے) اور یہی بات اہلِ لکھنو کو ابتداء سے کھلتی رہی۔

رسالہ 'خیال' ہاپوڑ کے شمارہ نومبر ۱۹۱۵ء میں یگانہ کا ایک معرکہ خیز مضمون 'آتش و غالب' شائع ہوا۔انصاف کی آنکھ سے دیکھیں تو مذکورہ مضمون دراصل یگانہ کے ساتھ کی گئیں زیادتیوں کے ردِعمل کا شاخسانہ تھا۔اس مضمون میں یگانہ نے غالب کی ژولیت اور مبہم شاعری کا خوب جائزہ لیا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ خواجہ آتش کی سادگی، بیان، شعر کی راست تفہیم، جوش وغیرہ کے حوالے سے غالب کی 'کوہ کندن و کاہ برآوردن' والی شاعری کا تقابل بھی کیا تھا۔غالب کو پیر پیغمبر کی طرح چاہنے والے شعرائے لکھنو اس مضمون کی اشاعت سے بری طرح تلملا اٹھے۔

۱۹۱۶ء کے اوائل تک لکھنوی فضا نے یگانہ کی جھلاہٹ اور ذہنی انتشار کا پورا سامان فراہم کر دیا تھا۔اور یہی وہ عوامل ہیں کہ جب یگانہ تخلیقی عمل کی بجائے 'دفاع' میں صرفِ وقت کرنے لگے۔یقین جانیئے کہ جن حالات میں یگانہ چومکھی لڑ رہے تھے، ادبی و عملی مخاصمت کا مقابلہ کر رہے تھے، کوئی دوسرا ہوتا تو پاگل ہو جاتا۔یہ مردِ قلندر تنِ تنہا پوری لکھنوی فوج سے جنگ کر رہا تھا، اور بتدریج فتح پا رہا تھا۔مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں کہ ''ان کے (اہلِ لکھنو کے) اندر اتنا ظرف کبھی نہ تھا کہ کسی باہر کے بڑے سے بڑے شاعر کو لکھنو کے چھوٹے سے چھوٹے شاعر کے مقابلے میں کوئی بلند مقام دے سکیں۔عزیز اور صفی اور ان کے گروہ نے یاس کی شاعری کو اپنے لئے خطرہ سمجھا اور ان کا نام تک مٹا دینے کی کوشش کرنے لگے، شاید یہ لوگ اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب نہ ہوتے اگر خود یاس وقار اور سنجیدگی کے ساتھ لکھنو والوں کی کھوکھلی مخالفت پر بے نیازی کی نگاہ ڈال اس کو ٹال جاتے اور اتنی اہمیت نہ دیتے، مگر وہ بھی خم ٹھوک کر بھیڑ میں لڑنے کے لئے اتر آئے۔'' (یگانہ چنگیزی، از مجنوں گورکھپوری، غزل سرا، صفحہ نمبر ۲۸۲)

یگانہ کے ادبی کردار کی تشکیل میں یہ زمانہ بے حد اہمیت کا حامل رہا۔یہیں سے یگانہ کے

مزاج میں کرختگی نے جگہ بنالی۔اور پھر اس کے بعد جو طوفان اہلِ لکھنو کو یگانہ کی علمیت سے برداشت کرنے پڑے، وہ جگ ظاہر ہے۔جوش ملیح آبادی کے استاد بھائی گوپی ناتھ امن نے مالک رام سے کہا تھا کہ ''صاحب! عزیز (لکھنوی) میرے استاد تھے اور ہمارا فرض تھا کہ ہم ان کی حمایت اور یاس یگانہ کی مخالفت کریں۔لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ یاس صاحب کے اعتراضات کا جواب ممکن نہیں تھا۔چناچہ ہمیں کچھ کرتے بن نہ آئی'' (وہ صورتیں الٰہی، مالک رام، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی، ۱۹۷۴ء صفحہ نمبر ۱۴۶)

یگانہ چنگیزی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۳ء تک منشی نول کشور کے ''اودھ اخبار'' سے وابستہ رہے۔ اودھ اخبار میں یگانہ بحیثیتِ مدیر کام کرتے رہے۔(نول کشور کا مطبع۔از نورالحسن ہاشمی، مطبوعہ ''نیا دور'' لکھنو دسمبر ۱۹۸۰ء صفحہ نمبر ۶۳) اسی درمیان یگانہ نے جنوری ۱۹۲۱ء میں لکھنو سے ''کارِ امروز'' اور اٹاوہ سے ماہنامہ ''صحیفہ'' جاری کیا۔

اہلِ لکھنو بالخصوص عزیز لکھنوی نے اعلیٰ ظرفی کے وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ رہتی دنیا تک لوگ عزیز صاحب کو ان ہی کارناموں سے یاد کریں گے جن میں کسی غریب و بے سہارا کا روزگار چھین لینا بھی شامل ہے۔یگانہ ''اودھ اخبار'' کی ادارت کے فرائض نبھا رہے تھے۔عزیز لکھنوی نے اپنے مراسم کو بروئے کار لاتے ہوئے نول کشور سے ایک غریب فنکار کی روٹی اس سے چھین لی۔جب کہ یگانہ ''اودھ اخبار'' میں قدم جما چکے تھے۔لیکن صرف حسد اور عصری چشمک کے زیرِ اثر عزیز لکھنوی نے یہ کارِ تخریب انجام دیا۔'اودھ اخبار' سے نکلنے پر چار چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ یگانہ بے روزگار بسر کرنے لگے۔بلند اقبال نے لکھا ہے کہ ''تین تین دن تک معصوم بچے بھوک سے بلک بلک جاتے تھے لیکن گھر کے چولہے کو آگ نہ لگتی''۔اسی بے روزگاری میں یگانہ کو اپنا مایہء ناز اور قیمتی اثاثہء کتب کوڑیوں کے مول فروخت کرنا پڑا۔یگانہ لکھتے ہیں، ''لکھنو نے تو میری وہ قدر کی کہ سبحان اللہ۔غلیظ گالیاں، ناپاک ہجویں، آبرو ریزی کی فکریں، جھوٹی اور مجرمانہ افترا پردازیاں میرے لیے جائز ہی نہیں بلکہ فرض سمجھ لی گئیں۔یہی نہیں بلکہ میری روزی پر حملہ کر کے مجھے پریشان روزگار بنا کر کلیجہ ٹھنڈا کیا۔تنگ دستی کے ہاتھوں مجھے اپنی عمر بھر کا سرمایہ یعنی کتب خانہ کوڑیوں کے مول بیچ کر سر بہ صحرا ہونا پڑا۔'' (مکتوبِ یگانہ بنام ضیاء احمد بدایونی محررہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۴ء مشمولہ 'مکتوباتِ یگانہ') زمانہ کی اس منفی روکا یگانہ نے خوب اثر لیا۔اور برائے ردِ عمل باضابطہ عزیز لکھنوی کی مخالفت پر اتر آئے۔۱۹۲۵ء میں ایک مختصر

کتابچہ ''شہرتِ کاذبہ المعروف بہ خرافاتِ عزیز'' شائع کیا جس میں عزیز لکھنوی کی شاعری کا تجزیہ کیا گیا تھا۔

۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۴ء تک یگانہ نے جیسے تیسے ریلوے میں کلرکی کی۔ پھر ان کے دوست ماسٹر الطاف حسین نے انہیں اٹاوہ تعلیم و تعلم کے لیے بلا لیا۔ اٹاوہ سے علی گڑھ ہوتے ہوئے یگانہ لاہور پہنچے۔ مارچ ۱۹۲۷ء میں یگانہ کا دوسرا شعری مجموعہ ''آیاتِ وجدانی'' شائع ہوا اور تمام ہندوستان میں دھوم مچ گئی۔ اول تو یگانہ کی قطعی جدید شاعری اور دوم 'محاضرات'۔ دونوں نے مل کر اچھے خاصے شور شرابے کا اہتمام کیا۔

یگانہ چنگیزی ۱۹۲۷ء میں حیدر آباد پہنچے۔ لیکن ۱۹۳۱ء تک 'جتنا کام اتنی اجرت' کے تحت محکمہء رجسٹریشن میں ملازمت کرتے تھے۔ جو باقاعدہ ملازمت نہ تھی۔ ۱۹۳۱ء میں یگانہ کو اسی محکمہء میں سب رجسٹرار کی تقرری مل گئی۔ تب کہیں جا کر یگانہ پر کچھ فراغت اور کسی قدر خوش حالی کے دن آئے۔ وگرنہ اردو کا اتنا بڑا شاعر، دانشور محض **Hour Basis** پر کام کرتا رہا۔ اب جو میرزا یگانہ روزگار کے جھمیلوں سے آزاد ہوئے تو ادب پر پھر سنجیدگی سے کام کرنے لگے۔ مجھے یہاں بابا فرید گنج شکر کا ایک پنجابی دوہا یاد آ گیا۔

پنج رکن اسلام دے، تے چھیواں فریدا ٹک
جے نہ لبھے چھیواں، تے پنجے ای جاندے مک

(اسلام کے پانچ رکن بیان کیے جاتے ہیں، لیکن اے فرید! ایک چھٹا رکن بھی ہے، اور وہ ہے روٹی، اگر یہ چھٹا نہ ملے تو باقی پانچوں بھی جاتے رہتے ہیں) بہر کیف۔ ۱۹۳۳ء میں یگانہ کی شاہ کار تصنیف مجموعہء رباعیات ''ترانہ'' اردو بک اسٹال لوہاری دروازہ لاہور سے شائع ہوئی۔ جو بلاشبہ فارسی اور اردو ادب کے چند بہترین مجموعہء رباعیات میں شمار کی جانی چاہیے۔ غالباً اردو شاعری کا یہ پہلا مجموعہ رہا ہو جس میں ہر رباعی کو ایک معقول سا عنوان دیا گیا ہے۔ یگانہ کی اختراعی طبیعت ان کے تمام ہی مجموعہ نظم و نثر میں دکھائی پڑتی ہے۔ ۲۱۰ صفحاتی 'ترانہ' میں صفحہ نمبر ۱۷۹ سے کچھ رباعیاں ''مزاحیہ'' کے تحت شائع کی گئیں۔ جن میں صفحہ نمبر ۲۰۳ سے ۲۱۰ تک ۸ رباعیاں حضرتِ غالب سے متعلقہ ہیں۔ 'مزاحیہ' کے کچھ پہلے ایک فارسی رباعی بھی جنابِ غالب سے ہی خطاب ہے۔ یہ مجموعہ کلام جب یگانہ نے پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب کو بھجوایا تو انہوں نے محبت بھرا اعتراض کیا کہ 'مزاحیہ' کے تحت میرزا غالب

پر رباعیات مجموعہ میں شامل نہیں کرنی چاہیے تھیں۔' اس کے جواب میں یگانہ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء کو ایک تفصیلی، مدلل اور ٹھوس خط ادیب کو بھجوایا' (یگانہ احوال و آثار۔ ڈاکٹر نیر مسعود۔ صفحہ نمبر ۱۶) جس میں غالب کی تمام قلعی کھول دی گئی۔ فارسی شعراء سے تراجم و استفادہ کے مہذب پردے میں غالب کی چوریوں کو پڑھ کر ہر ذی شعور کی طبیعت پھڑک اٹھے گی۔ ادیب کی ایماء پر یہی مکتوب ''غالب شکن'' کے عنوان سے ۱۹۳۴ء میں آرمی پریس، دیال باغ، آگرہ سے شائع ہوا۔ اس کتابچہ کے شائع ہوتے ہیں یگانہ کو ایک اور نیا لقب مل گیا ''غالب شکن یگانہ''۔ غالب کو پیر پیغمبر کی طرح چاہنے والی اردو قوم بے طرح یگانہ کی مخالفت کے لیے اتر کھڑی ہوئی۔ کئی ایک مضامین یگانہ کے خلاف لکھے گئے، لیکن سب آئیں بائیں شائیں۔ یگانہ کے مدلل و ٹھوس اعتراضات کا جواب کوئی مقلدِ غالب دے نہ پایا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ اپنے پسندیدہ شاعر کے خلاف کچھ سنا پسند نہیں کرتے تھے اور آج یہ عالم ہے کہ اگر کوئی میر کے بھی خلاف لکھنے لگے تو اس کی کاروائی یک طرفی ہی ٹھہرے گی۔ اردو شاعری میں فی زمانہ دو ہی طرح کے شاعر ٹکے ہوئے ہیں۔ ایک تو وہ کہ جنھیں پیر پیغمبری کا درجہ مل گیا ہے۔ اور جن کے آگے لاحقے کے طور پر ''رحمت اللہ علیہ' وغیرہ لگایا جانا جہلا و علما نے اپنا فرضِ عین سمجھ لیا ہے۔ آدھی اردو دنیا میں حضرتِ اقبال اپنی پیر پیغمبری کی بنا پر ہی ٹکے ہوئے ہیں۔ ادھر کچھ لوگوں نے ہمارے بے چارے سیدھے سادھے معصوم شاعروں کو ولی اللہ اور صوفی بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ جن میں خسرو، خواجہ میر درد وغیرہ شامل ہیں۔ اور دوسرا وہ طبقۂ شعراء ہے جو محض جامعاتی ضرورت کے تحت ٹکا ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں میں ایسے شعراء و ادباء کہ جو شریکِ نصاب ہیں، وہی درخورِ اعتناء قرار پاتے ہیں۔ وگرنہ یہاں سے وہاں تک گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ خدا خیر کرے۔

'غالب شکن' کے شائع ہوتے ہی سارا ہندوستان یگانہ کے خلاف ہو گیا۔ سلجھے ہوئے لوگوں کا خیال تھا کہ یگانہ نے لہجہ کی تختی نہ برتی ہوتی تو ان کی تنقید قابلِ مطالعہ ٹھہرتی۔ 'غالب شکن' میں یگانہ نے غالب پر کیے اعتراضات کا جواب تو خیر کیا دیا جا سکتا تھا، البتہ 'آیاتِ وجدانی' کو نشانہ بنایا گیا۔ رسالہ 'الناظر' لکھنو میں اسمعیل احمد مینائی تسنیم حیدرآبادی نامی ایک صاحب نے (خدا جانے یہ کون صاحب تھے کہ اس سے پہلے اور بعد موصوف کا کہیں اتا پتا نہیں چل سکا) سلسلہ وار یگانہ کے خلاف مضامین شائع کیے۔ جولائی ۱۹۳۵ء سے جون ۱۹۳۶ء تک مسلسل 'آیاتِ

وجدانی' کے خلاف لکھا جاتا رہا۔ آگے انہی مضامین کو 'دو میرزا' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ ۹۸ صفحاتی اس پتلی سی کتاب سے محض ایک مختصر شذرہ قارئین ملاحظہ فرمائیں، تسنیم صاحب لکھتے ہیں، ''بہت ممکن ہے کہ میرے دل میں غالب کے لیے جو 'جذبہء پرستش' ہے وہ تمام ناظرین کے دلوں میں نہ موجود ہو، میں تسلیم کرتا ہوں کہ دورانِ تنقید میں اکثر موقعوں پر میرے ہاتھ سے دامن صبر وضبط چھوٹ گیا ہے، اور میں اتنے تلخ جملے لکھ گیا ہوں جو نظری حیثیت سے کسی طرح مستحسن نہیں۔'' (دو میرزا از تسنیم حیدرآبادی، مطبوعہ الناظر پریس بلدہ لکھنو سال ندارد صفحہ نمبر ۹۶) قارئین انصاف کی نظر سے دیکھیں کہ تسنیم صاحب کے یہاں 'جذبہء پسندیدگی' کی بجائے 'جذبہء پرستش' کارفرما ہے، اب ایسی 'اندھی عقیدت' اور 'جذباتیت' سے آپ کس طرح صحت مند تنقید کی توقع رکھ سکتے ہیں؟ فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔

یگانہ کے ہم عصروں کو اگر چھوڑ دیا جائے تو بعد کے لکھنے والوں نے اگر چہ یگانہ کی پانچ خوبیاں گنوائی ہیں تو بیس معائب بھی شمار کیے ہیں۔ یا تو یہ کہ کسی نے اگر بیس خوبیوں کا ذکر کیا ہے تو ساتھ ساتھ پانچ عیبوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بجز دو ایک، کسی نے بھی نیک نیتی اور صدق دل سے یگانہ پر نہیں لکھا۔ ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ یگانہ کے نزدیک مسئلہ معیار کا نہ ہو کر بقا کا تھا۔ بہت آسان فہم بات ہے کہ کسی غریب الدیار و بے روزگار تنہا آدمی (کہ جو دانشوری کی بناء پر بلا کا حساس واقع ہوا ہو) کے پیچھے شہر کا شہر پڑ جائے، تو ایسے عالم بدحواسی میں پھر اسے معیار و تہذیب کی نہیں بلکہ اپنی بقا کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ ایک آدمی کسی ایک سے تو خیر نمٹ بھی لے، لیکن یہ کیا کہ تنہا آدمی کو زک پہنچانے کے واسطے ایک پوری انجمن کمر بستہ ہو جائے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ایک ادبی مباحثہ کو ذاتیات پر محمول کرتے ہوئے اس غریب آدمی کا روزگار بھی چھین لیا جائے تو میرے خیال میں پھر ایسے کسی شخص سے مہذب لب ولہجہ اور سلجھی ہوئی تنقید کی امید عبث ہوگی بلکہ دانستہ اس شخص پر ظلم کے مترادف ہوگی۔ روزگار پر حملہ کا یہ سلسلہ محض لکھنو اخبار کی نوکری چھن جانے تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اصغر اور جگر نے لاہور میں بھی یگانہ کے خلاف وہاں کے اربابِ حل وعقد کو مشتعل کرنے کا عمل غیر مستحسن جاری رکھا۔ وہاں سے حیدرآباد (دکن) پہنچے تو ایسے ہی ایک غالب کے مرید نے ایک سال تک مسلسل یگانہ کے خلاف مضامین شائع کیے۔ اعلیٰ

نسب سے تعلق رکھنے والا یہ دانشور بے یار و مددگار تمام عمر روزگار کی تلاش میں مع کنبہ یہاں وہاں پھرتا رہا، اور ہم توقع رکھتے ہیں کہ 'یگانہؔ کا لہجہ ذرا نرم ہوجاتا تو ان کی تنقید پڑھے جانے کے قابل ہوجاتی' تو صاحب اس سے ہماری غیر مردم شناسی ثابت ہوتی ہے۔

یگانہؔ کے مخالف پارٹی والوں نے یگانہؔ کے خلاف لکھا، جواباً یگانہؔ نے ان کے خلاف لکھا، یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن ستم ظریفیِ وقت دیکھئے کہ اس بے چارے کے خلاف وہ حضرات بھی کھڑے ہوگئے جن سے یگانہؔ کا دور دور کا بھی کوئی تعلق نہ رہا تھا۔ لیکن محض اقبال کے خلاف تین رباعیاں لکھ دینے کے نتیجے میں خود سے لاتعلق چند اور باتیں اکھٹا کیں اور چالیس سال پرانا سارا پلندہ یک لخت سامنے لاکر عوام کو مشتعل کردیا۔ جس کے طفیل ایک ۷۲ سالہ بوڑھے آدمی کے ساتھ وہ غیر انسانی حرکت کی گئی کہ جس پر اہلِ اردو خطاواروں کو تا قیامت معاف نہیں کرسکتے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ کیسا برتاؤ ہونا چاہیے، پورا اسلامی لٹریچر اس سے بھرا پڑا ہے، ان تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ، مسلمان کے ساتھ کافر سے بھی بد ترین سلوک کیا گیا۔ غالب آکر بھی صلح کرنے والے سید البشر سرورِ کائنات سے محبت کرنے والے یہی وہ اہلِ علم ہیں جنھوں نے یگانہؔ جیسے معصوم آدمی پر 'شاتمِ رسول' کا بے بنیاد الزام لگا کر جہلا کو بھڑکا دیا۔ یہ حضرات بھول گئے کہ رسولؐ کی محبت میں لکھی گئی یگانہ کی نعت 'اٹھ مرے کالی کملی والے' اردو ادب کی بہترین نعتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ رسولؐ سے والہانہ محبت کے بغیر کوئی شاعر اس عقیدت کی نعت نہیں کہہ سکتا، پھر چاہے وہ کتنا ہی صاحبِ ریش و عمل کیوں نہ ہو۔ اور پھر یہ بھی وضاحت کرتا چلوں کہ یگانہؔ نے آں حضرتؐ کو اپنی کتابوں میں کئی مرتبہ ''میرے استاذ'' لکھا ہے۔ بہر حال۔

'غالب شکن' جہاں ملعون و معتوب ہوئی وہیں مقبول بھی رہی۔ لہٰذا ۱۹۳۵ء میں آرمی پریس دیال باغ آگرہ سے دوسرا ایڈیشن بہ مع اضافہ 'غالب شکن دو آتشہ' کے عنوان سے شائع کی گئی۔ آیات وجدانی جدید (سوم اشاعت) ۱۹۴۶ء اور گنجینہ ۱۹۴۸ء شائع ہوئیں۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ یگانہؔ چنگیزی کو اپنی راہ اور اس پر ثابت قدمی کے لیے کئی قربانیاں دینی

پڑیں۔اور اب ہمارے سامنے اردو شاعری کی جو خوب سیرت تصویر دکھائی دیتی ہے یہ دراصل یگانہ کی لہویابی کا ہی ثمرہ ہے۔لہٰذا یگانہؔ کے ادبی کردار کی تشکیل دراصل اردو زبان کے سودمند اور صحت مند ادب کی تشکیل ثابت ہوتی ہے۔

ادب برائے وجود

"ماھلک امرو عرف قدر نفسہ"

(جس آدمی نے اپنی قدر پہچان لی وہ کبھی برباد نہ ہوگا)

(آں حضرتؐ)

امام الغزل ابوالمعانی میرزا یگانہؔ چنگیزی کے فن کا جائزہ لیا جائے تو میں نہایت اعتماد و سنجیدگی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ یگانہؔ کے عہد سے اردو شاعری کی گزشتہ دوسو سالہ تاریخ میں یگانہ ایک بالکل چونکا دینے والی آواز بن کر سامنے آئے۔اردو غزل 'اسمِ بامسمیٰ' کا کردار نبھاتے ہوئے دوسو سال سے ایک ہی رنگ و آہنگ میں اپنا سفر طے کرتی آرہی تھی۔خواجہ حالیؔ کے بیانات محض کاغذی کاروائی کے طور پر ہی دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔عملی طور پر اردو شعراء اس وقت تک اسی گھسی پٹی روش پر گامزن تھے جس کی ابتداء ولی دکنی،عزلت سورتی،شاہ حاتم دہلوی وغیرہ سے ہوتی ہے۔غالبؔ کے گزرنے کو ۱۵ برس بیت گئے تھے۔اور غالبؔ نے اردو شاعری میں جو انقلاب برپا کیا تھا،بس وہی ایک راستہ اہلِ اردو کے نزدیک 'جدید' باقی رہا تھا۔کل ملا کر ہندوستان بھر کے شعراء نے اسی ایک راستے کی تقلید 'فرضِ عین' تسلیم کر لی تھی۔ایسے میں بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں یگانہؔ چنگیزی نے ایک نئی عمارت کی بناء رکھی۔ابتداء میں خواجہ آتش کے رنگ میں شعر کہنے کے بعد یہ شیوہ بھی یگانہ کو بہت زیادہ مفید نہ معلوم ہوا اور یہیں سے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ 'یگانہ' کی صورت میں ملتا ہے۔

اردو شاعری کو پہلی مرتبہ کسی شاعر نے محض وارداتِ قلب کی سطحیت سے آزاد کرنے کا نظریہ سامنے رکھا۔گوشت و پوست میں غرق اردو شاعری کو دقیانوسی زنجیروں سے آزاد کرنے کا ایک منضبط لائحہ عمل یگانہؔ نے اپنی شاعری کے ذریعے پیش کیا۔وجودی شاعری کا زندہ اور توانا پہلو

یگانہ کے طفیل اردو شاعری کو نصیب آیا۔فرد اور عظمتِ فرد کو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ شاعری کے میدان میں داخل کیا گیا۔اور یہ تسلیم کرنے پر اہل اردو مجبور ہوئے کہ شاعری محض عشقیہ معاملہ بندی، سرمستی رندی اور قصیدہ خوانی تک محدود نہیں بلکہ اور بھی کچھ ہے۔اور اسی 'اور بھی کچھ' کو یگانہ نے شعری تہہ داری کے ساتھ غزل میں جائز مقام دلایا۔معرفت اور مجاز کے درمیان حدِ فاصل کھینچنے میں مصروف شعرائے اردو کے لیے یگانہ کا وژن بالکل انوکھا رہا۔ بلکہ اول اول نا قابلِ ہضم۔لیکن زمانہ جانتا ہے کہ جدید شاعری کے امام یگانہ چنگیزی کی قربانیاں داخلِ نصاب نہ ہوتیں تو ہمیں شکیب جلالی، زیب غوری، ندا فاضلی، شجاع خاور و اسی قبیل کے دیگر شعراء کی شاعری قطعی پسند نہ آتی۔

ایمان کی بات یہ ہے کہ یگانہ کی شاعری ہمیں زندگی جینے کا فن سکھاتی ہے۔کم زور لمحوں میں ہمیں حوصلہ بخشتی ہے۔ہماری ڈھارس بندھاتی ہے۔یہی یگانہ کی شاعری کا ماحصل ہے۔خود کے لیے نئی راہ تیار کرنے اور پھر اس کی عظمت و انفرادیت زمانے سے منوانے میں یگانہ کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔یگانہ کی کیفیت بقول خلیل فرحت کارنجوی مرحوم،

ذوقؔ کے دور میں غالبؔ کا طرفدار ہوں میں
بے تکلف مجھے سولی پہ چڑھایا جائے

کی سی ہے۔یگانہ کے وقتوں میں لکھنوی تہذیب اور لکھنو اسکول پر مرثیہ کا کچھ اس طور غلبہ تھا کہ ہر صنفِ سخن سے 'مرثیہ پن' جھلکتا تھا۔یاسیت، قنوطیت سے اردو شاعری لبریز تھی۔ہر عاشق درِ جاناں پر مر جانے کو زندہ رہنے پر مقدم جانتا تھا۔گلدستوں اور طرحی مشاعروں میں محض پینترے بازی اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے جنون نے اردو شاعری کی صورت ہی کچھ اور کر دی تھی۔یگانہ نے ان تمام گورکھ دھندوں سے پاک، صاف ستھری اور با معنی شاعری سے اردو ادب کو روشناس کیا۔ایک ایسی شاعری جو انسانیت کے لیے اکسیر ہو، ایک ایسی شاعری جہاں فرد کے زخموں پر مرہم لگایا جاتا ہو۔میں عرض کر چکا ہوں کہ خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کے متعینہ اصولوں کو اس وقت تک کسی نے خود پر منطبق نہیں کیا تھا۔یگانہ کی شاعری خواجہ حالی کے نافذ کردہ قوانین سے میلوں آگے بڑھ گئی۔اہلِ زمانہ اس انقلاب سے چونک پڑے کہ، یہ کون حضرتِ آتش کا ہم زباں نکلا۔

یگانہؔ کی شاعری کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان کی آواز اپنے پیش روؤں یا ہم عصروں، سبھی سے جداگانہ ہے۔ یگانہؔ کا شعر کسی دوسرے کے خانے میں رکھا نہیں جاسکتا اسی لیے انتسابِ شعر کے معاملے میں یگانہؔ کا کوئی ایک شعر بھی تا حال کسی اور شاعر سے منسوب نہیں کیا جاسکا ہے۔ اس کے برعکس آپ جگر، اصغر، سیماب، فانی، عزیز، ثاقب وغیرہ کے سیکڑوں اشعار یہاں وہاں خلط ملط پائیں گے۔ کلام کی یہی انفرادیت یگانہ کی شناخت کا وسیلہ ہے۔ ان کی آواز ان کی اپنی ہے، وہ کسی کے لہجہ کی جگالی نہیں کرتے۔ میرے مربی ندا فاضلی صاحب یگانہؔ چنگیزی کے ساتھ ساتھ مرحوم خلیل فرحتؔ کارنجوی کے متعلق اکثر فرماتے ہیں کہ 'بڑا شعر کہنا بڑی بات نہیں ہے بلکہ اپنا شعر کہنا بڑی بات ہے۔' اور یہی 'اپنا شعر' یگانہؔ کو اردو شاعری میں حشرات الارض کی مقدار میں موجود شعراء کی بھیڑ سے مستثنیٰ کرتا ہے۔

یگانہؔ نے اردو شاعری کو زنانہ پسپائیت سے یکسر آزاد کردیا ہے۔ ان کی شاعری مردانہ آہنگ کی لے بلند کرتی ہے۔ مرادنہ اور دلیرانہ جذبات کو یگانہؔ کچھ اس ڈھب سے شعری جامہ پنہاتے ہیں کہ قاری و سامع جوش و انبساط کی سی کیفیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یگانہؔ کے یہاں افسردگی، لاچارگی، یاسیت، شکست خوردگی وغیرہ حوصلہ شکن مضامین عنقا ہیں۔ اس کے بدلے یگانہؔ کی شاعری ولولہ، غیرت، خودداری، حوصلہ کی تعلیم دیتی ہے۔ ہم فرد کے غموں کا مداوا یگانہؔ کی شاعری میں تلاش کرسکتے ہیں اور یقین جانیے کہ اس تلاش میں مایوسی نہیں ہوگی۔ حقائق زندگی کے اظہار پر یگانہؔ کی زبردست گرفت ہے۔ اردو شاعری میں حقائق زندگی کو اس بڑے پیمانے پر یگانہؔ سے قبل کسی نے بروئے کار نہیں لایا۔ یگانہؔ کی فکری بلندی نے معاملاتِ زیست کی سطحیت کو بھی ارفع مقام عطا کیا ہے۔ ان کے یہاں بہت چھوٹی سی بات بھی چھوٹی معلوم نہیں پڑتی۔ اظہار اور تخلیق پر یہی قدرت یگانہؔ کو سربلندی فراہم کرتی ہے۔ مصائبِ زمانہ کے یگانہؔ شاکی ضرور ہیں تاہم ان سے نمٹنے کا فن ان کی شاعری سے عیاں ہے۔ حالات کی سختی اور ناہمواری وقت میں یگانہؔ کے اشعار ایک سچے دوست کا کردار نبھاتے ہیں۔ اور محض ہمیں سنبھالا ہی نہیں دیتے بلکہ لبِ ساحل تک پہنچنے کا راستہ بتاتے ہیں۔ یہی بے پناہ انسیت یگانہؔ کی شاعری سے قاری کا رشتہ استوار کرتی ہے۔ اور وہ حیرت، تاسف و گم گشتگی کے بھنور سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ یہی یگانہ کی شعری کامیابی ہے۔

تخیل کی بلندی، لہجہ کی ندرت اور زبان پر قدرت، یہ تینوں صفات کسی ایک شاعر میں موجود ہوں، اردو شاعری میں اس کی مثالیں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس قبیل میں غالبؔ، داغؔ،

امیرؔ اور بلاشبہ یگانہ چنگیزی کو دیکھا جاسکتا ہے۔ذوقؔ دہلوی کے بعد اردو شاعری میں محاورے کے صرف بامحل کا سہرا یگانہؔ ہی کے سر جاتا ہے۔معاف کیجیے گا ذوقؔ کے یہاں کئی مقامات پر میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی ہے کہ شعر محض محاورہ کے استعمال کے لیے کہا گیا ہے۔اس کے برعکس آپ یگانہؔ کی شاعری میں محاورات کا اصراف ملاحظہ فرمائیں، یوں لگتا ہے جیسے محاورہ ہی شعر کے لیے بنا ہو۔محاورہ دراصل ایک بے جان شئے کا نام ہے، ایک سچا فنکار اپنی برجستگی اور صرفِ بامحل سے محاورہ میں جان بھر دیتا ہے۔یہی وصف یگانہ کی شاعری کو منتہائے خصوص تک پہنچا دیتا ہے۔چنداں محاورے تو کچھ یوں نظم ہو گئے ہیں کہ اس کے بعد ممکن نہیں۔یگانہ کی حیات میں ان کے مخالفین بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ انھیں زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔فارسی، اردو اور انگریزی ادب کے کثیر مطالعہ نے جہاں زبان میں پختگی بخشی وہیں بیان بھی پر اثر ہو گیا۔ ٹھیٹ اردو کے الفاظ بھی یگانہؔ ہی کے طفیل داخل غزل ہوئے اور وہ بھی اس شان سے کہ باید و شاید۔عوام تو خیر جانے دیجیے، خواص اور اساتذۂ فن بھی اپنے روزمرہ میں جن الفاظ کا استعمال کرتے تھے انھیں غزل میں شریک کرنا گناہِ کبیرہ گردانتے تھے۔یگانہؔ نے روزمرہ کے الفاظ کو غزل میں یوں برتا کہ ایسے خشک اور سماعت پر بار محسوس ہونے والے الفاظ بھی مزہ دینے لگے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ عامیانہ الفاظ بروئے کار لانے پر بھی یگانہؔ کے ٹھیٹ اردو کے الفاظ 'بازاری' نہیں معلوم پڑتے۔عمر بھر کی مشاقی اور قادر الکلامی نے ایسے لفظوں کی 'ثقلیت' کو زائل کر دیا۔اور غزل کی لفظیات میں ایک زبردست اضافہ کا موجب ہوا۔

یگانہؔ کی شاعری میں اپنے پیش روؤں کی مانند نسوانی نازکی و نرمی، غیر ضروری ناز و ادا، بل کھاتی ہوئی شعری چال وغیرہ دکھائی نہیں دیتی۔ان کے یہاں کھردرے پن، احتجاج، درشتگی کی ان کی اپنی تیار کردہ فضاء ہے جو کسی اور نے نہیں برتی گویا یگانہؔ اپنی بوطیقا لیے سفر کرتے رہے۔لیکن اس احتجاج میں فنی رمق بھی ہے، وگرنہ احتجاجی شعراء کے یہاں 'احتجاج' محض چیخ و پکار بن کر رہ جاتا ہے۔ندائے باغیانہ کے چکر میں شعر کی معنویت کہیں گم ہو جاتی ہے اور کلی شاعری اکھرے پن اور خشکی کی شکار ہو جاتی ہے۔یگانہؔ کی شاعری ایسے کسی بھی عیب سے پاک ہے۔

اردو غزل کی تاریخ میں غالبؔ، آتشؔ اور اقبالؔ کے بعد انفرادی لفظیاتی تشکیل صرف یگانہؔ کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔زبان اور اس کا رچاؤ، اور ان دونوں خصوصیات کو اپنے قطعی نئے موضوعات میں خوش سلیقگی کے ساتھ جس طرح یگانہؔ نے برتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔حال

آنکہ محض 'زبان' کے نام پر اپنی دوکانداری چلانے والے شعراء کے یہاں 'لچھے دار زبان' تو ضرور مل جاتی ہے تاہم اس چکر میں شعری پہلو خشک ہوجاتا ہے۔ اور شعر دیرپا اثر چھوڑنے سے قاصر رہتا ہے۔ غالبؔ، آتشؔ اور یگانہ متذکرہ دونوں ہی صفات پر یدِطولیٰ رکھتے ہیں اور اسی لیے ان کی شاعری کا جادو اتنے برس بعد بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

مصرعوں کی ساخت پر یگانہؔ بے حد توجہ دیتے ہیں۔ ان کے یہاں کوئی مصرعہ لکنت کا شکار محسوس نہیں ہوتا۔ سجے سجائے اور ڈھلے ڈھلائے مصرعوں کو پڑھ کر طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔ سلاست اور روانی کا وہ عالم ہے کہ گمان پڑتا ہے کہ جیسے پوری غزل غیب سے اتاری گئی ہو۔ کہیں کسی شعر میں جھول، بے جا اضافتیں، نامانوس تراکیب، دوراز قیاس استعارات وغیرہ کو دخل نہیں ہے۔ ان کے ہر شعر سے استادانہ شان جھلکتی ہے۔ رموزِ شاعری سے مکمل آشنائی نے یگانہ کی شاعری کو 'سند' کا درجہ دے دیا ہے۔ فن کی باریکیوں پر قدرت رکھنے کے باوجود ان کی شاعری بوجھل نہیں لگتی۔ وگرنہ اس قماش کے بیش تر شعراء کے اشعار بطور 'سند' تو پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن 'پسند' نہیں کیے جاسکتے۔

اردو شاعری کی تثلیث رندی، عاشقی اور تصوف سے قطعی مختلف طرزِ فکر رکھنے والے یگانہؔ نے اپنے بعد کی نسلوں کے لیے ایک نئی راہ فراہم کر رکھی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو یہ اعزاز اردو شاعری میں دو ہی شاعروں کے حصہ میں آیا ہے۔ اول غالبؔ دوم یگانہؔ۔ غالبؔ نے اپنے پیش روؤں کے موضوعِ اظہار اور طرزِ اظہار سے انحراف کیا۔ ٹھیک اسی طرح یگانہؔ نے غالبؔ کے موضوعات اور طریقہ ہائے اظہار سے انکار کیا اور نئی طرز ایجاد کی۔ مطلب یہ کہ غالبؔ نقشِ اول ہیں اور یگانہ نقشِ ثانی۔ غرض کہ یگانہ کی شاعری 'رجحان ساز' ثابت ہوئی۔ اور اسی آواز کی گونج شاد عارفی و نئی نسل کے دیگر احتجاجی شعراء کے یہاں سنائی دی۔

یگانہؔ اظہار کو معنی پر مقدم جانتے ہیں۔ ان کی شاعری پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اظہار کی سطح پر ان کے یہاں مشاقی اور تازہ کاری دکھائی پڑتی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ کسی بھی شاعر کے ہر شعر میں کچھ نہ کچھ معنی تو نکل ہی آتے ہیں، سوال یہ ہے کہ معنی کے علاوہ اظہار کی سطح پر بھی کچھ نیاپن ہے یا نہیں؟ ایک معمولی سے خیال کو مناسب و موزوں اظہار کے پیرائے میں پیش کیا جائے تو شعر دو آتشہ ہوجاتا ہے۔ وگرنہ بلند خیال بھی پست اظہار کی بناء پر رفعت حاصل نہیں کرسکتا۔ بلند آہنگی اور بیان کا زور اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یگانہؔ اظہار کے معاملہ میں

سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔

اردو شاعری میں رباعی یگانہ کی حاضری تک محض ادق مضامین، فلسفیانہ معاملات اور تشکیک وعقیدہ کے اظہار کا ذریعہ تھی۔ یگانہ نے پامردی کے ساتھ اس بیش قیمتی صنفِ سخن کا دائرۂ موضوعات وسیع کیا۔ انسانی پراگندگی، زمینی مسائل، شکست وریخت، سماجی افتراپردازیاں وغیرہ سے متعلقہ مضامین کو یگانہ نے اپنی رباعی میں شایانِ شان مقام عطا کیا۔ موضوعات کا تنوع، مردانہ کس بل اور فکری انفرادیت نے یگانہ کی رباعیوں کو ایک خاص مرتبہ بخشا ہے۔ وہ غزلوں کے ساتھ ساتھ رباعیوں میں بھی مکروفریب کے آبِ زلال کی بجائے صدق وصفا کے تیزاب کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ معاشرتی زنگ آلودگی اسی تیزاب سے زائل ہوسکتی ہے۔ معارفانہ بلند خیالی اور اخلاقیات کے مضامین بھی یگانہ کی رباعیات میں نرالی شان سے نظم ہوئے ہیں جنھیں پڑھ کر بلا شبہ 'حکایاتِ سعدی' کی طرح بوریت محسوس نہیں ہوتی۔

اخیر میں ایک اہم نکتہ جسے ابتداء میں زیرِ بحث لایا جانا چاہیے تھا لیکن میں نے قصداً اسے خاتمہ پر جگہ دی وہ ہے یگانہ کی خود پسندی۔ جس نے کہیں کہیں یگانہ کی شعری فضاء کو بے طرح متاثر کیا ہے۔ اس ضمن میں عرض کروں کہ اہل نظر 'خود پسندی' اور 'خود پرستی' کے فرق سے خوب آشنا ہیں۔ اردو شاعری سے کسی ایک شاعر کی بھی مثال ایسی نہ ملے گی جو خود پسند نہ واقع ہوا ہو۔ بلکہ میں عرض کرتا ہوں کہ لفظ 'تعلّی' اردو اور فارسی شاعری ہی کی دین ہے۔ یہاں ہر شاعر خود پسند، ہر دانشور خودنگر، ہر نقاد خودسر، ہر ادیب خود بین ہے۔ لہٰذا یگانہ چنگیزی کو محض 'خود پسندی' نامی گناہِ معصوم کی پاداش میں نظر انداز کرنا میرے نزدیک بجز کور چشمی اور کچھ نہیں۔ اردو شاعری کی ابتداء سے تاحال شعراء کے فطری اور فکری مزاج پر غور کیا جائے تو شیخ قلندر بخش جرأت کی بے جا اکڑ، خواجہ آتش کی بے باکی، میر کی 'مستند ہے مرا فرمایا ہوا' کی سی خود شناسی، خواجہ میر درد کے یہاں 'من وتو' کی دوئی مٹ کر 'من' کی ساخت، غالب کی 'الٹے پھر آئے' والی سرشت، اقبال کی 'خودی'، غرض کہ کل اردو شاعری میں 'خود پسندی' جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہے۔ تناسب مختلف ہوسکتا ہے۔ تاہم یگانہ کے ماسوا سبھی کا احساسِ برتری 'تعلّی' کہلایا جاتا ہے اور یگانہ کے لیے ہم اسی 'جذبے' کو 'خود پرستی' کا نام دے دیتے ہیں، میری اپنی دانست میں یہ حضرتِ یگانہ چنگیزی پر ظلم کے مترادف ہوگا۔ یگانہ چنگیزی کے فن پر مشاہیر ادب کی گراں قدر آراء ملاحظہ فرمائیں۔

''یگانہ کا نمایاں وصف یہ ہے کہ فلسفیانہ شاعری اور حقائق زندگی کے دقیق مضامین کو

موضوعِ سخن قرار دے کر وہ غزل کا اندازِ بیان اور غزل کی زبان کسی شعر میں ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ کسی غزل میں کوئی شعر ایسا نظر نہیں آتا جو خشک سے خشک مضمون کو بیان کرنے کے باوجود غزل کے انداز سے بیگانہ ہو۔ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعر میں اس وصف کا پیدا کرنا اس میدان میں فی الحقیقت بہت مشکل کام ہے۔'' شاگردِ داغؔ علامہ جوشؔ ملسیانی (میرزا یگانہؔ چنگیزی، مطبوعہ آجکل، یکم اپریل ۱۹۴۵ء صفحہ نمبر ۸)

''یگانہؔ پہلا شخص تھا جس نے لکھنو کے روتے اور بسورتے رنگِ تغزل پر کاری ضرب لگائی اور یہ کہنا غالباً غلط نہ ہوگا کہ یگانہؔ ہی نے سب سے پہلے اپنے زمانے کے لکھنوی شاعروں کے اُس رنگِ تغزل کو بدلا جو اپنا اصلی رنگ چھوڑ کر بے تمیزی کے ساتھ غالبؔ کی تقلید پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یگانہؔ نے غالبؔ کے متعلق جو کچھ لکھا، میں اسے ردِ عمل سمجھتا ہوں اس شدید مخالفت کا جو لکھنوی مقلدین کی طرف سے یگانہؔ کے باب میں ظاہر کی گئی اور جسے یگانہؔ ایسے حساس آدمی کے دماغ کو واقعی بری طرح متاثر کرنا چاہیے تھا، ورنہ یگانہؔ کی فطرت شاید اس کو گوارا نہ کرتی۔ یگانہ کی شاعری حسن وعشق کا وہ مرقع نہیں ہے، جس میں محبت کی فنادگی، خواری وتذلل تک پہنچ جاتی ہے بلکہ اس میں ہمیں ایسے عشق خودداری کی جھلک نظر آتی ہے جس کا سینہ تو ضرور خونچکاں ہے لیکن لب پر آہ وفغاں نہیں ہے۔ ایسے جواہر ریزوں کی ان کے یہاں کمی نہیں ہے۔'' علامہ نیاز فتح پوری (بزمِ نگار نمبر، ماہنامہ 'نگار' لکھنو، جنوری فروری ۱۹۴۱ء صفحہ نمبر ۲۲۲)

''میرزا یاسؔ یگانہ اردو غزل میں پہلے شخص ہیں جن کی شاعری میں وہ کس بل محسوس ہوتا ہے جس کو ہم صحیح اور توانا زندگی سے منسوب کرتے ہیں۔ غزل کو جواب تک صرف حسن وعشق کی شاعری سمجھی جاتی رہی ہے یگانہؔ نے زندگی کی شاعری بنا دیا ہے اور انسان اور کائنات کی ہستی کے رموز اشارات کو اپنی غزلوں کا موضوع قرار دیا ہے۔ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ ان کے ہاں حسن وعشق سے متعلق اشعار نہیں ملتے، ملتے ہیں مگر ان میں بھی حسن وعشق کا احساس عام اور عالم گیر زندگی کے احساس میں سمویا ہوا ہوتا ہے۔'' پروفیسر مجنوں گورکھپوری (غزل اور عصرِ جدید، مطبوعہ 'نگار' لکھنو، جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ نمبر ۵۰)

''میرزا یاسؔ عظیم آبادی اردو کے مشہور شعراء میں ہیں۔ یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ میرزا یاس یگانہؔ اپنے وقت کے ایک کامل شاعر ہیں، ان کے خیالات بلند، زبان صاف ستھری، ترکیبیں چست اور کلام حشو وزوائد سے پاک ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ لکھنو کے طرزِ

شاعری میں ان کے ہنگاموں کے باعث مفید انقلاب پیدا ہوا ہے۔ غزلیات کے ساتھ ان کی ہر رباعی زبان کی صفائی اور روزمرہ اور محاورات کی برجستگی اور ترکیبوں کی چستی کے لحاظ سے قابلِ داد ہے۔ ایسا نہ سمجھا جائے کہ ان کی رباعیوں کے مضامین صرف 'فلسفہء خودی' کی تشریح پر مشتمل ہیں، بلکہ 'انفس' کے بعد 'آفاق' کا فلسفہ بھی ان میں جا بہ جا بیان کیا گیا ہے، کہتے ہیں اور کیا خوب کہتے ہیں۔'' سید سلیمان ندوی (تبصرہ بر 'ترانہ' مطبوعہ 'معارف' اعظم گڑھ، شمارہ نمبر ۴ جلد ۳۳، اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ نمبر ۳۱۴)

''یگانہ چنگیزی نے چند مخصوص وجہوں کے سبب صحتِ زبان، لطفِ محاورہ کی طرف زیادہ توجہ کی ہے اور اس میں نمایاں کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ ان کی شاعری کی دوسری خصوصیت زور، شگفتگی اور انبساط ہے۔ قنوطیت کا نام و نشان نہیں۔ ان کا لہجہ بلند اور آواز خوش آئند ہے۔'' پروفیسر کلیم الدین احمد (بزمِ نگار، مطبوعہ 'نگار' لکھنو، جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ نمبر ۱۸)

''یگانہ کا آرٹ مینا کاری کا آرٹ نہیں ہے۔ ان کے یہاں نازک جذبات بھی زورِ بیان کے تیکھے پن کے ساتھ آتے ہیں اور ان کا یہی کارنامہ ہے کہ انھوں نے آتش اور غالب کی زمین میں بلند پایہ غزلیں کہی ہیں جو نہ تو ان شعراء کی آوازِ بازگشت ہیں اور نہ صدا بہ صحرا بلکہ ان میں آواز کی تیزی اور سوز و گداز کی آنچ کے ساتھ زندگی کا ولولہ بھی پایا جاتا ہے جسے ہم یگانہ آرٹ کہہ سکتے ہیں۔ یگانہ آرٹ سنگ تراشی کا آرٹ ہے۔ ان جاندار پتھروں میں ذہن کے مختلف موڈ ل کی بے شمار کیفیتیں اور فکر کی تصویریں دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ابھر آئی ہیں۔ اور یہ بھی معجز نما شخصیت کا پرتو ہے۔ یگانہ نے اردو شاعری کو جو ولولہ بخشا ہے وہ سرکشوں کی پوری داستان کا عنوان بن سکتا ہے۔ اگر اقبال کی شاعری بقول سرور صاحب 'ارضیت کا عہد نامہء جدید' ہے تو یگانہ کی شاعری اردو میں ایک باغی کا پہلا کامیاب شعری رجز ہے۔ جس کی بنیاد 'مانگے کے اجالے' پر نہیں رکھی گئی تھی بلکہ جس کا سرچشمہ خود یگانہ کی شخصیت تھی۔ اردو غزل میں میر اور غالب کے بعد تیسرا نام جو سب سے زیادہ احترام اور اہمیت کا مالک ہے، وہ یگانہ کا ہے۔'' باقر مہدی (یگانہ آرٹ، مطبوعہ 'آجکل' دہلی، مئی ۱۹۵۶ء صفحہ نمبر ۱۵)

''سن ۵۳ء کے کسی دن اخبار میں خبر پڑھی کہ یگانہ کا جلوس نکالا گیا تو میں نے محسوس کیا کہ تاریخ کی کتابوں میں جو واقعہ منصور حلاج کے نام سے پڑھا تھا وہی اخبار میں پڑھ رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو شاعری کو نیا موڑ دینے کے صلہ میں یہ 'کانٹوں بھرتاج' صرف یگانہ ہی

پہن سکتے تھے۔ یگانہ کی شاعری حریر و اطلس و کمخواب والے جبہ داروں کی آسائش والی شاعری ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ یگانہ شاعری میں آسمان کے تارے توڑ لانے کے مضامین کو وقعت دیتے ہیں، ان کی آواز ایک پرامید و اعتماد فرد کی آواز ہے۔ زمینی اضطراری کیفیت کی چارہ گری نہ غالب کر سکتے ہیں اور نہ اقبال۔ یہ امکانات تو یگانہ کی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ پارکھی لوگ اس سے خوب لطف اٹھاتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ سیانے چہ می گوئیاں کرنے لگتے ہیں۔ کسی علمی نکتے پر جاہل کی حیرت انگیزی بھی دلیل کامرانی ہوتی ہے، یہی یگانہ کی کامیابی کا بالواسطہ وسیلہ ہے کہ بے بضاعت حضرات ان کی شاعری پڑھ کر 'کھمبے نوچنے' لگ جاتے ہیں۔'' مرحوم خلیل فرحت کارنجوی (راقم سے دوران گفتگو فرمائے گئے ارشادات)

''میرزا یگانہ چنگیزی بلاشبہ اس دور کے نہایت عظیم غزل گو شعرا میں سے ہیں۔ عظمت کا لفظ اگرچہ اس دور میں اپنی معنویت کھو چکا ہے لیکن میرزا یگانہ کی غیر معمولی شعری صلاحیتوں کے پیشِ نظر ان کی عظمت پر شک کرنا ادبی خیانت کے مترادف ہے۔ یاس کی غزلوں کا لب و لہجہ ہمارا ادبی و تہذیبی ورثہ ہے۔ ہم نئی نسل کے شاعروں کو ان کے کلام کی صحت مند اور توانا روایات کو اپنانے کے لیے کسی تعصب اور بغض کے بغیر غیر متعلقہ امور کو بھلا کر اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔''
نریش کمار شاد (یاس کی خود پرستی، مطبوعہ 'نیا دور' لکھنو، جولائی ۱۹۶۱ء صفحہ نمبر ۳۲)

''یاس سے یگانہ اور یگانہ سے چنگیزی بننے کا ادبی سفر خود یگانہ کی ادبی زندگی کا ہی نہیں اردو ادب کی تاریخ کا بھی اہم واقعہ ہے۔ اس واقعہ کی تشکیل میں کئی اہم چہرے شامل ہیں۔ یگانہ کی زندگی کے یہ مختلف ادوار جو ان کی غزلوں، رباعیوں اور مضامین میں نمایاں طور پر جھانکتے نظر آتے ہیں اب غالب کے بعد غالب جیسی تخلیقی توانائی کی دوسری مثال ہے۔ یگانہ کا عہد غزل کا سنہری دور تھا، حسرت، فانی، جگر، اصغر اس دور میں صنفِ غزل کے روشن ستارے تھے۔ یگانہ کا امتیازی وصف یہی ہے کہ انھوں نے بھی غالب کی طرح اپنے دیکھے ہوئے اور اپنے جیے ہوئے پر اپنی شاعری کی بنیاد رکھی۔ یگانہ نے اپنے شعر کہے جو موضوع، برتاؤ اور اظہار کے لحاظ سے اپنے ہم عصروں کے اجتماع میں الگ سے نظر آتے ہیں۔ ان کی غزلوں کا مرکزی کردار زمین کی سختی اور آسمان کی دوری کو تصوف اور حسن و عشق کے کھلونے سے بہلاتا نہیں، ان سے آنکھ ملاتا ہے اور ٹکراتا ہے۔ یگانہ کی شعری شناخت ان کے عہد میں ممکن نہیں تھی۔ اس کو نئے دور کا انتظار تھا جواب پورا ہو چکا ہے۔'' ندا فاضلی (مکتوبِ ندا بنام خاکسار)

غرض کہ یگانہ چنگیزی کی شاعری آنے والے وقت کے لیے نوید بہار کا کام کرتی رہی جو بہ زمانہ خزاں دی جاتی ہو۔ پھر چاہے وہ غزل کے نصاب میں نئے موضوعات کی شمولیت ہو، یا ٹھیٹ اردو کے الفاظ کی شرکت، یا فرد کو مکمل اکائی کی طرح سمجھنے، اس کے مسائل کا حل تلاش کرنے اور اس پر دستِ ہمدردی پھیرنے کے ذیل میں ہو۔ یگانہ کی خدمات سے اردو ادب انکار نہیں کر سکتا۔

وجود برائے ادب

شکل اس کی دیدنی بھی ہے نادیدنی بھی ہے
جو تجھ کو جانتا ہو مگر مانتا نہ ہو

(یگانہ)

اوائلِ عمری سے ہی یگانہ کی تحریر کو اعتبار حاصل ہو گیا تھا۔ ان کی ہر نگارش بڑی سنجیدگی سے پڑھی جاتی تھی۔ خودنگری اور خودشناسی سے ماقبل یگانہ نے سنجیدہ ادبی کاوشیں کی تھیں جنہیں زمانہ آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان میں چنداں تصانیف اور مضامین شامل ہیں جو یگانہ کی صحت مند تنقید اور جاندار تحقیق کا نمونہء ارفع ہیں۔ یگانہ چنگیزی اپنے دور میں سب سے زیادہ شائع ہونے والے شاعر تھے۔ ہر ماہ تقریباً سبھی بڑے پرچوں میں ان کی نگارش موجود ہوتی تھی۔ رسائل کے مدیران انہیں بڑے اہتمام سے شائع کرتے تھے۔ اور شاید اسی لیے بہت جلد ہی یگانہ ہندوستان بھر کے ادبی حلقوں میں اپنی شناخت قائم کر چکے تھے۔ اسی مقبولیت کا نتیجہ تھا کہ ان کی تقریباً سبھی کتابوں کے ایک سے زائد ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ سرکاری تعلیمی بورڈ اور دیگر اسکولی نصابوں میں یگانہ کی کتابیں جگہ پا سکیں۔

اس کتاب میں یگانہ کی کتب کا اجمالاً تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یگانہ کی ہر کتاب کی صفات کے بیان میں کئی کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں، یہاں صرف مختصراً تعارف مقصود ہے۔ مضامین کی فہرست چونکہ بہت طویل ہے اس لیے یہاں محل نہیں بنتا۔ تاہم میری عنقریب

اشاعت پذیر کتاب 'یگانہ شناسی' میں یگانہ چنگیزی کے بیش قیمتی مضامین ملاحظہ فرمائیں۔

۱) نشترِ یاس:۔

یگانہ چنگیزی کا اولین شعری مجموعہ۔ یگانہ کی بیش تر مشہور غزلیں اسی مجموعہ میں شامل ہیں۔ اپریل ۱۹۱۴ء میں نورالمطابع لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ساٹھ صفحات پر محیط اس شعری مجموعہ کی تقطیع ۲۳x۲ ۱۴/۱۔ ہے۔ قیمت آٹھ آنے رکھ گئی تھی۔ صفحہ اول پر 'حصہ اول' لکھا ہے لیکن 'حصہ دوم' شائع نہ ہوا۔ یگانہ کی لکھنو آمد ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۴ء تک کلام پر مشتمل یہ مجموعہ اردو شاعری کے لیے ایک نیا موڑ ثابت ہوا۔ عنوان کی شہ سرخی کے طور پر یگانہ نے خود کو 'خاکپائے آتش' لکھا ہے۔ مجموعہ میں شامل غزلیات کا ایک بڑا حصہ طرحی غزلوں پر مشتمل ہے۔ ساتھ ہی چند غزلیں اساتذہ کی زمین میں کہی گئی ہیں۔ جن میں سودا، آتش، غالب، شہیدی، داغ اور مہدی شامل ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ 'نشترِ یاس' میں اساتذہء لکھنو کی پر مغز تقریظیں اس کی افادیت میں اضافہ کا موجب ہوئیں۔ جن میں نواب انجم لکھنوی (یادگارِ اسیر لکھنوی) محمد جعفر اوج (خلفِ ارشد میرزا دبیر) سید کاظم جاوید (خلفِ امید لکھنوی) علی محمد عارف (نبیرۂ میر نفیس لکھنوی) فصاحت لکھنوی وغیرہ شامل ہیں۔ حامد علی خان بیرسٹر ایٹ لا نے دیباچہ تحریر کیا تھا۔ اس کتاب کی دوسری خصوصیت یگانہ کا تحریر کردہ مقدمہ 'ماہیت شاعری' ہے۔ اس قابلِ قدر تحریر میں یگانہ نے شاعری کے ضوابط اور مبادیات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ بلکہ کسی حد تک ہم اسے 'مقدمہء شعر شاعری' کا یگانہ کی آنکھ سے اجمال بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت خود یگانہ نے بھی کی ہے۔ اس مجموعہ میں ۵۲ غزلیات (۵۶۲ اشعار) شامل ہیں۔ ان کے علاوہ متفرق غزلوں کے آٹھ اشعار بھی رکھے گئے ہیں۔ رباعیات کی تعداد ۱۲ ہے۔ اخیر میں ۱۱۱ اشعار پر مشتمل ایک 'سہرا' بھی شاملِ کتاب ہے۔ کوشش کے باوجود میں یہ دریافت نہ کرسکا کہ مذکورہ سہرا کس کے لیے لکھا گیا تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت مشفق خواجہ کی بھی رہی۔

یگانہ چنگیزی اختراعی طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی جدت پسندی اس مجموعہ سے بھی عیاں ہے۔ ایک بالکل نیا تجربہ اس مجموعہ میں یہ کیا گیا کہ ہر شعر پر 'صاد' بنا دیے گئے۔ کسی شعر پر ایک صاد کسی شعر پر دو اور کسی پر تین صاد۔ ان صاد کا مقصد یہ رہا کہ بذاتِ خود شاعر کو اپنا کوئی شعر کس قدر پسند ہے، اس کی وضاحت 'صاد' کی تعداد سے ہوجاتی ہے۔ غرض کہ جن اشعار پر تین 'صاد' لگے ہیں، سمجھ لیجیے کہ یہ اشعار شاعر کو بے حد عزیز ہیں۔ یہ اپنے آپ میں نیا، منفرد اور دلچسپ

تجربہ رہا۔ میں نے تا حال کسی فارسی یا اردو کی کتاب میں یہ جدت نہیں دیکھی۔ کتاب میں شامل شعری تہہ داری، نو بہ نو تجربات، اساتذہ ٔ لکھنو کی تقریظ وغیرہ صفات کی بناء پر ہندوستان میں اس کتاب کا چرچا ہونے لگا۔ اور یہیں سے بغض و عناد کا سلسلہ چل پڑا۔

۲) چراغِ سخن:۔ (اشاعتِ اول)

علمِ عروض پر مبنی یہ مایہ ناز کتاب ۱۹۱۵ء میں مرزا محمد رضی لکھنوی کی فرمائش پر مطبعِ گلشنِ ابراہیمی، امین آباد لکھنو سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کا سال تصنیف ۱۹۱۴ء ہے۔ 'چراغِ سخن' اس تاریخی نام سے سال تصنیف برآمد ہوتا ہے۔ فارسی اور اردو ادب میں عروض پر لکھی گئی چند بہترین کتابوں میں 'چراغِ سخن' کا شمار ہوتا ہے۔ سریع الفہم بیان، براہِ راست تفہیم، گنجلک و پیچیدہ نگاری سے پرہیز کی بناء پر متذکرہ کتاب اس موضوع کی عمدہ کتاب کہی جا سکتی ہے۔ ۱۰۰ صفحات پر مشتمل اس مفید کتاب کی تقطیع ۲/۱۔ ۱۸x۲/۱۔۱۱ ہے۔ عروض و قوافی کی مبادیات کے ذیل میں یگانہ نے استدلالی و منطقی نقطہ ٔ نظر سے اپنی بات کہی ہے۔ وگرنہ عموماً اس موضوع کی کتابیں از اول تا آخر خشک تر ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں 'شعر و سخن' اور 'اہلِ زبان و زبان داں' کے عنوان سے دو تنقیدی مضامین بھی شامل ہیں۔ جنھیں واقعی صحت مند تنقید کے ذیل میں رکھا جانا چاہیے۔ ان کے علاوہ لکھنو کے اساتذہ کی آراء جو 'نشترِ یاس' میں شامل تھیں، 'چراغِ سخن' میں بھی اخیر صفحات پر شائع کی گئیں۔ ساتھ ہی 'نشترِ یاس' پر اودھ اخبار لکھنو مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۱۴ء میں نظیر میرزا لکھنوی کا شائع شدہ تبصرہ بھی شامل ہے۔ مذکورہ بالا مضامین 'شعر و سخن' اور 'اہل زبان' میری پیش آئند کتاب 'نگارشاتِ یگانہ' میں مع تجزیہ شامل ہیں۔

۳) کارِ امروز:۔

یگانہ نے جنوری ۱۹۲۱ء میں لکھنو سے ماہنامہ 'کارِ امروز' جاری کیا۔ جس کا اندازہ مکتوبِ ڈاکٹر محمد اقبال بنام ماسٹر محمد طالع مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۱ء سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ''شہرتِ کاذبہ'' (تصنیفِ یگانہ) میں بھی 'کارِ امروز' کا اشتہار دیا گیا تھا۔ 'کارِ امروز' کے چھ شمارے منظر عام پر آئے۔ مشفق خواجہ نے ''کلیاتِ یگانہ'' میں شماروں کی تعداد پانچ بتائی ہے جو درست نہیں ہے۔ 'کارِ امروز' کے چھ شمارے بالترتیب جنوری ۱۹۲۱ء، فروری مارچ، اپریل مئی، جون جولائی، اگست ستمبر، اکتوبر نومبر ۱۹۲۱ء شائع ہوئے۔ غرض کہ یگانہ اٹاوہ قیام سے قبل ایک ماہانہ مجلہ نکال چکے تھے جو بد قسمتی سے چل نہ سکا۔ گمان غالب ہے کہ سیماب اکبر آبادی نے اپنی تیسری شعری تصنیف

''کارامروز'' (۱۹۳۴ء) کا عنوان یگانہ کے اسی رسالے سے متاثر ہو کر رکھا ہو۔حسبِ خواہش جنوری ۱۹۲۵ء میں یگانہ نے اٹاوہ سے ماہنامہ ''صحیفہ'' جاری کیا جس کا صرف ایک شمارہ نکل پایا۔ 'کارِامروز' کے چھ شماروں میں یگانہ گاہے بہ گاہے اپنے مضامین بھی شائع کرتے تھے جن میں تصحیح دیوانِ عرفی (٦ اقساط میں، جنوری ۱۹۲۱ء، فروری مارچ، اپریل مئی، جون جولائی، اگست ستمبر، اکتوبر نومبر ۱۹۲۱ء) شاعراں در گور و شاعری در کتاب (فروری مارچ ۱۹۲۱ء) ایثار حسین (فروری مارچ) مرزا ذوالقرنین ارمنی (فروری مارچ ۱۹۲۱ء) شامل ہیں۔تنگی حالات کی بناء پر رسالہ چل نہ سکا۔اور تلاش معاش میں یگانہ اٹاوہ چلے گئے۔

۴) چراغ سخن:۔ (اشاعتِ دوم)

کتاب کی مقبولیت کے پیشِ نظر 'چراغ سخن' کا دوسرا ایڈیشن مطبع منشی نول کشور لکھنو سے دسمبر ۱۹۲۱ء میں ۲/۱۔ ۱۵x۲/۱۔ ۱۲ کی تقطیع پر شائع ہوا۔اول ایڈیشن ۱۰۰ صفحات پر محیط تھا جب کہ دوم ۱۷۶ صفحات میں پھیل گیا۔یگانہ نے اول ایڈیشن میں شامل اپنے دو تنقیدی مضامین 'شعر و سخن' اور 'اہلِ زبان' میں جا بجا اضافے کیے۔ان کے علاوہ چار نئے مضامین بھی کتاب میں شامل کیے گئے جو پیش تر رسائل میں چھپ چکے تھے۔ان میں 'گلستانِ سعدی اور نکاتِ عروضی' (مطبوعہ رسالہ 'کہکشاں' لاہور مارچ ۱۹۲۰ء) 'میاں ثاقب کی عروض دانی' (مطبوعہ رسالہ 'خیال' ہاپوڑ دسمبر ۱۹۱۵ء) 'میاں ثاقب کی حمایت میں' (مطبوعہ رسالہ 'خیال' ہاپوڑ جون ۱۹۱۶ء) 'میاں ثاقب کی ڈھٹائی' (مطبوعہ رسالہ 'مذاقِ عروض' لکھنو دسمبر ۱۹۱۷ء) شامل ہیں۔

یہ وہ دور تھا جب یگانہ عروضی محاذ پر اہلِ لکھنو سے مصروفِ جنگ تھے۔اور گام بہ گام فتح پا رہے تھے۔بہ استثنائے اول الذکر، مابقیہ تینوں مضامین ثاقب لکھنوی کی عروضی لیاقت کا اظہار کرنے کی غرض سے شائع کیے گئے تھے۔دنیا جانتی ہے کہ یگانہ چنگیزی عروض پر زبردست گرفت رکھتے تھے۔اور ایسے ایسے پینترے بروئے کار لاتے تھے کہ مدِ مخالف شخص دھوکہ میں آجائے۔ اور اسی دھوکے میں راہ بھٹک جائے۔ایسے ہی ایک عروضی معاملے میں ثاقب دھوکا کھا گئے۔ یگانہ نے چھوٹتے ہی ثاقب کی گرفت کر لی۔جن کی تفصیل مذکورہ بالا مضامین میں دیکھی جاسکتی ہے۔(واضح ہو کہ متذکرہ چاروں مضامین 'یگانہ شناسی' از خاکسار میں شامل ہیں) اس کتاب سے یگانہ کی معاشی تنگی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔'چراغِ سخن' (دوم) کے آخری صفحات میں یگانہ نے اپنی نایاب کتابوں کی فروخت کا اشتہار لگایا تھا جس سے زمانے کی بے مہری اور یگانہ کی حالتِ کس

میرسی عیاں ہے۔

۵) صحیفہ:۔

جنوری ۱۹۲۴ء میں یگانہ تلاش معاش میں لکھنو سے اٹاوہ پہنچے۔ اٹاوہ سے جنوری ۱۹۲۵ء میں یگانہ نے ماہنامہ 'صحیفہ' جاری کیا۔ 'صحیفہ' کا پہلا شمارہ بدقسمتی سے آخری شمارہ ثابت ہوا۔ ۲۰x۲۶/۱۶ کی تقطیع پر کل ۴۸ صفحات کی ضخامت رکھنے والے اس اول و آخر شمارے کی تمام نگارشات یگانہ کی قلم سے ہیں۔ کل چھ مضامین شاملِ اشاعت ہیں۔ جن میں تقلیدِ غالب (مذکورہ مضمون 'فنون' لاہور کے نومبر ۱۹۸۷ء کے شمارے میں بھی شائع ہوا) ہندو فلاسفی، فلسفہء جذبات، تصحیح دیوانِ عرفی شامل ہیں۔ مابقیہ دو مضمون 'معراج الکلام' (تبصرہ) اور 'اساطینِ لکھنؤ' آغا رضی شیرازی کے فرضی نام سے یگانہ نے تحریر کیے تھے۔ (کلیاتِ یگانہ از مشفق خواجہ) شومیِ قسمت سے یہ پرچہ بھی جاری رہ نہ سکا۔ یگانہ کو تادمِ آخر چرخِ جفا کار نے کسی ایک مقام پر ٹھہرنے نہ دیا اور کئی اہم منصوبے شکل پاتے پاتے رہ گئے۔ یہ دوسرا مجلہ تھا جو جاری ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔

۶) شہرتِ کاذبہ:۔

یگانہ چنگیزی کی پہلی باضابطہ تلوار کا کام کرنے والی کتاب جس کا پورا نام "شہرتِ کاذبہ المعروف بہ خرافاتِ عزیز" ہے۔ ۱۶x۱۲ کی تقطیع والے ۹۶ صفحات پر مشتمل کتاب ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی۔ یگانہ نے ۱۹۲۰ء میں ہی کتاب مکمل کر لی تھی لیکن متن کی اشاعت ۱۹۲۳ء میں ہو پائی۔ متن اصح المطابع لکھنو میں چھپا۔ ۱۹۲۵ء میں یگانہ اٹاوہ سے علی گڑھ چلے گئے، وہیں سرورق تیار کیا گیا۔

مکمل کتاب بڑی دلچسپ اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یگانہ نے عزیز لکھنوی کے قصائد پر ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے جس میں ۵۷ اعتراضات کیے تھے۔ رسالہ 'نظارہ' میرٹھ کے اپریل تا جولائی ۱۹۱۸ء کے شمارے میں یگانہ کا مذکورہ مضمون شائع ہوا۔ یگانہ کے اعتراضات منطقی طور پر بے حد جاندار ہوا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں اشہر لکھنوی نے 'کحل البصر' کے عنوان سے 'نظارہ' میرٹھ کے جنوری تا مئی ۱۹۱۹ء مضمون چھپوایا۔

'شہرتِ کاذبہ المعروف بہ خرافاتِ عزیز' کتاب کی وجہء تصنیف مذکورہ بالا معاملہ ہی ہے۔ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اول حصہ یگانہ نے ایک فرضی نام 'غازی الدین بلخی' سے لکھنوی شعراء کی ان پر کی گئی زیادتیوں اور غیر شریفانہ سلوک کی تفصیل بیان کی ہے۔ صفحہ نمبر ۱ تا ۳۱

کی مذکورہ تحریر رونگٹے کھڑے کر دیتی ہے۔ کس کس طرح ایک معصوم انسان کو محض 'بیرونی' ہونے کی سزا دی جاتی ہے، ان صفحات میں تاریخ درج ہے۔ دوسرا حصہ دراصل اس مضمون کا جواب ہے جو یگانہ کے خلاف لکھا گیا تھا۔ ناطق لکھنوی نے 'سیف زبان لکھنوی' کے فرضی نام سے روزنامہ 'اودھ اخبار' لکھنو شمارہ بابت ۱۲ اپریل ۱۹۱۸ء میں 'ادبی دنیا کا انقلاب' اس عنوان سے مضمون شائع کیا جس میں یگانہ کی غزل کے چار شعروں پر اعتراض کیے گئے۔ 'یاس کو یہ بھی یقین تھا کہ سیف زباں لکھنوی دراصل ناطق لکھنوی ہیں جنھوں نے عزیز کے کہنے پر یہ اعتراضی مضمون لکھا تھا'' (یگانہ۔ احوال و آثار از ڈاکٹر نیر مسعود، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی صفحہ نمبر ۳۴) یگانہ نے ناطق کے اعتراضی مضمون کا جواب بہ عنوان 'ناطق کے اعتراضات کے جواب' میں ماہنامہ 'نظارہ' میرٹھ جولائی ۱۹۱۸ء کے شمارے میں شائع کروایا۔ ساتھ ہی عزیز کے قصائد پر ۵۷ اعتراضات اسی شمارے میں شریک مضمون 'اندھی نگری' کے عنوان سے شامل کر لیے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ یگانہ کے اعتراضات بے حد ٹھوس، مدلل اور دلچسپ ہوتے تھے۔ لہٰذا عزیز لکھنوی اور ان کے حواری تلملا اٹھے۔ 'شہرتِ کاذبہ' کے حصہ دوم میں یگانہ نے ناطق لکھنوی کے اعتراض کے جواب میں لکھا گیا، 'نظارہ' میرٹھ میں شائع شدہ مضمون صفحہ نمبر ۳۲ تا ۴۳ شامل کتاب کیا ہے۔

تیسرا حصہ 'نظارہ' میرٹھ میں شائع شدہ مضمون میں شامل ۵۷ اعتراضات پر مشتمل ہے جو عزیز لکھنوی کے قصائد پر کیے گئے تھے۔ یگانہ نے ۵۷ اعتراضات میں سے ۳۵ اعتراضات بہ مع اضافہ و ترمیم کتاب میں شامل کیے۔ کتاب کے اخیر میں 'خاتمہ' کے تحت یگانہ کی دل سوزی قارئین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ یگانہ فرماتے ہیں، ''اللہ اللہ اس رسالہ (شہرتِ کاذبہ) کی اشاعت میں کیا کیا رخنہ اندازیاں گومتی والوں نے کیں۔ ۱۹۲۰ء میں یہ رسالہ مرتب ہوا اور ۱۹۲۳ء میں پریس میں دیا گیا۔ گومتی والوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس رسالہ میں ان کی حاسدانہ بے غیرتیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور لکھنو کے ایک مشہور متشاعر میاں ذلیل لکھنوی (عزیز لکھنوی) کی شاعری کی دھجیاں اڑائی گئی ہیں تو بوکھلاہٹ کے مارے پیٹ پکڑے ادھر سے ادھر پھرتے رہے کہ کسی طرح یہ رسالہ شائع نہ ہونے پائے ورنہ لکھنو کی بڑی رسوائی ہوگی۔ رخنہ اندازیوں کی بیسیوں صورتیں پیدا کی گئیں۔ آخر کار موقعہ پا کر یاس عظیم آبادی کی روزی پر کمین گاہ سے حملہ کیا گیا۔ ایسی ایسی سازشیں کی گئیں کہ مجھے 'اودھ اخبار' سے ترکِ تعلق کر کے دربدر ہونا پڑا، لکھنو چھوڑ کر اٹاوہ اور اٹاوہ سے علی گڑھ کی ٹھوکریں کھانا پڑیں جس کی وجہ سے یہ رسالہ معرض التوا میں پڑ گیا۔ اسی تباہی و

بربادی کے سلسلہ میں جو واقعہ سب سے جاں گسل ہے وہ یہ کہ میری عمر بھر کا سرمایہ یعنی کتب خانہ تنگ دستی کے ہاتھوں کوڑیوں کے مول لٹ گیا۔'' (صفحہ نمبر ۹۵)

۷) آیاتِ وجدانی :۔ (اشاعتِ اول)

یگانہ چنگیزی کا دوسرا شعری مجموعہ۔ عنوان کی خوبصورتی اور زبردست معنویت سے یگانہ کی افتادِ طبع کا پتہ چلتا ہے۔ ۱۹۲۷ء میں شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور کی فرمائش پر مطبعِ کریمی لاہور سے میر قدرت اللہ کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔ کتاب ۱/۲ ۔ ۱۲×۲۰ کی تقطیع میں ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ 'آیاتِ وجدانی' کے متعلق میں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ ''عملی تنقید کا جاندار نمونہ استاد یگانہ چنگیزی کی تصنیف ''آیاتِ وجدانی'' (اول ایڈیشن مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۷ء) میں شامل محاضرات سے دیکھنے کو ملتا ہے۔ عالمی اردو، فارسی و عربی شاعری کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی شعری مجموعے میں شعر کی تعبیریں، نفسِ مضمون کی شرحیں، شعر کی ساخت، لفظیاتی ہیت، نگارش کے وجود پانے کے اسباب و علل اس حسن و خوبی سے بیان کیے گئے ہیں کہ باید و شاید۔ میری اپنی دانست میں یہ اپنے طرز کا اولین تجربہ رہا ہو۔ اس کے بعد معروضی تنقید کی بے حد مفید مثالیں استاد یگانہ کی تصنیف ''شہرت کاذبہ المعروف بہ خرافاتِ عزیز''، ''غالب شکن'' اور مجلہ ''نگار'' کی فائلوں سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔'' (معروضی تنقید۔ از خاکسار۔ مشمولہ جدید تنقیدی شعور۔ ڈاکٹر ذاکر علی جلگاؤں مطبوعہ ۲۰۰۳ء صفحہ نمبر ۸۸) بہر حال۔

'آیاتِ وجدانی' میں ابتدائی صفحات (۵ تا ۳۳) پر دیباچہ دیا گیا ہے جس کے لکھنے والے 'میرزا امراد بیگ شیرازی' ہیں۔ یگانہ کے محققین کا ایقان ہے کہ یہ دیباچہ دراصل بذاتِ خود یگانہ کا تحریر کردہ ہے۔ میں تاحال کسی نتیجہ پر پہنچ نہیں سکا ہوں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ کتاب کے اول صفحہ پر 'جلوہ فرما حق ہوا باطل گیا' مصرع درج ہے جس سے کتاب کے اشاعتی سال کے اعداد ۱۹۲۷ نکلتے ہیں۔ دیباچے کے بعد باب غزلیات شروع ہوتا ہے، یہاں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ غزلوں کے ساتھ میرزا امراد بیگ شیرازی کے محاضرات بھی شامل کیے گئے ہیں۔ غزلوں کی تعداد ۹۱ ہے جن میں سے ۲۷ غزلیں 'نشترِ یاس' سے ماخوذ ہیں، غرض کہ ۶۴ غزلیں غیر مطبوعہ شاملِ دیوان ہیں۔ ایک رباعی، ایک مثلث، ایک فخریہ قطعہ، متفرق اشعار ۲۹، فارسی غزلیات ۷، رباعی ایک، نظم ترانہ شقشقیہ شامل ہے۔ بادی النظر میں دیکھا جائے تو یگانہ کی ہر تصنیف نے ہمیشہ ہی پبلک کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔ آیات وجدانی کے خلاف ایک زمانہ تک

مضامین لکھے جاتے رہے۔لیکن یگانہ مردِ قلندر کی طرح اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔مخالفت والے سب ختم ہوگئے لیکن یگانہ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔

۸)ترانہ:۔

رباعیات پر مشتمل 'ترانہ' یگانہ چنگیزی کا تیسرا شعری مجموعہ ہے۔جیبی سائز کی کتاب ہے جس کی تقطیع ۲x۱۳/۱۰ ہے۔۲۱۰ صفحاتی اس شعری مجموعہ میں ۲۰۵ رباعیاں شامل ہیں۔مزے کی بات یہ بھی ہے کہ ہر صفحے پر صرف ایک رباعی شائع کی گئی ہے اور ہر رباعی کو ایک معقول سا عنوان دیا گیا ہے۔اور ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ کتاب کے دوم صفحہ پر آرٹ پیپر پر یگانہ چنگیزی کی ایک خوبصورت تصویر بھی کشش میں اضافہ کا موجب ہے۔(واضح ہو کہ تصویر یگانہ کی ہر کتاب کے شروع میں شامل ہے تاہم آرٹ پیپر پر اور اس درجہ اہتمام سے تصویر کی اشاعت 'ترانہ' سے پہلے یا بعد دیکھنے کو نہیں ملتی، یہ بھی بتاتا چلوں کہ یگانہ کی سبھی تصاویر میری کتاب 'مکتوباتِ یگانہ' میں کثیر رنگی آرٹ پیپر پر شائع کی گئی ہیں)تصویر کے بعد یگانہ نے اظہار حال کے لیے 'مغالطہ' کے تحت چار صفحاتی دیباچہ تحریر کیا ہے۔کل ۲۰۵ رباعیوں سے ۱۵ فارسی رباعیاں ہیں نیز دیوان کے اخیر میں جگہ پانے والی ۱۳ رباعیوں کو'مزاحیہ'باب کے تحت شامل کیا گیا ہے۔تاہم 'ترانہ' کے بعد شائع ہونے والے شعری مجموعوں میں یہ رباعیاں بغیر کسی درجہ بندی کے شاملِ کتاب کی گئیں۔اردو بک اسٹال، بیرون لوہاری دروازہ لاہور سے ستمبر ۱۹۳۳ء میں شائع 'ترانہ' کا دوسرا ایڈیشن شائع نہ ہوا۔

۹)آیاتِ وجدانی:۔(اشاعتِ دوم)

'آیاتِ وجدانی'(اشاعتِ دوم)دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۴ء میں اشاعت عمل میں آئی۔۲۸۸ صفحاتی شعری مجموعہ کی تقطیع ۱۸x۱۲ ہے۔اشاعتِ دوم سے 'آیاتِ وجدانی' کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔البتہ اس اشاعت میں یگانہ نے 'محاضرات' حذف کردیے۔اس اعتبار سے غور کریں تو یہ خالص شعری کتاب کہی جاسکتی ہے۔کتاب میں شامل بیش تر حصہ انہی شعری نگارشات پر مشتمل ہے جو 'آیاتِ وجدانی'(اشاعتِ اوّل)میں شامل تھیں۔'آیاتِ وجدانی۔اول' اور 'نشترِ یاس' کے علاوہ ۱۱ غزلیات، ایک مثلث، فارسی غزلیات ۴، نعت ایک، رباعیات ۱۸ اور متفرق کے تحت ایک عدد فارسی و ایک عدد اردو کے شعر شامل ہیں۔لیکن چونکہ یہ بہت سیدھا سادہ اور عمومی طرز کا شعری مجموعہ ہوگیا تھا، بہ ایں ہمہ خاص مشہور نہ ہوسکا۔یگانہ کی ذات سے اردو

دنیا ہمیشہ کسی ھنگامے کی منتظر رہتی تھی، اس صورت میں یہ کسی قدر 'شریفانہ' کتاب توجہ کا مرکز نہ بن سکی۔ اہلِ اردو ازل سے ہی چٹخارے بھرنے کے عادی رہے ہیں۔ البتہ اس کمی کو 'آیات وجدانی جدید' (سوم اشاعت) نے پورا کر دیا جس کا ذکر آگے آئیگا۔

۱۰) غالب شکن:۔ (اشاعتِ اول)

یہ معرکہ آرا کتابچہ آرمی پریس دیال باغ آگرہ سے بہ اہتمام سیتارام ۱۹۳۴ء میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب کی وجہ تخلیق مختصراً گزشتہ صفحات میں درج کی جا چکی ہے۔ ۱۱X۱۶ کی تقطیع پر چھپا یہ کتابچہ ۳۲ صفحات پر محیط ہے۔ ابتدائی ۲۰ صفحات میں مکتوب بنام پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب درج ہے اور آخر کے ۱۲ صفحات غالب کے متعلق رباعیات کا اندراج رکھتے ہیں۔ اس کتاب کی شانِ نزول بت شکنی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یگانہ کا ادیب کو ذاتی خط بھجوانا، ادیب کی خط کو شائع کروانے کی خواہش، یگانہ کی رضامندی، رسالہ 'جہانگیر' لاہور کو خط بغرض اشاعت بھجوانا، اس اثناء میں شاہد احمد دہلوی کے مجلہ 'ساقی' میں مضحک دہلوی اور ماہر القادری کے یگانہ کے خلاف سخت مضامین کی اشاعت، ان کے جواب میں یگانہ کی مدیرِ 'ساقی' کے نام کھلی چھٹی کا چھپنا، جواباً ماہر القادری کا کھلی چھٹی کا شائع ہونا، 'ساقی' کے 'ظریف نمبر' میں یگانہ کا کارٹون شائع ہونا، مضحک دہلوی کا یگانہ کی ذاتیت پر حملہ آوری اور ان تمام اہانت آمیز سلوک کے جواب میں یگانہ کا 'غالب شکن' کتابچہ کی صورت میں غالب پرستوں کی خبر لینا، یہی وجہ تخلیق رہی 'غالب شکن' کی۔ کتابچہ پر کوئی قیمت درج نہیں، گمان غالب ہے کہ یگانہ نے 'غالب شکن' خود شائع کی اور مفت تقسیم کی۔

۱۱) غالب شکن دو آتشہ:۔ (اشاعتِ دوم)

'غالب شکن' کی اشاعت کے ایک سال بعد ہی اسی تقطیع اور مطبع سے 'غالب شکن۔ دو آتشہ' شائع ہوئی۔ 'غالب شکن' کی اشاعت کے بعد لکھنو ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستان سے حضرتِ غالب کے 'جملہ عزیز و اقارب' سامنے آنے لگے۔ جنھیں یگانہ نے 'غالب پرست' کی بجائے اب کی بار 'غلبچیوں' کا لقب دے دیا۔ اوّل اشاعت میں مشمولہ ۲۰ صفحاتی خط دو آتشہ میں بڑھ کر ۶۸ صفحہ کا ہو گیا۔ رباعیوں کی تعداد ۱۲ سے ۳۲ کر دی گئی۔ کل ملا کر ۳۲ صفحاتی 'غالب شکن' ۸۰ صفحات پر پھیل گیا۔ ۳۲ رباعیاں 'میٹھی میٹھی چٹکیاں' کے تحت شائع کی گئیں۔ یگانہ فرماتے ہیں کہ ''غالب پرستوں نے تمام اساتذہ، ماضی و حال کا حق تلف کر کے غالب کو دے دیا

ہے، مگر میں نے ہرگز غالبؔ کا حق تلف نہیں کیا (ان کو اردو کا مایہ ناز شاعر مانتا ہوں) ہاں کھری کھری سنا دی۔ جس کے مخاطب غالبؔ نہیں بلکہ غالبؔ پرست۔ 'غالبؔ شکن' کی اشاعت کا ذمے دار کون؟ دلی وال۔ ترانہ کی محض چند رباعیوں سے چراغ پا ہو کر جب دلی وال نے رسالہ ساقی دہلی کے اکیس صفحوں پر مہمل خامہ فرسائی کر کے ترانہ کو گویا مجموعہ خرافات باور کروانا چاہا تو مین نے کہا جاتا کہاں ہے اور لیتا جا۔ یہ ہے، 'غالبؔ شکن' کی شانِ نزول۔'' ('غالبؔ شکن۔ دو آتشہ صفحہ نمبر ۳۴) دلی وال سے یگانہؔ کی مراد مضحک دہلوی اور مدیر ساقی شاہد احمد دہلوی ہیں۔ یہ وہ تمام عناصر ہیں جنھوں نے یگانہؔ جیسے فطری شاعر کو غیر ضروری بندشوں میں تا عمر جکڑے رکھا۔ اردو والے تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھ کر فیصلہ صادر کر دینے کے عادی ہیں، جب کہ دوسرا رخ سارا پانسہ ہی پلٹ دیتا ہے۔

۱۲) آیاتِ وجدانی جدید:۔ (اشاعتِ سوم)

'آیاتِ وجدانی' کی اشاعتِ سوم 'آیاتِ وجدانی جدید' کے عنوان سے اگست ۱۹۴۶ء میں عمل میں آئی۔ ۱۲×۱۷ تقطیع والے ۴۰۴ صفحات پر مشتمل اس ضخیم شعری مجموعہ میں حسبِ توقع اہلِ اردو کو چونکا دینے کے لیے اچھا خاصہ مواد فراہم کیا گیا ہے۔ 'آیاتِ وجدانی اول' کی طرز پر 'آیاتِ وجدانی جدید' میں بھی 'محاضرات' کو خاص جگہ دی گئی ہے۔ بلکہ اول ایڈیشن کے مقابلے جا بجا اضافے و ترمیمات نظر آتی ہیں۔ البتہ اول و ثالث کے درمیانی بیس سالہ فاصلے میں یگانہؔ کی ترجیحات بدل گئی تھیں۔ اب وہ زمانہ بھی نہیں رہا تھا کہ جب تقلیدِ غالبؔ اور دقیانوسی شاعری کے خلاف کچھ لکھا جاتا۔ اب ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا تھا۔ حلقہء اربابِ ذوق، ادبِ لطیف، رومانوی تحریک، ترقی پسند تحریک، ادبِ جدید وغیرہ قطعی نئے اور چونکا دینے والے منظر نامے سامنے آ رہے تھے۔ غزل کو پسِ پشت ڈال کر نظم کی پرداخت ادب نوازوں کا شیوہ بن رہی تھی۔ قافیہ، عروض وغیرہ علم 'قصہ ہائے پارینہ' کا روپ اختیار کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ زندگی بھر غزل کے گیسو سنوارنے والے یگانہؔ اس بے راہ روی اور افراتفری کو کیوں کر برداشت کر سکتے تھے، لہٰذا یگانہؔ نے بہ بانگِ دہل اپنا احتجاج 'آیاتِ وجدانی جدید' میں درج کیا۔ اس چکر میں ۴۰۴ صفحاتی شعری کتاب کے ۲۰۶ صفحات نثر کی نذر ہو گئے۔ نثر میں ابتدائی صفحات پر پروفیسر مجنوں گورکھپوری کا مختصر تبصرہ شامل ہے (صفحہ نمبر ۱، ۲) جو 'نگار' لکھنو کے 'بزم نگار نمبر' ۱۹۴۲ء پر تبصرہ کرتے ہوئے مجنوں نے یگانہؔ کے متعلق رائے قائم کی تھی۔ بعد میں اسی مختصر تبصرہ کو مجنوں نے ایک

بسیط مضمون کی صورت میں اپنی کتاب 'غزل سرا' (مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی ۱۹۶۴ء) میں بھی شامل کیا۔ یگانہ چنگیزی کی چالیس بیالیس سالہ ریاضت کے بعد اور ایک جہان سے اپنی علمیت کا لوہا منوانے کے تقریباً نصف صدی بعد کسی نقاد کا یگانہ کی شاعری پر سنجیدہ تنقید کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ مجنوں گورکھپوری نے بے حد معنی خیز، صحت مند اور جاندار تنقید کے ذریعے یگانہ کے قد کا تعین کر دیا۔ ظاہر ہے کہ زندگی بھر قدردانی کو ترسنے والے یگانہ کے لیے مجنوں کا تبصرہ 'تبرک' سے کسی طور کم نہ تھا۔

اس تبصرے کے بعد یگانہ نے اپنی مختصر آپ بیتی بھی شاملِ کتاب کی ہے۔ (صفحہ نمبر ۳ تا ۹) یگانہ آرٹ۔ مضمون از میرزا مراد بیگ چغتائی (صفحہ نمبر ۱۰ تا ۴۲) بھی شریکِ اشاعت ہے۔ 'آرٹ و مذہب' کے عنوان سے یگانہ کا تحریر کردہ مضمون صفحہ نمبر ۶۱ تا ۶۹ کا بھی اشتمال کیا گیا ہے۔ مذکورہ مضمون کتاب سے پیش تر رسالہ 'چمنستان' دہلی جون ۱۹۴۴ء کے شمارے میں شائع ہو چکا تھا۔ کتاب کی اشاعت کے بعد یہی مضمون یگانہ نے ماہنامہ 'نیرنگ خیال' لاہور فروری ۱۹۵۲ء کے شمارے میں بھی چھپوایا تھا۔ مضمون کے بعد یگانہ کا ایک طویل خط بنام فراق گورکھپوری محررہ ۳۱ مئی ۱۹۳۸ء موجود ہے۔ جو اس سے پیش تر 'نیرنگِ خیال' لاہور کے شمارے نومبر ۱۹۴۲ء میں بہ عنوان 'شعرائے حال میں یگانہ کا درجہ' شائع ہو چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ فراق نے رسالہ 'نگار' لکھنو کے شمارے دسمبر ۱۹۳۶ء میں اردو غزل کا تجزیہ پیش کرتا اپنا ایک مضمون بہ عنوان 'دورِ حاضر کی اردو غزل' شائع کیا۔ مضمون میں حسرت، فانی، اصغر، جگر اور یگانہ کی غزلوں اور رنگِ سخن کا جائزہ پیش کیا گیا تھا۔ یگانہ نے محسوس کیا کہ فراق نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ مضمون کے جواب میں یگانہ نے فراق کو طویل خط بھجوایا۔ یہی خط 'آیاتِ وجدانی جدید' میں صفحہ نمبر ۱۸۹ تا ۲۶۴ شامل ہے۔ کتاب کے حاشیے پر ایک مضمون 'جگر کی شاعری جاپانی مال' (صفحہ نمبر ۲۲۵ تا ۲۳۵) بھی اہمیت کا حامل ہے۔ یگانہ نے مضمون میں جگر کی شاعری ''گوری گوری کلائیاں توبہ۔ ہائے یہ کج ادائیاں توبہ'' کے متعلق اپنے سخت تاثرات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ایک مختصر مضمون جسے ہم بغیر مطلع کی غزل سے معنون کر سکتے ہیں، بھی شامل کیا گیا ہے، نوجوان ترقی پسند کے مضمون کا جواب' اس کی سرخی ہو سکتی ہے۔ 'ادبِ خبیث' اور 'ادبِ خبیث۔ ۲' عنوان سے یگانہ نے ترقی پسند ادب اور ادبِ لطیف کی اپنے مضمون میں خوب خبر لی۔ 'آیات وجدانی جدید' کی اشاعت کے بعد یہی مضامین رسالہ 'آجکل' دہلی میں بالترتیب یکم جنوری ۱۹۴۵ء اور یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء کے شماروں میں

شائع کیے گئے۔ اخیر کے دو مضمون 'زیٹ زپٹ' اور 'دختران حوا کا کورس' جوش ملیح آبادی کی زباندانی اور شعری مبادیات سے عدم واقفیت کے اظہار کے لیے یگانہ نے قلم بند کیے۔ واضح ہو کہ 'جگر کی شاعری جاپانی مال'، 'زیٹ زپٹ' اور 'دختران حوا کا کورس' آیاتِ وجدانی جدید سے قبل یا بعد کسی رسالے میں یگانہ نے شائع نہیں کیے۔ مندرجہ بالا تمام مضامین میری پیش آئند کتاب 'نگارشاتِ یگانہ' میں شامل ہیں۔

مذکورہ بالا گیارہ تحریریں قطعی بے ترتیبی سے کتاب میں یہاں وہاں چسپاں کر دی گئی ہیں جس سے یگانہ کی ذہنی انتشار کا پتہ چلتا ہے۔ شعری نگارشات کے ذیل میں 'آیات وجدانی' طبع و دوم کا تمام کلام طبع سوم میں شامل ہے۔ بہ دو چند اضافہ، جس میں ۷ ۳ غزلیات، ۴۰ متفرق اشعار، ۸ رباعیات اور ۲ منظومات شامل ہیں۔

۱۲) گنجینہ:۔

یہ شعری کتاب دراصل 'کلیاتِ یگانہ' کی حیثیت رکھتی ہے۔ نشترِ یاس، ترانہ، آیاتِ وجدانی کی تینوں اشاعتوں میں موجود کلام 'گنجینہ' میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ ایک غزل اور ۲۳ رباعیات کا اضافہ بھی کیا گیا۔ ۲/۱۔ ۲x۱۸/۱۔ ۱۱ کی تقطیع والے ۱۷۶ صفحات پر مشتمل 'گنجینہ' سجاد ظہیر کی ایماء پر قومی دارالاشاعت لاہور سے ۱۹۴۷ء کے اوائل میں شائع ہوا۔ یگانہ بمبئی میں اپنے ایک دوست ذوالفقار علی بخاری کے یہاں مقیم تھے، سجاد ظہیر نے یگانہ سے فرمائش کی کہ وہ ان کا کلیات ترقی پسند مصنفین کے قومی دارالاشاعت سے شائع کریں گے۔ یگانہ نے سجاد ظہیر کی حسبِ خواہش بمبئی ہی میں 'گنجینہ' کی ترتیب کا کام انجام دیا۔ 'گنجینہ' کے لیے یگانہ کی تصویر علی سردار جعفری نے کھنچوائی تھی جو ان کی پہلی اور آخری مسکراتی ہوئی تصویر ہے۔ بعد میں یہی تصویر نو برسوں تک یگانہ کے کلام کے ساتھ مختلف رسالوں میں شائع ہوتی رہی۔

مندرجہ بالا تیرہ کتابیں اور زائد از دو تہائی صد ہنگامہ خیز مضامین یگانہ صاحب کی کل کائنات ہیں۔ مکرر عرض کرتا ہوں کہ اگر حالات نے یگانہ کا ساتھ دیا ہوتا تو مزید ادب کے کئی ایک شہ پارے منظرِ عام پر آ کر جہان ادب کو مستفیض کرتے۔ بہر حال۔

حمد

'من عرف نفسہ عرف ربہ' (آں حضرتؐ)

(جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے
وہ بدنصیب جسے بختِ نارسا نہ ملا

(یگانہؔ چنگیزی)

نعت

اُٹھ مرے کالی کملی والے

اے آئینہ ء انوارِ ازل
اے جلوہ گہِ ہر حسنِ عمل
ہے دیر سے ٹھنڈا دل کا کنول
دیدار دکھا، پردے سے نکل

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

جانِ جہاں، مقصودِ دو عالم
فرش نشیں اور عرش کا محرم
اشرفِ انساں، افضلِ آدم
خاک کا پتلا، نورِ مجسّم

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

آشفتہ بیانی سُن تو سہی
کچھ دردِ نہانی سُن تو سہی
ہاں، میری زبانی سُن تو سہی
یہ رام کہانی سُن تو سہی

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

دیوانہ ہوں لیکن مستِ وِلا گم گشتہ ءمنزلِ سہو وخطا
کچھ دھیان نہ کر جو ہوا سو ہوا گم راہ کو شمعِ جمال دکھا

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

روشن کر دے شمعِ امید مار نہ ڈالے حسرتِ دید
جلوہ ترا سو عید کی عید دید کوئی جس کی نہ شنید

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

شمعِ جمال کے پروانے تیری طلب میں دیوانے
سنتے ہیں کیا کیا افسانے کس روپ میں تو ہے خدا جانے

میرے اندھیرے گھر کے اجالے
اُٹھ مرے کالی کملی والے

(یگانہ چنگیزی)

(سنہ ۱۹۳۱)

غزلیات

(اردو)

جب تک خلشِ دردِ خداداد رہے گی - دنیا دلِ ناشاد کی آباد رہے گی

دنیا کی ہوا راس نہ آئے گی کسی کو - ہر سر میں ہوائے عدم آباد رہے گی

جو خاک کا پتلا وہی صحرا کا بگولا - مٹنے پہ بھی اک ہستیِ برباد رہے گی

چونکا اگر رہ رہ کے تو غفلت کا مزہ کیا؟ - ساتھ اپنے اجل صورتِ ہمزاد رہے گی

روح اپنی ہے بیگانۂ جنت و دوزخ - گم ہو کے ہر اک قید سے آزاد رہے گی

کہاں وسعتِ زنجیر تک آزاد بھی ہوں میں - ہستی مری مجموعۂ اضداد رہے گی

دل یاورِ دیگر تماشائے ادب گاہِ قفس میں - شاید یہ زبانِ تشنۂ فریاد رہے گی

شیطان کا شیطان فرشتے کا فرشتہ - انسان کی یہ بوالعجبی یاد رہے گی

ہر شام ہوئی صبح کو اک خوابِ فراموش - دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی

شہرہ ہے یگانہ تری بیگانہ روی کا
واللہ یہ بیگانہ روی یاد رہے گی

بخطِ یگانہ

واں نقاب اٹھی کہ صبحِ حشر کا منظر کھلا
یا کسی کے حسنِ عالم تاب کا منظر کھلا
غیب سے پچھلے پہر آتی ہے کانوں میں صدا
اٹھو اٹھو رحمتِ ربِ عُلا کا در کھلا
آنکھ جھپکی تھی تصور بندھ چکا تھا یار کا
چونکتے ہی حسرتِ دیدار کا دفتر کھلا
کوئے جاناں کا سماں آنکھوں کے آگے پھر گیا
صبحِ جنت کا جو اپنے سامنے منظر کھلا
رنگ بدلا پھر ہوا کا، مے کشوں کے دن پھرے
پھر چلی بادِ صبا، پھر مے کدے کا در کھلا
حسرتِ پرواز میں پر تولتے ہیں یاں اسیر
وہ صبا مستانہ آئی، وہ چمن کا در کھلا
گر پڑے تیورا کے، آنکھوں میں اندھیرا آ گیا
واں نقابِ رخ اٹھی یاں رازِ سر تا سر کھلا
بند آنکھیں ہو گئیں بے تاب ہو ہو کر گرے
سامنے پیاسوں کے کس نے رکھ دیا ساغر کھلا
آ رہی ہے صاف بوئے سنبلِ باغِ جناں
گیسوئے محبوب شاید میری میّت پر کھلا
چار دیوارِ عناصر پھاند کر پہنچے کہاں
آج اپنا زورِ وحشت عرشِ اعظم پر کھلا
چپ لگی مجھ کو گناہِ عشق ثابت ہو گیا
رنگ چہرے کا اڑا، رازِ دلِ مضطر کھلا

اشکِ خوں سے زرد چہرے پر ہے کیا طرفہ بہار
دیکھیے رنگِ جنوں کیسا مرے منھ پر کھلا
خنجرِ قاتل سے جنت کی ہوا آنے لگی
اور بہارِ زخم سے فردوس کا منظر کھلا
نیم جاں چھوڑا تری تلوار نے اچھا کیا
ایڑیاں بسمل نے رگڑیں صبر کا جوہر کھلا
صحبتِ واعظ میں بھی انگڑائیاں آنے لگیں
رازِ اپنی مے کشی کا کیا کہیں کیوں کر کھلا
ہاتھ الجھا ہے گریباں میں تو گھبراؤ نہ یاسؔ
بیڑیاں کیوں کر کٹیں زنداں کا در کیوں کر کھلا

❁

جلوۂ قاتل ہے کچھ ایسا میں حیراں رہ گیا
اک تڑپنے کا تھا ارماں وہ بھی ارماں رہ گیا
شکر ہے لاشہ مرا مقتل میں عریاں رہ گیا
مرحبا اے عشق، تیرے ہاتھ میداں رہ گیا
رازِ الفت داغ بن کر دل میں پنہاں رہ گیا
آہ تک میں نے نہ کی گھٹ گھٹ کے ارماں رہ گیا
تجھ سے اے اشکِ ندامت، کیا یہی امید تھی
دامنِ دل پر جو اپنے داغ عصیاں رہ گیا
انتظارِ یار میں آنکھیں کھلی ہیں رات دن
یہ وہی در ہیں کہ جن کو شوقِ مہماں رہ گیا
اہلِ محفل دید کے قابل ہے ناز اس شوخ کا
دل میں آ بیٹھا مگر آنکھوں سے پنہاں رہ گیا

زندگی بھر تک تو شرمندہ نہ تھے یاروں سے ہم
لاش اٹھانے کا مگر آخر اک احساں رہ گیا
چل رہی تھی سانس اپنی خود چھری کی طرح سے
تیغِ قاتل کا عبث گردن پہ احساں رہ گیا
مرنے والے جذبِ دل کی نارسائی دیکھ لیں
آنکھ اٹھا کر وہ سوئے گورِ غریباں رہ گیا
خاک چھانی عمر بھر کوئے بتاں میں یاسؔ نے
وائے ناکامی کہ اس پر بھی مسلماں رہ گیا

اگر اپنی چشمِ نم پر مجھے اختیار ہوتا
تو بھلا یہ رازِ الفت کبھی آشکار ہوتا
ہے تنک مزاج صیاد کچھ اپنا بس نہیں ہے
میں قفس کو لے کے اڑتا اگر اختیار ہوتا
یہ ذرا سی اک جھلک نے دل و جاں کو یہ جلایا
تری برقِ حسن سے پھر کوئی کیا دو چار ہوتا
اجی توبہ اِس گریباں کی بھلا بساط کیا تھی
یہ کہو کہ ہاتھ الجھا نہیں تار تار ہوتا
وہ نہ آتے فاتحہ کو ذرا مڑ کے دیکھ لیتے
تو ہجوم یاسؔ اتنا نہ سرِ مزار ہوتا

فکرِ انجام نہ آغاز کا کچھ ہوش رہا
چار دن تک تو جوانی کا عجب جوش رہا
میں قفس میں بھی کسی روز نہ خاموش رہا
کشمکش میں بھی طبیعت کا وہی جوش رہا

نشہء الفتِ ساقی کا عجب جوش رہا
ہولِ صحرائے قیامت بھی فراموش رہا
غیر ہوں جرعہ کشِ بزمِ تمنا افسوس
خون کے گھونٹ میں پیتا رہا، خاموش رہا
''ہیچ آفت نرسد گوشہء تنہائی را''
دشتِ غربت میں میں یہ سوچ کے روپوش رہا
موسمِ گل کی ہوا داروئے بے ہوشی تھی
سر اٹھانے کا بھی سبزے کو نہ کچھ ہوش رہا
نکہت گل کی طرح جامے سے باہر ہوں گا
فصل گل کا جو گلستاں میں یہی جوش رہا
بحرِ رحمت میں بہت ہوگا تلاطم برپا
تجھ کو اے اشکِ ندامت جو یہی جوش رہا
اپنے سر سے بھی کسی روز گزر جائے گا
آبِ شمشیر کو قاتل جو یہی جوش رہا
سایہء دامنِ قاتل میں جو نیند آئی مجھے
پھر تو کروٹ بھی بدلنے کا نہ کچھ ہوش رہا
دھوم سنتا رہا اب آتے ہیں اب آتے ہیں
حشر تک میں یونہی کھولے ہوئے آغوش رہا
دور کھنچتی ہی گئی منزلِ مقصود مگر
رہروِ عشق کی ہمت کا وہی جوش رہا
رحمتِ حق رہی ہم عاصیوں پر سایہ فگن
سر پہ چھایا ہوا اک ابرِ خطا پوش رہا
اٹھتے اٹھتے تھی وہی بزم کی مستانہ روش
چلتے چلتے بھی خمِ مے کو وہی جوش رہا

پھر گئیں آنکھیں مری کوچہء جاناں کی طرف
شکر ہے مرتے دم اتنا تو مجھے ہوش رہا

❁

سایہ اگر نصیب ہو دیوارِ یار کا
کیا مرتبہ بلند ہو اپنے مزار کا

وہ دشت ہول ناک وہ حبِ وطن کا جوش
پھر پھر کے دیکھنا وہ کسی بے دیار کا

لو دے رہی ہے شام سے آج آہِ آتشیں
شعلہ بھڑک رہا ہے دلِ داغ دار کا

تصویرِ نزع دیکھنا چاہو تو دیکھ لو
رہ رہ کے جھلملانا چراغِ مزار کا

پر تولنے لگے پھر اسیرانِ بد نصیب
شاید قریب آگیا موسم بہار کا

موئے سفید، کانپتے ہاتھ اور جامِ مے
دکھلا رہے ہیں رنگ خزاں میں بہار کا

انگڑائیوں کے ساتھ کہیں دم نکل نہ جائے
آساں نہیں ہے رنج اٹھانا خمار کا

ساقی گرا نہ دیجیو یہ جامِ آخری
دل ٹوٹ جائے گا کسی امیدوار کا

مستوں کی روحیں بھٹکیں گی اچھا نہیں ہے اب
گھِر گھِر کے آنا قبروں پر ابرِ بہار کا

دیکھو تو اپنے وحشیوں کی جامہ زیبیاں
اللہ رے حسن پیرہنِ تار تار کا

''جرمِ گزشتہ عفو کن و ماجرا مپرس''
مارا ہوا ہوں اس دلِ بے اختیار کا
دنیا سے یاس جانے کو جی چاہتا نہیں
اللہ رے حسن گلشنِ ناپائدار کا

❁

وحشت تھی، ہم تھے، سایۂ دیوارِ یار تھا
یا یہ کہو کہ سر پہ کوئی جن سوار تھا
بگڑا چمن میں کل ترے وحشی کا جب مزاج
جھونکا نسیم کا بھی اسے ناگوار تھا
لالے کا داغ دیکھ کے چتون بدل گئی
تیور سے صاف رازِ جنوں آشکار تھا
پہلے تو آنکھیں پھاڑ کے دیکھا اِدھر اُدھر
دامن پھر اک اشارے میں بس تار تار تھا
اللہ رے توڑ نیچی نگاہوں کے تیر کا
اف بھی نہ کرنے پائے تھے اور دل کے پار تھا
ٹھوکر جو آج کھائی ہے اس مستِ ناز نے
برہم ہے اب کہ بیچ میں کس کا مزار تھا
نیرنگِ حسن و عشق کی وہ آخری بہار
تربت تھی میری اور کوئی اشک بار تھا
جھک جھک کے دیکھتا ہے فلک آج تک اسے
جس سرزمیں پہ میرا نشانِ مزار تھا
لو اب کھلا، بہار کے پردے میں تھی خزاں
دھوکے کی ٹٹی یہ چمنِ روزگار تھا

ساحل کے پاس یاسؔ نے ہمت بھی ہار دی
کچھ ہاتھ پاؤں مارتا ظالم تو پار تھا

جو دل نہیں رکھتا کوئی مشکل نہیں رکھتا
مشکل نہیں رکھتا کوئی، جو دل نہیں رکھتا
کھینچے لیے جاتا ہے کہیں شوقِ شہادت
دم لینے کی تاب اب دلِ بسمل نہیں رکھتا
ہوں ریگ کی مانند شب و روز سفر میں
آوارۂ وحشت کوئی منزل نہیں رکھتا
مجبور ہوں، کیا زور چلے جوشِ جنوں سے
زنجیر کوئی پاؤں کے قابل نہیں رکھتا
کعبے سے ہو یا دَیر سے، منزل پہ پہنچ جاؤں
اک دُھن ہے تمیزِ حق و باطل نہیں رکھتا
مے خانے کو دیکھے کوئی ان آنکھوں سے غافل
اک نور کا دریا ہے کہ ساحل نہیں رکھتا
کوثر بھی کھنچ آئے تو یہ نیت نہیں بھرتی
دریائے ہوس وہ ہے کہ ساحل نہیں رکھتا
آیا نہ کوئی خواب میں بھی ملک عدم سے
افسوس کہ اتنی بھی کشش دل نہیں رکھتا
لیلی کو بھلا دیکھے گا کن آنکھوں سے مجنوں
جب طاقتِ نظارۂ محمل نہیں رکھتا
کیوں یاسؔ قفس میں بھی وہی زمزمہ سنجی
ایسا تو زمانے میں کوئی دل نہیں رکھتا

جب حسنِ بے مثال پر اتنا غرور تھا
آئینہ دیکھنا تمھیں پھر کیا ضرور تھا
چھپ چھپ کے غیر تک تمھیں جانا ضرور تھا
تھا پیچھے پیچھے میں بھی مگر دور دور تھا
ملکِ عدم کی راہ تھی، مشکل سے طے ہوئی
منزل تک آتے آتے بدن چور چور تھا
دو گھونٹ بھی نہ پی سکے اور آنکھ کھل گئی
پھر بزمِ عیش تھی نہ وہ جامِ سرور تھا
واعظ کی آنکھیں کھل گئیں پیتے ہی ساقیا
یہ جام مے تھا یا کوئی دریائے نور تھا
کیوں بیٹھے ہاتھ ملتے ہو اب، یاس کیا ہوا
اس بے وفا شباب پر اتنا غرور تھا

چلے چلو جہاں لے جائے ولولہ دل کا
دلیلِ راہِ محبت ہے فیصلہ دل کا
ہوائے کوچۂ قاتل سے بس نہیں چلتا
کشاں کشاں لیے جاتا ہے ولولہ دل کا
گلہ کسے ہے کہ قاتل نے نیم جاں چھوڑا
تڑپ تڑپ کے نکالوں گا حوصلہ دل کا
خدا بچائے کہ نازک ہے ان میں ایک سے ایک
تنک مزاجوں سے ٹھہرا معاملہ دل کا
دکھا رہا ہے یہ دونوں جہاں کی کیفیت
کرے گا ساغرِ جم کیا مقابلہ دل کا

ہوا سے وادیِ وحشت میں باتیں کرتے ہو
بھلا یہاں کوئی سنتا بھی ہے گلہ دل کا
قیامت آئی، کھلا رازِ عشق کا دفتر
بڑا غضب ہوا، پھوٹا ہے آبلہ دل کا
کسی کے ہو رہو اچھی نہیں یہ آزادی
کسی کی زلف سے لازم ہے سلسلہ دل کا
پیالہ خالی اٹھا کر لگا لیا منھ سے
کہ یاسؔ کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

❁

بستیوں کو ترے دیوانے نے ویراں سمجھا
گلشنِ دہر کو پرہول بیاباں سمجھا
کوچے کٹوا کے سرِ راہ گزر بیٹھا ہوں
خاک اڑانے سے میں اے قیس اسے آساں سمجھا
قیس و فرہاد سے پوچھے کوئی ایذائے فراق
کوئی مشکل اِسے سمجھا کوئی آساں سمجھا
سخت جانوں کو کہاں چھوڑ چلا او قاتل!
تو نے شاید کوئی دم کا ہمیں مہماں سمجھا
پھر یہ سر ہوگا نہ یہ سجدۂ شوق او کافر
آج سے تو نے اگر مجھ کو مسلماں سمجھا
کیا دل آویز ہے نظارۂ خونِ شہدا
دامنِ یار کو میں صحنِ گلستاں سمجھا
شاہدِ گل پہ کبھی آنکھ نہ ڈالی میں نے
عارضی حسن کو دو روز کا مہماں سمجھا

تھی بہر حال مجھے خاطرِ صیاد عزیز
میں نے اس کنجِ قفس کو بھی گلستاں سمجھا
کون سا راز ہے اس خاک کے پتلے سے نہاں
لیکن اپنے خطِ قسمت کو نہ انساں سمجھا
ہوش جاتے رہے ساقی انھیں آنکھوں کی قسم
گردشِ چشم کو میں گردشِ دوراں سمجھا
آپ کو جس نے محبت کی نظر سے دیکھا
ستم و لطف کو ہر طرح وہ یکساں سمجھا
وعدۂ دید کجا اور دلِ بے تاب کجا
فقط امید پہ کم بخت نے آساں سمجھا
دھوپ میں تشنۂ دیدار کھڑے ہیں لاکھوں
کوچۂ یار کو میں حشر کا میداں سمجھا
وہ زمانے کے حوادث کا اثر کیوں لیتا
شادی و غم کو جو اک خوابِ پریشاں سمجھا
زندگی کشمکشِ رنج و محن میں گزری
چار دیوارِ عناصر کو میں زنداں سمجھا
یاسؔ اچھی نہیں گستاخیِ دستِ وحشت
دامنِ یار کو کیا اپنا گریباں سمجھا

❁

اب چین گنہ گاروں کو دم بھر نہیں ملتا
پیاسے ہیں اور آبِ دمِ خنجر نہیں ملتا
خنجر انھیں ملتا ہے تو ہم کو نہیں پاتے
جب ہم کو وہ پاتے ہیں تو خنجر نہیں ملتا

اب ٹھوکریں کھانے کو بھی موجود ہے یہ سر
جھنجھلاتے ہیں کیوں آپ جو خنجر نہیں ملتا

حیران ہوں پھر قبر میں نیند آتی ہے کیوں کر
تکیہ نہیں ملتا کوئی بستر نہیں ملتا

آتی ہے نہ آئے گی کبھی نیندِ شب ہجر
جب تک ہمیں اب خاج کا بستر نہیں ملتا

آرام سے سونے کی جگہ ہے تو لحد ہے
دنیا میں تو راحت کا کوئی گھر نہیں ملتا

رستے سے پلٹ جاتی ہے موت آ کے شب ہجر
اندھیر ہے اس کو بھی مرا گھر نہیں ملتا

کسریٰ کا محل بھی ہے ہمیں قبر سے بد تر
آرام کہیں گھر کے برابر نہیں ملتا

حیران ہیں آوارۂ صحرائے محبت
اس دشت بلا میں کوئی رہبر نہیں ملتا

کیوں نقشِ قدم دیکھ کے کھاتے ہو پچھاڑیں
کیا قافلے سے کوئی بچھڑ کر نہیں ملتا

بس اِس کے سوا اور نہیں کوئی شکایت
ملتا ہے مگر دل سے ستم گر نہیں ملتا

آخر نگہِ شوق اثر کر گئی ظالم
دل تھا، کوئی پتھر نہ تھا، کیوں کر نہیں ملتا

اب زخمِ جگر کاش بگڑ جائے تو اچھا
خود چھیڑ دوں لیکن کوئی نشتر نہیں ملتا

للہ سوئے خم مجھے کروٹ ہی لوا دے
ساغر تو کوئی اے دلِ مضطر نہیں ملتا

کچھ دل کی لگی اور بھڑک جاتی ہے ساقی
ملتا بھی ہے اک جام تو بھر کر نہیں ملتا
کیوں یاسؔ یونہی دور سے منھ تکتے رہو گے
بے مانگے تو اس بزم میں ساغر نہیں ملتا
انساں کو رہے حفظ مراتب کا بھی کچھ دھیان
کیوں اس سے ملو یاسؔ جو جھک کر نہیں ملتا

دل بے تاب کو کب وصل کا یارا ہوتا
شادیِ دولتِ دیدار نے مارا ہوتا
شبِ غم زہر ہی کھانے کا مزہ تھا ورنہ
انتظارِ سحرِ وصل نے مارا ہوتا
شبِ ہجراں کی بلا ٹالے نہیں ٹلتی ہے
بھور کر دیتے اگر زور ہمارا ہوتا
آئی جس شان سے مدفن میں سواری میری
دیکھتے غیر تو مرنا ہی گوارا ہوتا
کیوں نہ سینے سے لگی رہتی امانت تیری
داغِ دل کیوں نہ ہمیں جان سے پیارا ہوتا
سر جھکائے تری امید پہ بیٹھے ہیں ہم
قاتل اس بارِ امانت کو اتارا ہوتا
ایک ہو جاتی ابھی کافر و دیں دار کی راہ
اگر ان جُٹی بھووں کا اک اشارہ ہوتا
بھیگتی جاتی ہے رات اور ابھی صحبت ہے گرم
جام لب ریز اسی عالم میں ہمارا ہوتا

نگہِ لطف سے محروم ہوں اب تک ساقی
صف آخر کی طرف بھی اک اشارا ہوتا

دور سے ساغر و مینا کو کھڑا تکتا ہوں
دل کوئی رکھتا تو مجھ کو بھی پکارا ہوتا

دور اتنی نہ کبھی کھنچتی عدم کی منزل
کاش کچھ نقش قدم کا ہی سہارا ہوتا

یاسؔ اب آپ کہاں اور کہاں بانگِ جرس
کون اس وادیِ غربت میں تمھارا ہوتا

دیکھتے رہ گئے یاسؔ آپ نے اچھا نہ کیا
ڈوبتے وقت کسی کو تو پکارا ہوتا

صورتِ ظاہری اک پردۂ تاریک تھی یاسؔ
حسنِ معانی کا کن آنکھوں سے نظارا ہوتا

روشن تمام کعبہ و بت خانہ ہوگیا
گھر گھر جمالِ یار کا افسانہ ہوگیا

صورت پرست کب ہوئے معنی سے آشنا
عالم فریبِ طور کا افسانہ ہوگیا

چشمِ ہوس ہے شیفتۂ حسنِ ظاہری
دلِ آشنائے معنیِ بیگانہ ہوگیا

اعجازِ عشق دیکھو، وہی پُر غبارِ دل
آئینہ دارِ جلوۂ جانانہ ہوگیا

پرچھاواں اپنا مجھ پہ نہ ڈالیں جناب عشق
جس گھر میں جلوہ گر ہوئے ویرانہ ہوگیا

آساں نہیں ہے آگ میں دانستہ کودنا
دیوانہ شوقِ وصل میں پروانہ ہوگیا
کیفیتِ حیات تھی دم بھر کی میہماں
لب ریز پیتے ہی مرا پیمانہ ہوگیا
اشکوں سے جام بھر گئے ساقی کی یاد میں
کچھ تو مآلِ مجلسِ رندانہ ہوگیا
دیر و حرم بھی ڈھہ گئے جب دل نہیں رہا
سب دیکھتے ہی دیکھتے ویرانہ ہوگیا
کل کی ہے بات جوش پہ تھا عالمِ شباب
یادش بخیر،آج اک افسانہ ہوگیا
زنجیر پھر ہلا دی نسیمِ بہار نے
پھر باہر آپ سے ترا دیوانہ ہوگیا
آئینہ دیکھتا ہے گریباں کو پھاڑ کر
وحشی اب اپنا آپ ہی دیوانہ ہوگیا
کیا جانے آج خواب میں کیا دیکھا یاسؔ نے
کیوں چونکتے ہی آپ سے بیگانہ ہو گیا

برغزلِ غالبؔ

پیش خیمہ موت کا خوابِ گراں ہو جائے گا
سیکڑوں فرسنگ آگے کارواں ہو جائے گا
قالبِ خاکی کہاں تک ساتھ دے گا روح کا
وقت آ جانے دو اک دن امتحاں ہو جائے گا

چپکے چپکے ناصحا، پچھلے پہر رو لینے دے
کچھ تو ظالم، چارۂ دردِ نہاں ہو جائے گا
شب کی شب مہماں ہے یہ ہنگامۂ عبرت سرا
صبح تک سب نقشِ پائے کارواں ہو جائے گا
چشمِ نامحرم کجا اور جلوۂ محشر کجا
پردۂ عصمت وہاں بھی درمیاں ہو جائے گا
اشک ٹپکے یا نہ ٹپکے دل بھر آئے گا ضرور
آہ کرنے دیجیے آپ امتحاں ہو جائے گا
سایۂ دیوار سے لپٹے پڑے ہو خاک پر
اٹھ چلو ورنہ وہ کافر بدگماں ہو جائے گا
یاسؔ اس چرخِ زمانہ ساز کا کیا اعتبار
مہرباں ہے آج، کل نامہرباں ہو جائے گا

❁

آپ سے آپ عیاں شاہدِ معنی ہوگا
ایک دن گردشِ افلاک سے یہ بھی ہوگا
آنکھیں بنوایئے پہلے ذرا اے حضرت قیس!
کیا انھیں آنکھوں سے نظارۂ لیلی ہوگا
خلوتِ خاص کجا اور کجا اہلِ ہوس
وعدۂ دید فقط بہرِ تسلی ہوگا
شوق میں دامنِ یوسف کے اڑیں گے ٹکڑے
دستِ گستاخ سے کیا دور ہے، یہ بھی ہوگا
لاکھوں اس حسن پہ مر جائیں گے دیکھا دیکھی
کوئی غش ہوگا کوئی محوِ تجلی ہوگا

حسن ذاتی بھی چھپائے سے کہیں چھپتا ہے
سات پردوں سے عیاں شاہدِ معنی ہوگا

اپنی اپنی سب اسیرانِ قفس گاتے ہیں کیوں
فصلِ گل آئی تو کیا حکمِ رہائی ہوگا

ہوش اڑیں گے جو زمانے کی ہوا بگڑے گی
چار ہی دن میں خزاں گلشنِ ہستی ہوگا

داغِ احباب مرا ساتھ نہ چھوڑے گا کبھی
ہو نہ ہو گوشۂ دل میں کہیں مخفی ہوگا

چشمِ خوں بار سے شرما گئی ساون کی جھڑی
مگر اے چرخ ترا دل کبھی خالی ہوگا

اور امڈے گا دلِ زار جہاں تک چھیڑو
یہ بھی کیا کوئی خزانہ ہے کہ خالی ہوگا

دل ہے اک جامِ خدا ساز پُر از کیفیت
شادی و غم سے کسی حال نہ خالی ہوگا

دل دھڑکنے لگا پھر صبحِ جدائی آئی
پھر وہی درد وہی پہلوے خالی ہوگا

کالے کوسوں نظر آتی ہے عدم کی منزل
دوشِ احباب پہ مردہ مرا بھاری ہوگا

یہ تو فرمائیے کیا ہم میں رہے گا باقی
دل اگر دردِ محبت سے بھی خالی ہوگا

ایک چلّو سے بھی یاسؔ رہوگے محروم
بزمِ مے ہے تو کوئی صاحبِ دل بھی ہوگا

اجل کو کیا خبر دل میں اسیروں کے جو ارماں تھا
نکلتے پیٹھتے دن تھے، بہار آنے کا ساماں تھا
نگاہِ واپسیں نے کیا بھیانک سین دیکھے ہیں
تمام اک ہو کا عالم تھا بیاباں ہی بیاباں تھا
بہت تڑپی بہت شرمائی روح اس وقت اے قاتل
لہو اپنا ترے دامن سے جب دست و گریباں تھا
وہی سر ہے کہ اب سنگِ حوادث کا نشانہ ہے
یہی سر تھا کہ جس پر سایۂ دیوارِ جاناں تھا
ذری خاطر نہ کی افسوس، ظالم فاقہ مستوں نے
شباب ان مفلسوں کا کیا کوئی ناخواندہ مہماں تھا
قفس کا در کھلا لیکن کسے ہے رخصتِ پرواز
خیال خام تھا، دل میں اسیروں کے جو ارماں تھا
نہ پوچھو ڈھونڈتے ہی ڈھونڈتے حیراں ہوئیں آنکھیں
عدم کا قافلہ تھا یا کوئی خوابِ پریشاں تھا
سہانی[1] چھاؤں تاروں کی، وہ سناٹا، وہ محویت
مری جاں یاد آیا ہے کہ شب کی شب تو مہماں تھا
کہاں ممکن تھی جیتے جی یہ سیرِ عالمِ بالا
طلسماتِ عناصر یاسؔ اک تاریک زنداں تھا

[1] ممکن ہے معترض یہاں دھوکہ کھا جائے۔ یاس

نقاب ان کا الٹنا، وحشیوں کی رت[1] بدل جانا
گریباں پھاڑ لینا اور صحرا کو نکل جانا
نہیں معلوم کیا جادو بھرا تھا چشمِ پرفن میں
پلٹ کر دیکھ لینا اور فریبِ حسن چل جانا

غرورِ حسن، کیا کہنا ترے اس ناز بے جا کا
کسی محوِ طلب کو دیکھ کر تیور بدل جانا
تماشائے چمن سے چشمِ آخر بیں کو کیا حاصل
فقط انجامِ حسرت پر کفِ افسوس مل جانا
غضب کی بولتی تصویریں ہیں یہ خاک کے پتلے
دلِ ناداں، ستم ہے اِن کی باتوں میں بہل جانا
نگاہِ واپسیں، ایسا تماشا پھر کہاں ممکن
تمام احباب کا بالیں سے ایک اک کر کے ٹل جانا
پڑا رہنا برا کیا تھا ذرا تسکین تھی دل کی
بلائے جاں ہوا بیمارا کا غش سے سنبھل جانا
دیارِ بےخودی میں ٹھوکریں کھانے دو مستوں کو
غضب ہے آپ میں آنا قیامت ہے سنبھل جانا
اسیروں کے لیے اک حسرتِ پرواز کیا کم تھی
مگر بادِ صبا کا پھر چھری کی طرح چل جانا
کسے امید تھی ظالم کہ ہوگا خاتمہ بالخیر
ترا کروٹ لوانا اور میرا دم نکل جانا
یہ سب کشتِ ہوس مٹی ہے سرسبزی سے کیا حاصل
مآل خرمنِ حسرت ہے یاسؔ آخر کو جل جانا

ا ۔ وحشیوں کی رت بدل جانا مجازاً کہا گیا ہے اور میرا تصرف ہے۔ یاسؔ

❁

عشق کا ہرگز نام نہ لیتا مجنوں عمر بھر
پھوڑتا سر کو جو سنتا کوہکن کی سرگزشت
دشت نے دامن اڑھایا، غسل شبنم نے دیا
بس یہ ہے تیرے شہیدِ بےکفن کی سرگزشت

کون اس دنیا کا قصہ کہہ سکا تا انتہا
ہے ادھوری آج تک اس پیر زن کی سرگزشت

دیتی ہے وحشتِ دل پھر مجھے تعبیرِ بہار
جلوہ گر خواب میں رہنے لگی تصویرِ بہار
سلسلہ چھڑ گیا پھر دل کی گرفتاری کا
پھر نسیم آج ہلانے لگی زنجیرِ بہار
حسن اور عشق کی دنیا میں پڑے گی ہلچل
فتنہ انگیز و جنوں خیز ہے تاثیرِ بہار
تنگ آنے لگے دیوانے گریبانوں سے
کچھ تو اے دست جنوں، چاہیے تدبیرِ بہار
دوڑی جاتی ہے گھٹا سوئے چمن بادہ کشو
پردۂ غیب سے ہونے لگی تدبیرِ بہار

قفس نصیبوں کو تڑپا گئی ادائے بہار
چھری سی دل پہ چلی جب چلی ہوائے بہار
کوئی تو جرعہ کشِ جامِ ارغوانی ہو
کسی کو ہجر کے غم میں لہو رلائے بہار
ہوا میں آج کل اک دھیمی دھیمی وحشت ہے
اسی زمانے سے شاید ہے ابتدائے بہار
نسیم صحنِ چمن میں پچھاڑیں کھاتی ہیں
تو دل کو اور بھی تڑپاتی ہے ادائے بہار
قفس پہ رکھیو نہ صیاد ہار پھولوں کا
کہیں اسیروں کو ظالم نہ یاد آئے بہار

کھڑی ہوئی ہے عصا ٹیکے نرگسِ بیمار
اس انتظار میں ہے، دیکھیے کب آئے بہار
سفید بالوں پہ کیا رنگ دے رہا ہے خضاب
اب ابتدائے خزاں ہے اور انتہائے بہار
ہوا میں وحشت اور دھیمی دھیمی وحشت کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ میرا تصرف ہے۔ یاس

دیتی ہے وحشتِ دل فصلِ بہاراں کی خبر
اب کہاں وحشیوں کو جیب و گریباں کی خبر
اے نسیمِ سحری ساتھ مرا کیا دے گی
باغ سے نکلا تو لاؤں گا بیاباں کی خبر
چشمِ پُر فن نے زمانے پہ کیا وہ جادو
ہوش ہے دیں کا کسی کو نہ ہے ایماں کی خبر
گل پریشانیِ سنبل پہ ہنسا کرتے ہیں
اور رکھتے نہیں خود چاکِ گریباں کی خبر
گلشن دہر میں راحت بھی ہے اور رنج بھی ہے
دیتی ہے صبحِ وطن شامِ غریباں کی خبر

وحشتِ دل بڑھ چلی فصلِ بہاراں دیکھ کر
ہر گھڑی رہ جاتا ہوں سوئے گریباں دیکھ کر
پاؤں رکھتے ہیں کہیں، وحشت میں پڑتا ہے کہیں
سیرِ صحرا کو چلے سیرِ گلستاں دیکھ کر
جام و مینا و سبو سب خونِ دل سے بھر گئے
ہم لہو روئے جو مے خانے کو ویراں دیکھ کر

جامِ مے ہونٹوں تک اپنے آتے آتے گر گیا
رہ گئے خاموش سوئے چرخِ گرداں دیکھ کر
وصل کی شب میں جو یاد آئی مصیبت ہجر کی
چونک چونک اٹھے ہیں ہم خوابِ پریشاں دیکھ کر
گر گئی نظروں سے دنیا جب سرِ بالیں وہ آئے
پھر نہ کھولی آنکھ میں نے روئے جاناں دیکھ کر
لوگ کہتے ہیں کہ ذکرِ عیش نصفِ عیش ہے
یاد کر صبحِ وطن، شامِ غریباں دیکھ کر

برغزل جلال

اڑتے ہیں ہوش گردشِ لیل ونہار دیکھ کر
آج وہی قفس ہے پھر سیرِ بہار دیکھ کر
چونکا ہوں خواب سے ابھی محفلِ یار دیکھ کر
سکتے میں ہوں دو رنگی لیل و نہار دیکھ کر
سیرِ بہارِ آخری پھر کہیں یاد آ نہ جائے
پٹکیں گے سر قفس پہ ہم پھولوں کے ہار دیکھ کر
عالمِ شوق میں اسیر ہو گئے باہر سے آپ
چل بسے آمدِ آمدِ فصلِ بہار دیکھ کر
مستوں کی خاک کو فلک فیضِ کرم سے رکھ معاف
بھٹکے گی روح سایۂ ابرِ بہار دیکھ کر
کاش مرا چرخ زیست قبلِ سحر خموش ہو
آنکھیں نہ جانے کیا دکھائیں محفلِ یار دیکھ کر
خوب ہوا کہ اہلِ بزم پیتے ہی پیتے مر گئے
جورِ فلک اٹھاتے کیوں رنگِ خمار دیکھ کر

ہول یہی ہے ساقیا، مستوں کا دم نکل نہ جائے
صبح کو تیری آنکھ میں کیفِ خمار دیکھ کر
ایسی پلا کہ ساقیا فکر نہ ہو نجات کی
نشہ کہیں اتر نہ جائے روزِ شمار دیکھ کر
مرنے کے بعد بھی مری پیٹھ لگی نہ قبر سے
کھاتے ہو کیوں پچھاڑیں اب سوئے مزار دیکھ کر
منظرِ یاس نے تمھیں آج لہو رلا دیا
شعلۂ دل بھڑک اٹھا شمعِ مزار دیکھ کر
آنکھیں بھی ملتے ہیں مگر سوجھتا کچھ نہیں ہے اب
چونکے ہیں خواب سے جو ہم جلوۂ یار دیکھ کر
آئینہ سکندری ،جامِ جم اور قلبِ صاف
آنکھوں سے آج گر گئے روئے نگار دیکھ کر
اہلِ ہوس کجا، کجا جلوۂ صبر آزما
تاب نہ لائے غش ہوئے آخرِ کار دیکھ کر
آبلہ پا نکل گئے کانٹوں کو روندتے ہوئے
سوجھا پھر آنکھ سے نہ کچھ منزلِ یار دیکھ کر
دیکھتے دیکھتے ہی یاسؔ بال سفید ہو چکے
چونکو ذرا دو رنگیِ لیل و نہار دیکھ کر

❁

آنکھ کا مارا مرے نزدیک آزاری نہیں ہے
اور جو سچ پوچھو تو اچھی کوئی بیماری نہیں ہے
کہہ رہا ہوں قابلِ مرہم نہیں زخمِ جگر
چارہ سازو یہ دل آزاری ہے غم خواری نہیں

پھینک دو آئینۂ دل کو جو گاہک اٹھ گئے
اب کہیں بازار میں اِس کی خریداری نہیں
کیسے کیسے رنگ لاتی ہے بہار آنے تو دو
چشمِ نرگس کی یہ عیاری ہے بیماری نہیں
دیکھتے ہی دیکھتے بدلا زمانے کا یہ رنگ
پھولوں میں خوشبو، حسینوں میں وفاداری نہیں
چھوڑ کر جائیں کہاں اب اپنے ویرانے کو ہم
کون سی جا ہے جہاں حکمِ خزاں جاری نہیں
او دلِ مضطر ٹھہر، اک آہ کی بس دیر ہے
یا ہمیں باقی نہیں یا چرخِ زنگاری نہیں
صبر کہتا ہے کہ رفتہ رفتہ مٹ جائے گا داغ
دل یہ کہتا ہے کہ بجھنے کی یہ چنگاری نہیں
جلوہ گر رہنے لگا چشمِ تصور میں کوئی
حضرتِ دل بے سبب راتوں کی بیداری نہیں
عالمِ رویا میں اپنے پاس آیا ہے کوئی
او دلِ وحشی ٹھہر، یہ وقتِ بیداری نہیں
دردِ دل صیاد کو کچھ کچھ سنایا چاہیے
گھٹ کے مرجاؤں تو پھر لطفِ گرفتاری نہیں
جھیل لیں گے ہجر کے مارے قیامت کا بھی دن
آج کی شب تو کٹے پھر کوئی دشواری نہیں
منزلِ مقصود تک اللہ پہنچائے گا یاسؔ
تھوڑی ہمت شرط ہے پھر کوئی دشواری نہیں

گلے میں بانہیں ڈالے چین سے سونا جوانی میں
کہاں ممکن پھر ایسا خواب دیکھوں زندگانی میں
دلِ بے تابِ عاشق کو جلا کر خاک کر ڈالا
اثر تھا برقِ سوزاں کا صدائے لن ترانی میں
گلے شوقِ شہادت میں ہوئے ہیں خشک او قاتل
خبر لے، بسملوں کا دم ہے اب خنجر کے پانی میں
جھکے ہیں دونوں مارے شوق کے تصویرِ ابرو پر
کہیں تلواریں کھنچ جائیں نہ اب بہزاد و مانی میں
اڑا کر خاکِ تربت لے گئی بادِ صبا آخر
پہنچنا یار تک مشکل تھا ایسی ناتوانی میں
جو رو رو کر کہا میں نے تو سمجھے تم کہ شکوہ تھا
اسی کو اپنی بیتی لوگ کہتے ہیں کہانی میں
گریباں میں منھ اپنا ڈال کر اب شب کو روتے ہیں
نہیں معلوم کیا کرتے رہے عہدِ جوانی میں
گرفتاری کو ہم بہتر سمجھتے ہیں رہائی سے
نہیں معلوم کیا دیکھا طلسمِ زندگانی میں
غنیمت جان اس کوچے میں تھک کر بیٹھ جانے کو
کسے دم بھر ملا آرام دورِ آسمانی میں
جو پہلے درد تھا اب داغ بن کر دل میں روشن ہے
بس اتنا فرق پاتا ہوں ضعیفی اور جوانی میں
تڑپ جاتے ہیں حسن و عشق کا جب نام آتا ہے
اسی سے بس سمجھ لو یاس کیا ہوں گے جوانی میں

بر غزل آتش

خدا معلوم کیسا سحر تھا اس بت کی چتون میں
چلی جاتی ہیں اب تک چشمکیں شیخ و برہمن میں
چھپیں گے کیا اسیرانِ بلا صحرا کے دامن میں
محبت دام کی پھر کھینچ کر لائے گی گلشن میں
حجاب اٹھا، زمیں سے آسماں تک چاندنی چھٹکی
گہن میں چاند تھا جب تک چھپے بیٹھے تھے چلمن میں
کنکھیوں سے جو ہم کو بزم میں تم دیکھ لیتے ہو
کھٹک جاتے ہیں کانٹے کی طرح ہم چشمِ دشمن میں
کنارِ آب جو بیٹھے ہیں مست نکہت ساغر
نظر سوئے فلک اور ہاتھ ہے مینا کی گردن میں
گلا گھٹنے لگا اب تنگ آ گیا ہوں گریباں سے
جنوں نے واہ کیا پھانسی لگائی میری گردن میں
بتاؤ سیرِ صحرا کی کوئی تدبیر وحشی کو
گریباں میں تو ہاتھ الجھا، پھنسا ہے پاؤں دامن میں
ملا دے خاک میں اے چرخ اس اجڑے ہوئے گھر کو
کہ اپنی روح تک بے چین ہے اب خانۂ تن میں
تھکے ماندے سفر کے، سو رہے ہیں پاؤں پھیلائے
یہ سب مر مر کے پہنچے ہیں بڑی مشکل سے مدفن میں
جو ہر دم جھانکتے تھے روزنِ دیوارِ زنداں سے
انھیں پھر چین آیا کس طرح تاریک مدفن میں
کجا موسیٰ، کجا مقصودِ سبحان الّذی اسریٰ
رگڑ کر ایڑیاں بس رہ گئے وادیِ ایمن میں
حجابِ نازِ بے جا یاسؔ جس دن بیچ میں آیا
اسی دن سے لڑائی ٹھن گئی شیخ و برہمن میں

کچھ زرد زرد پتے نشاں جو خزاں کے ہیں
نیرنگِ دل فریب یہ سب آسماں کے ہیں
اک آگ سی لگی ہے زمانے میں ہر طرف
کیا جانے زمزمے یہ کس آتش زباں کے ہیں
ہم دل جلوں کو حزن و الم سے ہے سوز و ساز
انداز زمزموں میں بھی آہ و فغاں کے ہیں
یہ بھی تو ہیں خراب اسی چشمِ مست کے
پرہیزگار حضرتِ واعظ کہاں کے ہیں
اٹھ اٹھ کے بیٹھ جاتا ہے بانگِ جرس پہ دل
دیکھ اے فلک، یہ حوصلے اس ناتواں کے ہیں
گزرے ہوئے زمانے کی اب یاد کیا ضرور
چرچے قفس نصیبوں میں کیوں آشیاں کے ہیں

❁

یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں
یادش بخیر، بیٹھے تھے کل آشیانے میں
صدمے دیے تو صبر کی دولت بھی دے گا وہ
کس چیز کی کمی ہے سخی کے خزانے میں
غربت کی موت بھی سببِ ذکرِ خیر ہے
گر ہم نہیں تو نام رہے گا زمانے میں
دم بھر میں اب مریض کا قصہ تمام ہے
کیوں کر کہوں، یہ رات کٹے گی فسانے میں
نکلی اب اپنی روح طلسمِ کثیف سے
ہیں جلوہ گر ہم آج اک آئینہ خانے میں

ساقی میں دیکھتا ہوں زمیں آسماں کا فرق
عرشِ بریں میں اور ترے آستانے میں

کیا مے کدے کی آب وہوا راس آ گئی
مر کر بھی دفن ہیں ہم اسی آستانے میں

دل میں بہارِ چہرۂ رنگیں کا دھیان ہے
یا جلوۂ بہشت ہے آئینہ خانے میں

اب کیا چھڑاؤ گے اس اسیرِ ہوس کو تم
زلفوں سے دل نکل کے پھر اٹکے گا شانے میں

فصلِ شباب آتے ہی دیوانے بن گئے
کیا کیا نہ سانگ لاتے ہیں لوگ اس زمانے میں

دیواریں پھاند پھاند کے دیوانے چل بسے
خاک اڑ رہی ہے چار طرف قید خانے میں

صیاد اس اسیری☆ پہ سو جاں سے میں فدا
دل بستگی قفس کی کہاں آشیانے میں

رہ رہ کے جیسے کان میں کہتا ہے یہ کوئی
ہوں گے قفس میں کل جو ہیں آج آشیانے میں

ہم ایسے بد نصیب کہ اب تک نہ مر گئے
آنکھوں کے آگے آگ لگی آشیانے میں

دیوانے بن کے ان کے گلے سے لپٹ بھی جاؤ
کام اپنا کر لو یاسؔ بہانے بہانے میں

☆اسیری کی 'ی' اصلی نہیں ہے۔ لہٰذا گرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں نے یہ پابندی اپنے اوپر لازم نہیں کی ہے، نہ اساتذہ نے اس کی پابندی کی ہے۔ یاس

ساقیا، آج یہ کیا ظلم و ستم دیکھتے ہیں
پہلوے خم میں ہیں غیر، آنکھ سے ہم دیکھتے ہیں
اپنے دامن سے وہ ساغر کو چھپا کر دینا
ساقیا، ہم تو یہ اندازِ کرم دیکھتے ہیں
کیا ہوا چلتی ہے مے خانے میں سبحان اللہ
ہر طرف چھایا ہوا ابرِ کرم دیکھتے ہیں
طرفہ کیفیت اٹھاتے ہیں خرابات میں رند
نشے میں سیرِ گلستانِ ارم دیکھتے ہیں
سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں کس شوق سے رند
جام پر گردنِ مینا کو جو خم دیکھتے ہیں
ہے جہاں یادِ خدا دل میں وہیں یادِ صنم
ایک جا کیفیتِ دیر و حرم دیکھتے ہیں
جلوہ گر چشمِ تصور میں ہے نیرنگِ جہاں
دل میں ہم کیفیتِ ساغرِ جم دیکھتے ہیں
خاک اڑانے پہ جو ہنستے تھے ترے کوچے میں
اب وہ جنت میں مرا جاہ و حشم دیکھتے ہیں
جلوۂ شاہدِ مقصود نظر آتا ہے
جس گھڑی چہرۂ زیبائے صنم دیکھتے ہیں
بزم میں بھولے سے لڑ جاتی ہے جس وقت نظر
وہ ہمیں دیکھتے ہیں اور انھیں ہم دیکھتے ہیں
وائے حسرت کہ شبِ وصل بھی جاگے نہ نصیب
بے خبر سوتے ہیں وہ، آنکھ سے ہم دیکھتے ہیں
دل دھڑکتا ہے کہ دم بھر میں اسے بھی ہے زوال
سر پہ جب سایۂ دیوارِ صنم دیکھتے ہیں

روح گھبراتی ہے جب موت کا دھیان آتا ہے
چونک چونک اٹھتے ہیں جب خوابِ عدم دیکھتے ہیں
آخری وقت ہے اور گور میں لٹکائے ہیں پاؤں
منزلِ عمر کو اب زیرِ قدم دیکھتے ہیں
کیا دبے پاؤں نکل جاتا ہے یہ عہدِ شباب
پیر جھک جھک کے عبث نقشِ قدم دیکھتے ہیں
لے اڑی نکہتِ مے بادہ کشوں کو ساقی
فرش سے عرش تک اب زیرِ قدم دیکھتے ہیں
ہاتھ بڑھتا نہیں تقدیر کی کوتاہی سے
آخری جام ہے اور دور سے ہم دیکھتے ہیں
گلشنِ دہر ہے یا کوئی طلسمِ حیرت
شادی و غم کو جہاں یاسؔ بہم دیکھتے ہیں

❁

شکوۂ دردِ جگر اے مہرباں، کیوں کر کریں
آپ سن کیوں کر سکیں گے اور ہم بیاں کیوں کر کریں
اپنی بیتی پھر سنائیں گے کبھی اے مہرباں!
شب کی شب میں ختم ساری داستاں کیوں کر کریں
سیکروں ہی فتنۂ خوابیدہ جاگ اٹھیں گے پھر
نیند سے چونکا کے ان کو سرگراں کیوں کر کریں
پھر گیا تلوار کا منھ تھم گئے بازوئے دوست
کیوں اجل اس کی تلافی سخت جاں کیوں کر کریں
آتی ہے پچھلے پہر بس دل دھڑکنے کی صدا
رازدارانِ وفا آہ و فغاں یوں کر کریں

پھاندنا دیوارِ جنت کا تو آساں ہے مگر
آپ کے دل میں جگہ اے مہرباں، کیوں کر کریں

انقلابِ دہر نے آنکھوں کو اندھا کر دیا
آخر اب نظارۂ فصلِ خزاں کیوں کر کریں

ناتوانی کا برا ہو، آہ کر سکتے نہیں
کیوں فلک،اے جذبِ دل کا امتحاں کیوں کر کریں

اس طلسمِ دہر میں سر بھی اٹھا سکتے نہیں
کشمکش میں سیرِ نیرنگِ جہاں کیوں کر کریں

سر پٹکتے ہیں عبث نقشِ قدم پر دیر سے
آبلہ پا جستجوئے کارواں کیوں کر کریں

ہوش میں پھر کون تھا جب درد کا ساغر چلا
آخر شب کی وہ کیفیت بیاں کیوں کر کریں

ہاتھ پھیلایا نہ جائے گا بھری محفل میں آج
صبر کی دولت کو ساقی رائگاں کیوں کر کریں

جھوم کر اٹھتے ہیں لیکن پھر سنبھل جاتے ہیں مست
سامنا ساقی کا ہے گستاخیاں کیوں کر کریں

پھاڑے کھاتی ہے ہمیں یہ ملگجی پوشاک یاسؔ
جامۂ تن کی بتاؤ دھجیاں کیوں کر کریں

❁

پچھلے کو اٹھ کھڑا نہ ہو دردِ جگر کہیں
پہنچے نہ اڑتے اڑتے کہیں سے خبر کہیں

کیفیتِ حیات سے خالی ہوا ہے دل
او ساقیِ ازل، مرا پیمانہ بھر کہیں

مر جائیں گے تڑپ کے اسیرانِ بدنصیب
سن پائیں گے جو مژدۂ وحشت اثر کہیں

پھڑکا کیے مرقعِ عالم کے حسن پر
ٹھہری کبھی نہ اہل ہوس کی نظر کہیں

آکر حجاب و شرم کی حد بھی ہے مہرباں
پردہ الٹ نہ دے مری آہِ سحر کہیں

دن وعدۂ وصال کا نزدیک آ چکا
پھر دیر کیا ہے یاسؔ ارے کمبخت مر کہیں

❁

کیسی کیسی بستیاں دو دن میں ویراں ہو گئیں
دیکھتے ہی دیکھتے گردِ پریشاں ہو گئیں

شغلِ مے کب تک یہ ساقی آنکھیں جھک آئیں بہت
رات بھیگی اور زلفیں بھی پریشاں ہو گئیں

پھرتی ہیں آنکھوں میں ساقی شب کی وہ کیفیتیں
دیکھتے ہی دیکھتے خوابِ پریشاں ہو گئیں

طاقت مجنوں کجا، نظارۂ لیلی کجا
پردۂ محمل اٹھا اور آنکھیں حیراں ہو گئیں

عرصۂ قیدِ حیات اب وحشیوں پر تنگ ہے
چار دیوارِ عناصر مل کے زنداں ہو گئیں

راس آئی ہے نہ آئے گی زمانے کی ہوا
یاسؔ کیا کیا صحبتیں گردِ پریشاں ہو گئیں

فکر قدیم

خزاں کے جور سے واقف کوئی بہار نہ ہو
کسی کا پیرہنِ حسن تار تار نہ ہو

برنگِ سبزۂ بیگانہ روند ڈالے فلک
مجھے، بہار بھی آئے تو سازوار نہ ہو
خزاں کے آتے ہی گلچیں نے پھیر لیں آنکھیں
کسی سے کوئی وفا کا امیدوار نہ ہو
ٹھہر ٹھہر دلِ وحشی، بہار آنے دے
ابھی سے بہرِ خدا اتنا بے قرار نہ ہو
ٹپک کے آنکھوں سے آئے لہو جو دامن تک
تو اس بہار سے بہتر کوئی بہار نہ ہو
حیا کی بات ہے اب تک قفس میں زندہ ہوں
چمن میں جاؤں تو نرگس سے آنکھ چار نہ ہو
بہار آئی ہے گھٹ گھٹ کے جان دے بلبل
قفس میں نکہتِ گل کی امیدوار نہ ہو
اشارۂ گل و بلبل پہ چشمکِ نرگس
الٰہی☆ راز کسی کا بھی آشکار نہ ہو
بچھا ہے دامِ تمنا اسیر ہو بلبل
قفس کی یاد میں اس طرح بے قرار نہ ہو
اسیرِ دام نہ ہونا ذرا سنبھل اے دل
خیالِ گیسوئے پرخم گلے کا ہار نہ ہو
جو دیکھ لے مجھے ساقی نشیلی آنکھوں سے
یہ مست پھر کبھی شرمندۂ خمار نہ ہو
عبث ہے ذکرِ شرابِ طہور او واعظ
وہ بات کر جو کسی دل کو ناگوار نہ ہو
وصال جب نہیں ممکن تو دل پہ جبر اچھا
وہ کیا کرے جسے دل ہی پر اختیار نہ ہو

وہ تیر کیا جو کسی کو نہ کر سکے بسمل
نگاہِ ناز وہ کیا ہے جو دل کے پار نہ ہو
مزاج یار مکدر نہ ہونے پائے یاسؔ
بلند دامنِ زیں سے مرا غبار نہ ہو

☆میں نے بھی مثل اساتذۂ سابق کے اس کی پابندی نہیں کی ہے۔ یاسؔ

پیری ہے، قبر اے دلِ مضطر قریب ہے
مرتا تھا جس کے شوق میں وہ گھر قریب ہے
پھیلا کے پاؤں سوئیں گے تربت میں آج ہم
بس اب سفر تمام ہوا، گھر قریب ہے
الٹی ہوا زمانے میں چلتی ہے آج کل
آثار کہہ رہے ہیں کہ محشر قریب ہے
سچ پوچھیے تو وہ رگِ گردن سے ہے قریب
پر کس طرح بتاؤں کہ کیوں کر قریب ہے
منھ ان کے منھ کے پاس ہے دل کو سوا ہے شوق
پیاس اور بڑھ گئی ہے جو کوثر قریب ہے
کیا جانے ہم تک آئے گا محفل میں یا نہیں
اتنا تو دیکھتے ہیں کہ ساغر قریب ہے
پاسِ ادب سے جاتے ہیں اب یاسؔ سر کے بل
شاید کہ آستانۂ دلبر قریب ہے

بر غزل داغ

دردِ دل روئیں کس امید پہ بیگانے سے
صبح ہونے کی نہیں یاس اس افسانے سے
کوئی اتنا بھی نہیں آپ سے غیبت ہی کرے
کانٹے پڑتے ہیں زباں میں مرے افسانے سے
دستِ گستاخ سے ممکن نہیں آرائشِ حسن
گیسوئے یار سنورنے کے نہیں شانے سے
دامنِ بادِ بہاری ہے گریباں پہ نثار
آتی ہے بوئے محبت ترے دیوانے سے
پھر وہی کوچہ، وہی در، وہی سودا، وہی سر
کھینچ لایا ہے یہ دل پھر مجھے ویرانے سے
آج ہی چھوٹے جو کل چھٹتا ہو یہ دیرِ خراب
وحشت آبادِ جہاں کم نہیں ویرانے سے
ہوسِ عالمِ بالا نے کیا ہے دل تنگ
روح گھبرا گئی اب جسم کے کاشانے سے
اپنی پرچھائیں سے دیوانوں کو نفرت ہی رہی
جیتے جی نکلے نہ زنداں کے سیہ خانے سے
حسنِ معنی کے جو شیدا ہیں، ادھر کیا دیکھیں
صورت آبادِ جہاں کم نہیں ویرانے سے
جانِ من، معرفت اس حسن کی آسان نہیں
داد کیا چاہتے ہو تم کسی بیگانے سے
کیفیت سے کبھی خالی نہیں دل مستوں کا
ہو بہو ملتا ہے ساقی ترے پیمانے سے

ساقیا، دل کی ہوس مٹ نہ سکی پیری میں
پیاس بجھتی نہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
آگ میں کود پڑا دل کی لگی وہ شے ہے
آتشِ شوق کو پوچھے کوئی پروانے سے
اور پردے کی ملاقات کرے گی اندھیر
شمع کیوں چھپتی ہے فانوس میں پروانے سے
ناصحا! ہے کوئی ایسا کہ سنبھالے مجھ کو
لڑ گئی آنکھ مری پھر کسی مستانے سے
دور سے دیکھنے کے یاسؔ گنہگار ہیں ہم
آشنا تک نہ ہوئے لب کبھی پیمانے سے
جامِ لب ریز ہوا ہے کسی مہجور کا آج
بوئے خوں آتی ہے ساقی ترے پیمانے سے
پہلے سرگوشیاں تھیں چھا گیا اب سناٹا
بزم میں صبح ہوئی یاسؔ کے افسانے سے
مسندِ آتشِ مغفور مبارک ہو یاسؔ
آئے سناٹے میں غالبؔ ترے افسانے سے

برغزل شیدیؔ

آ رہی ہے یہ صدا کان میں ویرانوں سے
کل کی ہے بات کہ آباد تھے دیوانوں سے
لے چلی وحشتِ دل کھینچ کے صحرا کی طرف
ٹھنڈی ٹھنڈی جو ہوا آئی بیابانوں سے
پاؤں پکڑے نہ کہیں کوچۂ جاناں کی زمیں
خاک اڑاتا جو نکل آؤں بیابانوں سے

تنکے چن جا کے کسی کوچے میں او دستِ جنوں!
کیوں الجھتا ہے عبث چاک گریبانوں سے
آج ہی کل میں ہے چلنے کو نسیمِ وحشت
تنگ آنے لگے دیوانے گریبانوں سے
لڑکھڑا کر ذرا کاندھے پہ سہارا جو کیا
ہاتھ کٹوائے ہیں ظالم نے مرے شانوں سے
چور تھے نشے میں اور رات بھی آئی تھی بہت
ہو گئے اور وہ غافل مرے افسانوں سے
زمزموں سے مرے ہل جائے نہ صیاد کا دل
چوٹ آئے نہ کہیں درد کے افسانوں سے
چارہ گر قابلِ مرہم نہیں اب زخمِ جگر
بس مرے دوست میں باز آیا ان احسانوں سے
جامِ لب ریز ہوا ہے کسی مہجور کا آج
بوئے خوں آتی ہے ساقی مجھے پیمانوں سے
نہیں معلوم ان آنکھوں کا اشارہ کیا تھا
جنگ پر تل گئے کفار مسلمانوں سے
چلتے چلتے تو گلے شمع سے مل لیں اٹھ کر
اب سحر ہوتی ہے کہہ دے کوئی پروانوں سے
آنکھ اٹھا کر نہ کسی سمت قفس دیکھا
موسمِ گل کی خبر سنتے رہے کانوں سے
کیا کوئی پوچھنے والا بھی اب اپنا نہ رہا
دردِ دل رونے لگے یاسؔ جو بیگانوں سے

برگشتہ اور وہ بتِ بے پیر ہو نہ جائے
الٹی کہیں دعاؤں کی تاثیر ہو نہ جائے
دل جل کے خاک ہوتو پھر اکسیر ہو نہ جائے
جاں سوز ہوں جو نالے تو تاثیر ہو نہ جائے
کس سادگی سے مجرموں نے سر جھکا لیا
مجوب کیوں وہ مالکِ تقدیر ہو نہ جائے
دستِ دعا تک اٹھ نہ سکے فرطِ شرم سے
یارب کسی سے ایسی بھی تقصیر ہو نہ جائے
مستوں کی ٹھوکر اور مرا سر ہے ساقیا!
دشمن کسی کا یوں فلکِ پیر ہو نہ جائے
اٹھنے ہی کو ہے بیچ سے پردہ حجاب کا
محفل تمام عالمِ تصویر ہو نہ جائے
غفلت نہ کیجیو کبھی قاتل کی یاد میں
اے دل کوئی کمی تہِ شمشیر ہو نہ جائے
بیٹھا ہے لو لگائے کوئی تیغِ ناز سے
قاتل، کسی کے کام میں تاخیر ہو نہ جائے
جلدی سبو کو توڑ کے ساغر بنا لے اب
ساقی اس امرِ خیر میں تاخیر ہو نہ جائے
نالوں نے زور باندھا ہے پھر پچھلی رات سے
اے چرخ، چلتے چلتے کوئی تیر ہو نہ جائے
دل سے بہت شکایتیں کرتے ہو یار کی
دیکھو، قلم سے کچھ کبھی تحریر ہو نہ جائے
سیرِ چمن سے دل نہ لگاؤ، چلے چلو
فصلِ بہار پاؤں کی زنجیر ہو نہ جائے

انجام کار پر نہیں کچھ اختیار یاسؔ
تقدیر سے خجل مری تدبیر ہو نہ جائے

❁

التجاؤں سے ہوا کچھ نہ مناجاتوں سے
نہیں معلوم پسیجیں گے وہ کن باتوں سے

ق

صبر سے کام لو، الفت میں جو ناکام رہے
آبروعشق کی اب کھوتے ہو کیوں باتوں سے
جو کہیں ڈوب مرے اور بھی ہوگے رسوا
منع کرتے تھے اسی دن کو بری باتوں سے
گر کے جب ٹوٹ گیا آنکھوں کے آگے ساغر
ہم وہیں بیٹھ گئے تھام کے دل ہاتوں سے
اہلِ مرقد پہ یہ سختی ہے نہ بیماروں پر
ہجر کی رات کٹھن ہوتی ہے سب راتوں سے
بے نیازی کی کوئی حد بھی ہے آخر کب تک
ہاتھ اٹھاؤ بھی کہیں یاسؔ مناجاتوں سے

❁

آنکھ دکھلانے لگا ہے وہ فسوں ساز مجھے
کہیں اب خاک نہ چھنوائے یہ انداز مجھے
کیسے حیراں تھے تم آئینے میں جب آنکھ لڑی
آج تک یاد ہے اس عشق کا آغاز مجھے
سامنے آ نہیں سکتے کہ حجاب آتا ہے
پردۂ دل سے سناتے ہیں وہ آواز مجھے

تیلیاں توڑ کے نکلے سب اسیرانِ قفس
مگر اب تک نہ ملی رخصتِ پرواز مجھے
پر کتر دے ارے صیاد چھری پھیرنا کیا
مار ڈالے گی یونہی حسرتِ پرواز مجھے
زیرِ دیوارِ صنم قبر میں سوتا ہوں فلک
کیوں نہ ہو طالعِ بیدار پر اب ناز مجھے
بے دھڑک آئے نہ زنداں میں نسیمِ وحشت
مست کر دیتی ہے زنجیر کی آواز مجھے
پردۂ ہجر وہی ہستی موہوم تھی یاسؔ
سچ ہے، پہلے نہیں معلوم تھا یہ راز مجھے

بر غزلِ غالبؔ

یار کی تصویر ہی دکھلا دے اے مانی مجھے
کچھ تو ہو اس نزع کی مشکل میں آسانی مجھے
اف بھی کر سکتا نہیں اب کروٹیں لینا کجا
زخمِ پہلو سے ہے وہ تکلیفِ روحانی مجھے
زاہدِ مغرور رونے پر مرے ہنستا ہے کیا
بخشوائے گا یہی اشکِ پشیمانی مجھے
دل کو اس پردہ نشیں سے غائبانہ لاگ ہے
کھینچ لے گا اک نہ اک دن جذبِ روحانی مجھے
یارب، آغازِ محبت کا بخیر انجام ہو
دل لگا کر ہو رہی ہے کیا پشیمانی مجھے
لو لگی ہے یار سے، اپنی طرف کھینچے گا کیا
جلوۂ نقش و نگارِ عالمِ فانی مجھے

وحشیوں کے واسطے قیدِ لباس اچھی نہیں
زیب دیتا ہے یہی تشریفِ عریانی مجھے
جوشِ وحشت میں زمیں پر پاؤں پڑنے کا نہیں
لے اڑے گی نکہتِ گل کی پریشانی مجھے
خاک ہوجانے پہ بھی ممکن نہ ہوگا دسترس
ہاتھ ملوائے گی تیری پاک دامانی مجھے
درد کا ساغر بھی ساقی میری قسمت میں نہ تھا
شوق میں کرنا پڑا آخر لہو پانی مجھے
مردِ جاہل ہوں، کجا میں اور کجا اہلِ کمال
یاسؔ کیا معلوم اندازِ غزل خوانی مجھے

❁

کام دیوانوں کو شہروں سے نہ بازاروں سے
مست ہیں عالمِ ایجاد کے نظاروں سے
نیچی نظروں میں وہ کہتے ہیں گنہگاروں سے
بچ کے جاؤ گے کہاں ظلم کی تلواروں سے
لے گئے آئینہء دل کو حسیں ہاتھوں ہاتھ
بچ بھی سکتا تھا کہیں ایسے خریداروں سے
کیا کہوں زلفِ دل آویز میں کیسی تھی کشش
پوچھو اس دامِ تمنا کے گرفتاروں سے
زلفیں بل کھاتی ہیں یا جھومتی ہے کالی گھٹا
بارشِ نور ہے ہر سو ترے رخساروں سے
واں نقاب اٹھی یہاں چاندنی نے کھیت کیا
کٹ گئی ظلمتِ شب چاند سے رخساروں سے

دیکھتا رہ گیا آئینہ کسی کی صورت
زلفیں اٹھکھیلیاں کرتی رہیں رخساروں سے

دیکھیں کس طرح بسر ہوتے ہیں ایامِ جنوں
یاں تو ہے سامنا ہر دم انھیں غم خواروں سے

ہاتھ الجھا ہے گریباں میں، کھڑے دیکھتے ہیں
اور امید کوئی کیا کرے غم خواروں سے

کششِ دشت بلا، حبِ وطن دامن گیر
آج گھر چھٹتا ہے پہلے پہل آواروں سے

مرتے دم تک تری تلوار کا دم بھرتے رہے
حق ادا ہو نہ سکا پھر بھی وفاداروں سے

بے دھڑک پچھلے پہر نالہ و شیون نہ کریں
کہہ دے اتنا تو کوئی تازہ گرفتاروں سے

موسمِ گل نہیں، پیغامِ اجل تھا صیاد
دیکھ، خالی ہے قفس آج گرفتاروں سے

کیا برا حال ہے انگڑائیاں لیتے لیتے
ساقیا، ناز اب اچھا نہیں مے خواروں سے

کانپتے ہاتھوں سے ساغر کو بچایا تو بہت
کیا کہیں، خود ہی نہ سنبھلا گیا مے خواروں سے

سر کو ٹکرا کے گیا ہے کوئی صحرا کی طرف
خون ثابت ہے ابھی شہر کی دیواروں سے

ایڑیاں وادیِ غربت میں رگڑتے ہی رہے
دور کھنچتی گئی منزل وطن آواروں سے

کان میں پچھلے پہر آئی اک آوازِ حزیں
اب تو غم خوار بھی دق ہیں ترے بیماروں سے

جھلملانے لگا جب یاسؔ چراغِ سحری
پھر تو ٹھہرا نہ گیا ہجر کے بیماروں سے

برغزلِ سوداؔ

محرومِ شہادت کی ہے کچھ تجھ کو خبر بھی
او دشمنِ جاں، دیکھ ذرا پھر کے ادھر بھی
ہے جان کے ساتھ اور اک ایمان کا ڈر بھی
وہ شوخ کہیں دیکھ نہ لے مڑ کے ادھر بھی
وہ ہم سے نہیں ملتے ،ہم ان سے نہیں ملتے
اک نازِ دل آویز اِدھر بھی ہے اُدھر بھی
ٹھنڈا ہو کلیجا مرا اس آہِ سحر سے
جب دل کی طرح جلنے لگے غیر کا گھر بھی
اللہ ری بیتابیِ دل، وصل کی شب کو
کچھ کشمکشِ شوق بھی کچھ صبح کا ڈر بھی
انگڑائیاں لے لے کے اٹھے صاحب محفل
کچھ نیند بھی آنکھوں میں ہے کچھ مے کا اثر بھی
ہم مانگتے ہی کیوں جو یہی جانتے ساقی
پھر جائے گی قسمت کی طرح تیری نظر بھی
ہم ہاتھ سے دل تھامے ہوئے دور کھڑے ہیں
دیکھیں تو کوئی لیتا ہے کچھ اس کا اثر بھی
اے جذبۂ دل دیکھ بہت تونے کمی کی
ہاں، آہوں میں اب چاہیے تھوڑا سا اثر بھی

اب چپ رہو، جو دل پہ گزرنی تھی وہ گزری
ایسا نہ ہو پھٹ جائے کہیں زخمِ جگر بھی

محرومِ شہادت، تجھے کچھ شرم نہ آئی
کم بخت! گلا کاٹ کے جلدی کہیں مر بھی

بھاری ہے مسافر پہ بہت گور کی منزل
سنتے ہیں کہ اس راہ میں ہے جان کا ڈر بھی

وہ کشمکشِ غم ہے کہ میں کہہ نہیں سکتا
آغاز کا افسوس اور انجام کا ڈر بھی

کھول آنکھیں ذرا مست ہے کیا ساغرِ جم سے
ہے گردشِ ایام کی کچھ تجھ کو خبر بھی

لیلیِ شبِ ہجر نے بکھرا دیے گیسو
ماتم میں مرے چاکِ گریباں ہے سحر بھی

کس شان سے آتی ہے مری شامِ مصیبت
وہ دیکھو، جلو میں ہے قیامت کی سحر بھی

بجھتی ہوئی اک شمع ہوں کیا دم کا بھروسا
دشمن ہے مری جان کی اب آہِ سحر بھی

دیکھے کوئی جاتی ہوئی دنیا کا تماشا
بیمار بھی سر دھنتا ہے اور شمعِ سحر بھی

صحرا کی ہوا کھینچے لیے جاتی ہے مجھ کو
کہتا ہے وطن، دیکھ ذرا پھر کے ادھر بھی

ہاں، کٹ گئی شاید ترے دیوانے کی بیڑی
پچھلے پہر آئی تھی کچھ آواز ادھر بھی

کیا وعدۂ دیدار کو سچ جانتے ہو یاسؔ
لو فرض کرو آئی قیامت کی سحر بھی

اللہ مبارک کرے پیری کی سحر یاسؔ
مرنے کی تمنا تھی تو لے اب کہیں مر بھی

❁

دامنِ قاتل جو اڑ اڑ کر ہوا دینے لگے
کیا بتاؤں، زخمِ دل کیا کیا دعا دینے لگے
وائے ناکامی کہاں سفاک نے روکا ہے ہاتھ
زخم ہائے شوق جب کچھ کچھ مزا دینے لگے
چارہ سازو، مجھ سے رسوا جاں بلب بیمار کو
زہر دینا چاہیے تھا، تم دوا دینے لگے
یاس و حرماں، آہِ سوزاں، اشکِ خوں، داغِ جنوں
حضرت عشق اور کیا اس کے سوا دینے لگے
آج ہو شاید کسی کو آتشِ غم کی خبر
شکر ہے اب استخواں بوئے وفا دینے لگے
کیا مخالف ہوگئی ہم سے زمانے کی ہوا
یاسؔ دیکھو، حضرتِ دل بھی دغا دینے لگے

❁

کھل نہیں سکتی گرہ تقدیر کی
کیا چلے تقدیر سے تدبیر کی
منکروں کو جس نے قائل کر دیا
کیا بیاں ہو لذت اس تقریر کی
اک اشارے میں کٹے سو سو گلے
ہائے ری برش تری شمشیر کی
آتے آتے راہ سے وہ پھر گئے
دیکھیے تو چال چرخِ پیر کی

مجھ کو دکھلانے لگا نیرنگیاں
شامتیں آئی ہیں چرخِ پیر کی
پھر کسی وحشی کا بگڑا ہے مزاج
آ رہی ہے پھر صدا زنجیر کی
کپڑے پھٹتے ہیں جنوں کا جوش ہے
دل ہلاتی ہے صدا زنجیر کی
اللہ اللہ زورِ وحشت دیکھیے
ہر کڑی کھل کھل گئی زنجیر کی
آنکھیں جھپکی جاتی ہیں بے اختیار
کیا ہوا ہے دامنِ شمشیر کی
آ رہی ہیں دیر سے انگڑائیاں
ساقیا، تونے بڑی تاخیر کی
خندۂ گل کی صدا آنے لگی
یاسؔ اب سنتے نہیں زنجیر کی

محرومِ شہادت جو گلا کاٹ کے مر جائے
مرنے کو تو مر جائے مگر مر کے کدھر جائے
اندھیر ہو، وہ زلف اگر تا بہ کمر جائے
پھر کیا ہو کمر سے بھی اگر اور اتر جائے
مظلوم کی فریاد کو کچھ کم نہ سمجھنا
دل سے جو نکل جائے تو دل ہی میں اتر جائے
راحت میں ہو یا رنج میں، غم میں کہ خوشی میں
جس طرح گزرنی ہے کہیں جلد گزر جائے

جنت تو یہی ہے کہ فراموش ہیں سب غم
یارب، اسی مے خانے میں یہ عمر گزر جائے
مطلب ہے یہ ساقی کہ رہوں حشر میں بدمست
ایسا نہ ہو یہ نشہ اسی روز اتر جائے
رہ جائے کوئی جامِ شہادت سے جو محروم
بہتر ہے وہ دریا میں کہیں ڈوب کے مر جائے
مے خانے میں اے شیخ کوئی بیٹھ کے دیکھے
اک نور کا دریا ہے جہاں تک کہ نظر جائے
ساقی کی جدائی میں ہو کیا اشکوں سے تسکین
اتنا تو لہو روؤں کہ ساغر مرا بھر جائے
کیوں طالبِ دیدار کی امید کو توڑو
کل مرتا ہو کم بخت تو وہ آج ہی مر جائے
اس مدرسۂ غم سے نکلنا نہ کبھی یاسؔ
یاروں کی نصیحت کہیں تاثیر نہ کر جائے

❁

گر یاد میں ساقی کی، ساغر نظر آ جائے
پیمانۂ دل چھلکے، منھ کو جگر آ جائے
عکسِ رخِ ساقی کو گر دیکھ لوں ساغر میں
کچھ دل کے بہلنے کی صورت نظر آ جائے
تیار رہو ہر دم مرنے پہ کمر باندھے
درپیش خدا جانے کب یہ سفر آ جائے
ہاں، سیر تو کر غافل اس گورِ غریباں کی
انجام تجھے اپنا شاید نظر آ جائے

پھر جائیں ہمیشہ کو دنیا سے مری آنکھیں
مرتے دم اگر جلوہ تیرا نظر آ جائے
شورِ نفسِ بلبل سے ہوش اڑیں سب کے
گر زمزمہ سنجی پر یہ مشتِ پر آ جائے
بیمارِ محبت کی اب ہے یہ دعا ہر دم
پھر شام نہ ہو جس کی ایسی سحر آ جائے
بہتر ہے خم و ساغر آنکھوں سے رہیں اوجھل
ایسا نہ ہو شیشے پر دل ٹوٹ کر آ جائے
یاسؔ آپ کی بے جرمی آڑے نہیں آ سکتی
گر بات پر اپنی وہ بیداد گر آ جائے

فکرِ قدیم

کس غضب کی یاسؔ برشِ خنجرِ قاتل ہے
ساتھ دل کے زخم کھاتی ہے جو حسرت دل میں ہے
یاس و حرماں ،حسرت و اندوہ و غم سب جمع ہیں
اک تمنا بھی چھپی بیٹھی اسی محفل میں ہے
جان دے دینا فقط آتا ہے پروانے کو بس
آتشِ فرقت کو سہنا میرے آب و گل میں ہے
مثلِ مجنوں سیکڑوں آوارۂ صحرا ہوئے
پر وہ لیلی جس طرح محمل میں تھی،محمل میں ہے
جامِ جم بھی آئنہ تھا کوئی قابل ناز کے
جس میں وہ منھ دیکھ لیں وہ آئنہ اس دل میں ہے

فکر قدیم

ہنوز دردِ جدائیِ یار باقی ہے
کھٹک رہا تھا جو دل میں وہ خار باقی ہے
نہ قیس ہے نہ وہ محمل سوار باقی ہے
بس اک غبار فقط یادگار باقی ہے
شرابِ عیش کسی شب ہوئی تھی مجھ کو نصیب
اسی شراب کا اب تک خمار باقی ہے
کبھی تو شامِ مصیبت کی صبح آئے گی
اگر یہ گردشِ لیل و نہار باقی ہے
نگاہِ لطف سے ساقی ہمیں رہیں محروم
ادھر بھی دیکھ اک امیدوار باقی ہے
بہار آئے گی پھر یاسؔ نا امید نہ ہو
ابھی تو گلشن ناپائدار باقی ہے

❁

یار ہے، آئنہ ہے، شانہ ہے
چشم بد دور، کیا زمانہ ہے
جھانکنے تاکنے کا وقت گیا
اب وہ ہم ہیں نہ وہ زمانہ ہے
وحشت انگیز ہے نسیمِ بہار
کیا جنوں خیز یہ زمانہ ہے
تھک کے بیٹھے ہو کوئے جاناں میں
واہ کیا خوب یہ بہانہ ہے
ساقیا عرش پر ہے اپنا دماغ
سر ہے اور تیرا آستانہ ہے

داغِ حسرت سے دل ہو مالا مال
یہی دولت، یہی خزانہ ہے
محشرستانِ آرزوئے وصال
دل ہے کیا، ایک کارخانہ ہے
اُٹھو اُٹھو مسافرو اٹھو
صبح تک کارواں روانہ ہے
لو بجھا چاہتا ہے دل کا کنول
ختم اب عشق کا فسانہ ہے
کیا کہیں اڑ کے جا نہیں سکتے
وہ چمن ہے، وہ آشیانہ ہے
یاسؔ اب آپ ہی نہ آئیں گے
وصل اک موت کا بہانہ ہے

کوئی دن ہوگا الٰہی گردشِ افلاک سے
جام وخم جس دن بنیں گے میری خاک پاک سے
ہاتھ اپنا پھر گریباں کی طرف بڑھنے لگا
لڑ گئی پھر آنکھ اک دیوانۂ بے باک سے
چار دیوارِ عناصر پھاند کر نکلو کہیں
جسمِ خاکی کم نہیں زندانِ وحشت ناک سے
دیکھیے،لب ریز ہو کس مست کا پیمانہ آج
بوئے خوں آتی ہے ساقی مے کدے کی خاک سے
یاسؔ یوں حشو و زوائد کو سمیٹے تو کوئی
پاک ہو باغِ سخن سارے خش و خاک سے

جاتے ہیں یاسؔ چوٹ سی دل پر لیے ہوئے
آئے تھے بزم غیر میں ساغر لیے ہوئے

بس چھیڑتے ہی پھوٹ بہے دل کے آبلے
بیٹھے تھے راز عشق کا دفتر لیے ہوئے

داغِ جگر محبتِ صادق کے ہیں گواہ
جاؤں گا حشر میں یہی محضر لیے ہوئے

کعبہ ہو یا کہ دیر کہیں کے تو ہو رہیں
پھرتا ہے عشق کیوں ہمیں گھر گھر لیے ہوئے

پکڑا گیا ہے عشق کی بیگار میں بشر
بارِ گراں ازل سے ہے سر پر لیے ہوئے

کس کل پہ ہے یہ خاک کا پتلا بنا ہوا
قالب میں روح کو ہے یہ کیوں کر لیے ہوئے

پیوند خاک ہو گئے کوئے بتاں میں آج
پھرتے تھے کل جو دوش پہ بستر لیے ہوئے

بیمارِ جاں بلب کا ہوا خاتمہ بخیر
کیا دیکھتے ہو گود میں اب سر لیے ہوئے

دیکھیں اب آسماں کی طرف آنکھ اٹھا کے مست
کیا جھومتے ہیں ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے

پچھلے پہر سے چھڑ گیا افسانۂ خمار
تھرا کے مست گر پڑے ساغر لیے ہوئے

بیمار کی جو آنکھ لگی پھر نہ کھل سکی
زانو پہ اپنے رہ گئے وہ سر لیے ہوئے

دیکھیں جو یاسؔ کو بھی کریں سرفراز وہ
آتے ہیں آج ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے

اثر پیدا کیا چاہو سخن میں طرزِ دل کش سے
تو انداز بیاں سیکھو انیسؔ و میرؔ و آتشؔ سے
اسیرانِ ہوس تنگ آ گئے اس نفسِ سرکش سے
چھٹیں گے کب طلسم خاک و باد و آب و آتش سے
برا ہو یا بھلا، کچھ حشر اپنا ہو چکے داور!
جہنم ہی سہی بیم و رجا کی اس کشاکش سے
پڑا رہنا برا کیا ہے ذرا تسکیں تو ہوتی ہے
کوئی چونکائے کیوں ظالم، ترے بیمار کو غش سے
گلہ کیا نشے میں شیشے سے شیشے لڑ ہی جاتے ہیں
مگر کھنچنا نہیں زیبا کسی مے کش کو مے کش سے
محبت میں مزہ ہے یاسؔ ایذائیں اٹھانے کا
کوئی کیفیت اس کی پوچھے مجھ ایسے ستم کش سے

❁

ہنوز زندگیِ تلخ کا مزہ نہ ملا
کمال صبر ملا، صبر آزما نہ ملا
مری بہار و خزاں جس کے اختیار میں ہے
مزاج اس دلِ بے اختیار کا نہ ملا
جواب کیا، وہی آوازِ باز گشت آئی
قفس میں نالۂ جاں کا وہ مزہ نہ ملا
امیدوارِ رہائی قفس بدوش چلے
جہاں اشارۂ توفیقِ غائبانہ ملا
ہوا کے دوش پہ جاتا ہے کاروانِ نفس
عدم کی راہ میں کوئی پیادہ پا نہ ملا

ہزار ہاتھ اسی جانب ہے منزلِ مقصود
دلیلِ راہ☆ کا غم کیا، ملا ملا نہ ملا
بس ایک نقطۂ فرضی کا نام ہے کعبہ
کسی کو مرکزِ تحقیق کا پتا نہ ملا
امید و بیم نے مارا مجھے دو راہے پر
کہاں کے دیر و حرم، گھر کا راستا نہ ملا
خوشا نصیب، جسے فیضِ عشق شور انگیز
بقدر ظرف ملا، ظرف سے سوا نہ ملا
سمجھ میں آ گیا جب عذرِ فطرتِ مجبور
گناہ گارِ ازل کو نیا بہانہ ملا
بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے
وہ بد نصیب جسے بخت نا رسا نہ ملا
نگاہ یاسؔ سے ثابت ہے سعیِ لاحاصل
خدا کا ذکر تو کیا بندۂ خدا نہ ملا

☆دلیل راہ بمعنی راہ نما (یگانہ)

مجھے دل کی خطا پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا
برا ہو پائے سرکش کا کہ تھک جانا نہیں آتا
کبھی گم راہ ہو کر راہ پر آنا نہیں آتا
ازل سے تیرا بندہ ہوں ترا ہر حکم آنکھوں پر
مگر فرمانِ آزادی بجا لانا نہیں آتا
مجھے اے نا خدا آخر کسی کو منھ دکھانا ہے
بہانہ کرکے تنہا پار اتر جانا نہیں آتا

مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائے گا
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا
دلِ بے حوصلہ ہے اک ذرا سی ٹھیس کا مہماں
وہ آنسو کیا پیے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا
اسیرو! شوقِ آزادی مجھے بھی گدگداتا ہے
مگر چادر سے باہر پاؤں پھیلانا نہیں آتا

بیٹھا ہوں پاؤں توڑ کے، تدبیر دیکھنا
منزل قدم سے لپٹی ہے تقدیر دیکھنا
پہنا دیا ہے طوقِ غلامی تو، ایک دن
میری طرف بھی مالکِ تقدیر دیکھنا
مجھ ناتواں کا صبر تو کیا آزماؤ گے
راس آئے تم کو جوہرِ شمشیر دیکھنا
آوازے مجھ پہ کستے ہیں پھر بندگانِ عشق
پڑ جائے پھر نہ پاؤں میں زنجیر دیکھنا
مردوں سے شرط باندھ کے سوئی ہے اپنی موت
ہاں دیکھنا ذرا فلکِ پیر دیکھنا
ہوش اڑ نہ جائیں صنعتِ بہزاد دیکھ کر
آئینہ رکھ کے سامنے تصویر دیکھنا
چونکے تو چشمِ شوق میں عالم سیاہ تھا
خوابِ نظر فریب کی تعبیر دیکھنا
پروانے کر چکے تھے سر انجامِ خود کشی
فانوس آڑے آگیا، تقدیر دیکھنا

شاید خدا نخواستہ آنکھیں دغا کریں
اچھا نہیں نوشتۂ تقدیر دیکھنا

ہر خوب و زشت آپ ہی اپنی مثال ہے
حدِ کمال کاتبِ تقدیر دیکھنا

بادِ مراد چل چکی لنگر اٹھاؤ یاسؔ
پھر آ گے بڑھ کے خوبیِ تقدیر دیکھنا

❁

دھواں سا جب نظر آیا سوادِ منزل کا
نگاہِ شوق سے آگے تھا کارواں دل کا

چراغ لے کے کسے ڈھونڈتے ہیں دیوانے
نشاں تو دور ہے یاں نام تک نہیں دل کا

کبھی تو موج میں آئے گا تیرا دیوانہ
اشارہ چاہیے ہے جنبشِ سلاسل کا

ازل سے اپنا سفینہ رواں ہے دھارے پر
ہُوا ہنوز نہ گرداب کا نہ ساحل کا

نہ سر میں نشہ ہے باقی نہ دل میں کیفیت
زباں پہ رہ گیا اک ذکرِ خیر محفل کا

وہ دستِ شل جو دعا کے لیے بھی اٹھ نہ سکے
ارادہ کون سے بل پر کرے گا ساحل کا

نہ جانے جھوٹ ہے یا سچ ہے وعدۂ فردا
اجل پہ فیصلہ ٹھہرا ہے حق و باطل کا

پرائی موت کا احساں بھی ہے ہمیں منظور
کہیں طلسم تو ٹوٹے عدم کی منزل کا

خود اپنی آگ میں جلتا تو کیمیا ہوتا
مزاج داں نہ تھا پروانہ شمع محفل کا
ہوا پھری افسردہ دلوں کی رت بدلی
ابل پڑا ہے پھر رنگ نقشِ باطل کا
امید وبیم نے وہ راستا ہی چھوڑ دیا
چراغ گل ہوا جب آستانۂ دل کا
جوابِ حسنِ طلب بے دلوں سے بن نہ پڑا
حیا سے گڑ گئے جب نام آ گیا دل کا
فلک ہے دونوں طرف کا نگاہ باں جب تک
نہ اپنی آنکھ اٹھے گی نہ پردہ محمل کا
حضورِ دوست یگانہؔ کچھ ایسے غائب تھے
زبانِ گنگ تک آیا نہ ماجرا دل کا

چراغِ زیست بجھا دل سے اک دھواں نکلا
لگا کے آگ مرے گھر سے میہماں نکلا
دل اپنا خاک تھا پھر خاک کو جلانا کیا
نہ کوئی شعلہ اٹھا اور نہ کچھ دھواں نکلا
سنیں گے چھیڑ کے افسانۂ دلِ مرحوم
ادھر سے ملکِ عدم کا جو کارواں نکلا
تڑپ کے آبلہ پا اٹھ کھڑے ہوئے آخر
تلاشِ یار میں جب کوئی کارواں نکلا
لہو لگا کے شہیدوں میں ہو گئے داخل
ہوس تو نکلی مگر حوصلہ کہاں نکلا

حریم ناز میں شاید کسی کو دخل نہیں
دلِ عزیز بھی ناخواندہ میہماں نکلا

نہاں تھا خانۂ دل ہی میں شاہدِ مقصود
جو بے نشاں تھا وہ دیوار درمیاں نکلا

ہے فنِ عشق کا استاد بس دلِ وحشی
مریضِ غم کا یہی اک مزاج داں نکلا

لگا ہے دل کو اب انجامِ کار کا کھٹکا
بہارِ گل سے بھی اک پہلوئے خزاں نکلا

زمانہ پھر گیا، چلنے لگی ہوا الٹی
چمن کو آگ لگا کر جو باغباں نکلا

ہمارے صبر کی کھاتے ہیں اب قسم اغیار
جفا کشی کا مزہ بعدِ امتحاں نکلا

خوشی سے ہو گئے بدخواہ میرے شادی مرگ
کفن پہن کے جو میں گھر سے ناگہاں نکلا

اجل سے بڑھ کے محافظ نہیں کوئی اپنا
خدا کی شان کہ دشمن نگاہ باں نکلا

دکھایا گورِ سکندر نے بڑھ کے آئینہ
جو سر اٹھا کے کوئی زیرِ آسماں نکلا

لحد سے بڑھ کے نہیں کوئی گوشۂ راحت
قیامت آئی جو اس گھر سے میہماں نکلا

اب اپنی روح ہے اور سیرِ عالمِ بالا
کنویں سے یوسفِ گم کردہ کارواں نکلا

کلامِ یاسؔ سے دنیا میں پھر اک آگ لگی
یہ کون حضرتِ آتش کا ہم زباں نکلا

قفس کو جانتے ہیں یاسؔ آشیاں اپنا
مکان اپنا، زمین اپنی، آسماں اپنا
ہوائے تند میں ٹھہرا نہ آشیاں اپنا
چراغ جل نہ سکا زیرِ آسماں اپنا
سنا ہے رنگِ زمانہ کا اعتبار نہیں
بدل نہ جائے یقیں سے کہیں گماں اپنا
بس ایک سایۂ دیوارِ یار کیا کم ہے
اٹھا لے سر سے مرے سایہ آسماں اپنا
مزے کے ساتھ ہوں اندوہ و غم تو کیا کہنا
یقیں نہ ہو تو کرے کوئی امتحاں اپنا
شریکِ حال ہوا ہے جو فقر و فاقہ میں
گڑے گا ساتھ ہی کیا اپنے میہماں اپنا
عجیب بھول بھلیاں ہے منزلِ ہستی
بھٹکتا پھرتا ہے گم گشتہ کارواں اپنا
جرس نے مژدۂ منزل سنا کے چونکایا
نکل چلا تھا دبے پاؤں کارواں اپنا
خدا کسی کو بھی یہ خوابِ بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا ہے آشیاں اپنا
ہمارے قتل کا وعدہ ہے غیر کے ہاتھوں
عجیب شرط پہ ٹھہرا ہے امتحاں اپنا
ہمارا رنگِ سخن یاسؔ کوئی کیا جانے
سوائے آتش ہے کون ہم زباں اپنا

پالا امید وبیم سے ناگاہ پڑ گیا
دل کا بنا بنایا گھروندا بگڑ گیا
الٹی تھی مت زمانۂ مردہ پرست کی
میں ایک ہوشیار کہ زندہ ہی گڑ گیا
شربت کا گھونٹ جان کے پیتا ہوں خونِ دل
غم کھاتے کھاتے منھ کا مزہ تک بگڑ گیا
بوئے وفا کہاں چمنِ روزگار میں
دل ہٹ گیا ہے جیسے کوئی پھول جھڑ گیا
کس سادگی سے میں نے بڑھایا تھا دستِ شوق
ہتھے سے بد مزاج یکایک اکھڑ گیا
ایسے کے پاؤں چومیے یا پیار کیجیے
قدموں پہ میں جھکا تو وہ دونا اکڑ گیا
منھ زوریوں کا حوصلہ سرکارِ حسن ہے
آخر پڑی وہ مار کہ چرسہ ادھڑ گیا
دونوں کے دل سے پوچھیے انجام کارِ عشق
سل گھستے گھستے گھس گئی بٹا رگڑ گیا
وہ مرد ہے جو زیر کرے دیوِ نفس کو
وہ مرد کیا جو پیرِ فلک سے پچھڑ گیا
کھینچی جو صدقِ دل سے اسیروں نے آہِ سرد
پھر کیا تھا، پاؤں بادِ خزاں کا اکھڑ گیا
اللہ ری کشاکشِ دیر و حرم کہ یاسؔ
حیرت کے مارے بیچ دوراہے پہ گڑ گیا
پہلے تو اپنے آپ کو پہچانتے نہ تھے
حسنِ یگانہؔ کس کی نگاہوں میں تڑ گیا

قیامت ہے شبِ وعدہ کا اتنا مختصر ہونا
فلک کا شام سے دست و گریبانِ سحر ہونا
شبِ تاریک نے پہلو دبایا روزِ روشن کا
زہے قسمت مرے بالیں پہ تیرا جلوہ گر ہونا
حریم ناز میں کب تک گھٹے گی بوئے پیراہن
ہوائے شوق میں لازم ہے اک دن منتشر ہونا
تماشائے چمن کی کیا حقیقت چشمِ عبرت میں
اثر ہونا تو لازم ہے مگر الٹا اثر ہونا!
اسیروں کی فغاں اب اور تڑپانے لگی دل کو
قفس کی سختیوں کا چاہیے تھا کچھ اثر ہونا
ہوائے تند سے کب تک لڑے گا شعلۂ سرکش
عبث ہے خود نمائی کی ہوس میں جلوہ گر ہونا
دلِ آگاہ نے بے کار میری راہ کھوٹی کی
بہت اچھا تھا انجامِ سفر سے بے خبر ہونا
بہار آتے ہی شادیٔ مرگ ہو جاؤں تو اچھا ہے
خزاں سے پہلے ہی بہتر ہے قصہ مختصر ہونا
دیار بے خودی ہے اپنے حق میں گوشۂ راحت
غنیمت ہے گھڑی بھر خوابِ غفلت میں بسر ہونا
سما سکتے نہیں الفاظ میں معنیٔ وجدانی
مگر لازم ہے دل ہی دل میں پوشیدہ اثر ہونا
وہی ساقی، وہی ساغر، وہی شیشہ، وہی بادہ
مگر لازم نہیں ہر ایک پر یکساں اثر ہونا
سنا کرتے تھے، آج آنکھوں سے دیکھیں دیکھنے والے
نگاہِ یاسؔ کا سنگیں دلوں پر کارگر ہونا

فخر ہے خانۂ صیاد میں مہماں ہونا
بے گناہوں کے لیے داخلِ زنداں ہونا

لبِ دریا سے غرض ہے نہ تہِ دریا سے
موج و گرداب سے ہے دست و گریباں ہونا

لذّتِ درد سلامت ہے تو آسان نہیں
جان پر کھیل کے آمادۂ درماں ہونا

نفس سے صلح کا انجام یہی ہونا تھا
اپنی ہر سانس پہ رہ رہ کے پشیماں ہونا

معنیٔ وعدۂ موہوم نے صورت پکڑی
بدگمانوں کو مبارک ہو پشیماں ہونا

سہوِ کاتب سے ہے نام اپنا مسلمانوں میں
رنگ لائے گا کسی دن یہ مسلماں ہونا

❁

قصہ کتابِ عمر کا کیا مختصر ہوا
رخ داستانِ غم کا اِدھر سے اُدھر ہوا

ماتم سرائے دہر میں کس کس کو روئیے
اے وائے! دردِ دل نہ ہوا، دردِ سر ہوا

تسکین دل کو رازِ خودی پوچھتا ہے کیا
کہنے کو کہہ دوں اور اگر الٹا اثر ہوا؟

آزاد ہو سکا نہ گرفتارِ شش جہت
دل مفت بندۂ ہوسِ بال و پر ہوا

دنیا کے ساتھ دین کی بیگار، الاماں!
انسان آدمی نہ ہوا جانور ہوا

فردا کا دھیان باندھ کے کہتا ہے مجھ سے دل
تو میری طرح کیوں نہ وسیع النظر ہوا
فردا کو دور ہی سے ہمارا سلام ہے
دل اپنا شام ہی سے چراغِ سحر ہوا

دلِ آگاہ نے جب راہ پہ لانا چاہا
عقلِ گم راہ نے دیوانہ بنانا چاہا
ناگہاں چرخِ ستم گار نے کروٹ بدلی
بختِ بیدار نے جب مجھ کو جگانا چاہا
پھر سمانے لگی دنیا کی ہوا ''میں'' کی طرح
زانوئے فکر سے جب سر کو اٹھانا چاہا
دلِ بیدار نے گھبرا کے مجھے چونکایا
نفس نے جب کسی مشکل میں پھنسانا چاہا
جذبۂ شوق نے جب عشق کی صورت پکڑی
پھر مٹائے نہ مٹا، لاکھ مٹانا چاہا
جامہ زیبوں پہ کفن نے بھی دیا وہ جوبن
دوڑ کر سب نے کلیجے سے لگانا چاہا
بال و پر نوچ کے صیاد نے آزاد کیا
حقِ خدمت جب اسیروں نے جتانا چاہا
لکھنؤ میں غزل اب یاس کو پڑھنے ہی نہ دو
ذرے نے پہلوئے خورشید دبانا چاہا

دل کی ہوس وہی ہے مگر دل نہیں رہا
محمل نشیں تو رہ گیا محمل نہیں رہا

پہنچی نہ اڑ کے دامنِ عصمت پہ گرد تک
اس خاک اڑانے کا کوئی حاصل نہیں رہا

رکھتے نہیں کسی سے تسلی کی چشم داشت
دل تک اب اعتبار کے قابل نہیں رہا

آہستہ پاؤں رکھیے قیامت نہ کیجیے
اب کوئی سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا

اک آخری علاج پہ ٹھہرا ہے فیصلہ
بیمار اب امتحان کے قابل نہیں رہا

پروانے اپنی آگ میں جل کر ہوئے تمام
اب کوئی بارِ خاطرِ محفل نہیں رہا

یاد آئی بوئے پیرہنِ یار، ناصحا
اپنا دماغ اب کسی قابل نہیں رہا

تکتے ہیں یاسؔ دور سے منھ آپ کا ہنوز
آنکھیں تو رہ گئیں مگر اب دل نہیں رہا

❁

دل دکھانے کا مزہ او دشمنِ جاں دیکھنا
دل میں درد اٹھتا ہے کیوں کر، دیکھنا ہاں دیکھنا

آئنہ کیا دے سکے گا دادِ حسنِ بے مثال
دیدۂ دل سے دلِ گبرو مسلماں دیکھنا

ہاں دلِ عاشق مزاج اپنی طرف بھی اک نظر
آئنہ لے کر ذرا چاک گریباں دیکھنا

وحشیو کیوں تنگ دل ہو فصلِ گل آنے تو دو
غنچے غنچے میں بہارِ صد گریباں دیکھنا
پردۂ غفلت وہی ہے بس نظر کا فرق ہے
خوابِ رنگا رنگ یا خوابِ پریشاں دیکھنا
فکرِ حاضر، جذبِ کامل ہو تو پھر کیا دور ہے
سیرِ غائب خواب و بیداری میں یکساں دیکھنا
یاس کیا ناخواندہ مہماں تھے کہ رکھتے ہی قدم
پھٹ پڑے بام و در و دیوارِ زنداں دیکھنا

❁

خاک کا پتلا بگولا دشت کا ہو جائے گا
مٹ کے بھی اک پیکرِ نشو و نما ہو جائے گا
یاد رکھ اے دل کہ فطرت ہے سراپا انتقام
شعلۂ سرکش بھی پامالِ ہوا ہو جائے گا
دردمندوں کی کہانی پر دلِ بے دسترس
ہاتھ مل کر فرض سے اپنے ادا ہو جائے گا
یہ دلِ بے مدعا بیگانۂ امید و بیم
غرق ہو کر آپ اپنا ناخدا ہو جائے گا
کیا خبر تھی دل سا شاہنشاہ آخر ایک دن
عشق کے ہاتھوں گداؤں کا گدا ہو جائے گا
بوئے یوسف خود دلیلِ☆ منزلِ مقصود ہے
جذبِ صادق غائبانہ رہ نما ہو جائے گا
عشق کا حسنِ طلب اک معنیِ بے لفظ ہے
ٹکٹکی بندھ جائے گی مطلب ادا ہو جائے گا

آئنہ ہے وہ زیارت گاہ جس کے سامنے
خود پرستوں کے لیے سجدہ روا ہو جائے گا

اعتبارِ وعدہ واجب، بدگمانی کفر ہے
کفر سے باز آیئے وعدہ وفا ہو جائے گا

ہے ذرا سی ٹھیس کا مہماں حبابِ جاں بلب
اک اشارے میں ہوا کے دم فنا ہو جائے گا

سانس لیتا ہوں تو آتی ہے صدائے بازگشت
کون دن ہو گا کہ اک نالہ رسا ہو جائے گا

بڑھتے بڑھتے اپنی حد سے بڑھ چلا دستِ ہوس
گھٹتے گھٹتے ایک دن دستِ دعا ہو جائے گا

چھوڑیے دیر و حرم کو یاسؔ دلی دور ہے
اس دوراہے میں غضب کا سامنا ہو جائے گا

☆دلیل بمعنی رہ نما (یگانہ)

تماشا ہے مری تصویر کا بیکار ہو جانا
قلم کے زخم کھا کر پیکرِ خوں بار ہو جانا

زہے مقصد، جہادِ نفس کو تیار ہو جانا
خوشا ہمت، خود اپنے در پےِ آزار ہوجانا

دوا کا اور دعا کا امتحاں منظور تھا ورنہ
بھلے چنگے گوارا تھا کسے بیمار ہوجانا

زہے دیوانگی، چشمِ ہوس کے پھیر میں پڑنا
ہجومِ شوق میں گم گشتۂ بازار ہوجانا

قیامت تک یہ کالے کوس روشن ہو نہیں سکتے
عبث ہے ہم رکابِ کافر و دیں دار ہو جانا

بہت میں نے ٹٹولا جادۂ شیخ و برہمن کو
کوئی آساں ہے نا ہموار کا ہموار ہو جانا
تصور سے کبھی خوابِ اجل کے کانپ کانپ اٹھنا
کبھی تعبیر سن کر جان سے بیزار ہوجانا
عجب کیا بھول جائے طائرِ خواب آشیاں اپنا
شبِ غم، دور کیا ہے راہ کا دشوار ہو جانا
لہو کا گھونٹ بھی فصلِ خزاں میں مل نہیں سکتا
قیامت ہے گلوں کا ہم زبانِ خار ہو جانا
کوئی طوفان آیا یا ہمارے کان بجتے ہیں
ذرا اے بندگانِ نا خدا، ہشیار ہو جانا
عجب کیا ہے ہم ایسے گرم رفتاروں کی ٹھوکر سے
زمانے کے بلند وپست کا ہموار ہو جانا
مبارک بوالہوس کو یاسؔ آنکھیں مانگتے پھرنا
کسی کی دیکھا دیکھی تشنۂ دیدار ہو جانا

❁

سلسلہ چھڑ گیا جب یاسؔ کے افسانے کا
شمع گل ہوگئی، دل بجھ گیا پروانے کا
عشق سے دل کو ملا آئنہ خانے کا شرف
جگمگا اٹھا کنول اپنے سیہ خانے کا
خلوتِ ناز کجا اور کجا اہلِ ہوس
زور کیا چل سکے فانوس سے پروانے کا
لاش کم بخت کی کعبے میں کوئی پھکوا دے
کوچۂ یار میں کیوں ڈھیر☆ ہو پروانے کا

وائے حسرت کہ تعلق نہ ہوا دل کو کہیں
نہ تو کعبے کا ہوا میں نہ صنم خانے کا

تشنہ لب ساتھ چلے شوق میں سائے کی طرح
رخ کیا ابرِ بہاری نے جو مے خانے کا

واہ کس ناز سے آتا ہے ترا دورِ شباب
جس طرح دور چلے بزم میں پیمانے کا

اہلِ دل مست ہوئے پھیل گئی بوئے وفا
پیرہن چاک ہوا جب ترے دیوانے کا

سرِ شوریدہ کجا عشق کی بیگار کجا
مگراللہ رے دل آپ کے دیوانے کا

دیکھ کر آئنے میں چاکِ گریباں کی بہار
اور بگڑا ہے مزاج آپ کے دیوانے کا

کیا عجب ہے جو حسینوں کی نظر لگ جائے
خون ہلکا ہے بہت آپ کے دیوانے کا

آپ اب شمع سحر بڑھ کے گلے ملتی ہے
بخت جاگا ہے بڑی دیر میں پروانے کا

دلِ بے حوصلہ تکتا ہے خریدار کی راہ
کوئی گاہک نہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کا

بزم میں صبح ہوئی چھا گیا اک سناٹا
سلسلہ چھڑ گیا جب آپ کے افسانے کا

☆ڈھیر بمعنی مزار (یگانہ)

کعبۂ مقصود خلوت خانۂ دل ہو گیا
جلوۂ موہوم آخر خضرِ منزل ہو گیا
عشق سے آئینۂ ادراک کے جوہر کھلے
خانۂ دل شاہدِ معنی کی منزل ہو گیا
وحشت آبادِ جہاں کی دل فریبی دیکھیے
سیکڑوں آزاد پابندِ سلاسل ہو گیا
خامۂ قدرت کی ہر صنعت ہے آپ اپنی مثال
امتیازِ خوب و زشت آنکھوں کو مشکل ہو گیا
غش ہیں سب اہلِ نظر اس بولتی تصویر پر
خاک کے پتلے کو کیا اعجاز حاصل ہو گیا
جذبۂ صادق نے کھینچی خوب تصویرِ وطن
صحنِ دل گل دستۂ یارانِ یک دل ہو گیا
ناتوانی کا برا ہوا غش پہ غش آنے لگے
دو گھڑی دل کھول کر رونا بھی مشکل ہو گیا
تم سراسر رنج دینے پر جب آمادہ ہوئے
میں سراپا درد سہنے کے لیے دل ہو گیا
اس طلسماتِ عناصر کی حقیقت کھل گئی
جب گڑھے میں گور کے انسان داخل ہو گیا
دورِ آخر میں نہیں کوئی کسی کا آشنا
دیکھتے ہی دیکھتے کیا رنگ محفل ہو گیا
یاسؔ اب تنگ آ گئے اس ملگجی پوشاک سے
جامۂ تن دھجیاں لینے کے قابل ہو گیا

دنیا کا چلن ترک کیا بھی نہیں جاتا
اس جادۂ باطل سے پھرا بھی نہیں جاتا
زندانِ مصیبت سے کوئی نکلے تو کیوں کر
رسوا سرِ بازار ہوا بھی نہیں جاتا
دل بعدِ فنا بھی ہے گراں بارِ امانت
دنیا سے سبک دوش اٹھا بھی نہیں جاتا
کیوں آنے لگے شاہدِ عصمت سرِ بازار
کیا خاک کے پردے میں چھپا بھی نہیں جاتا
اک معنیِ بے لفظ ہے اندیشۂ فردا
جیسے خطِ قسمت کہ پڑھا بھی نہیں جاتا

❁

نقشِ باطل ہو چلا خوابِ پریشانِ بہار
دیدۂ حیراں میں کھنچ کر آ گئی جانِ بہار
ہوشیار اے چشمِ نرگس، اے نگہبانِ بہار
ہے زوالِ رنگ وبو دست و گریبانِ بہار
آگ برسائے فلک یا آبِ حیوانِ بہار
زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے پشیمانِ بہار
چشمِ پر خوں نے مجسم کر دیا موہوم کو
ورنہ بے تعبیر تھا خوابِ پریشانِ بہار
چاندنی کی سیر کرتے، ہم سے آنکھیں مانگ کر
ہیں کدھر پروانۂ شمعِ شبستانِ بہار
اپنا ہاتھ اپنا گریباں، اپنا سودا اپنا سر
استخارہ کر چکے پابند فرمانِ بہار

پیرہن کیا؟ گھر بھی خوش وقتی کے مارے تنگ ہے
آشیاں ہے اپنے حق میں طرفہ زندانِ بہار
حاشیے کیا کیا چڑھاتے ہیں قفس میں زندہ دل
مردہ دل کہتے ہیں بے معنی ہے فرمانِ بہار
کیوں قفس بردوش پھرتے ہیں اسیرانِ ہوس
ننگ یارانِ چمن، ناخواندہ مہمانِ بہار
اے خزاں پروردہ دل، فکرِ چمن سے باز آ
اپنے اوپر رحم کر، اے دشمنِ جانِ بہار
قافلے کا قافلہ مارا ہوائے دہر نے
رہ گئے سوتے کے سوتے سب حسینانِ بہار
رنگ وبوئے عارضی سے دل بہلنے کا نہیں
فکرِ فردا ہے نظر میں خارِ دامانِ بہار
اپنے اپنے رنگ میں اور اپنے اپنے حال میں
کوئی حیرانِ خزاں ،کوئی پشیمانِ بہار
دیکھنا یہ ہے کہ آخر تک ٹھہرتا کون ہے
بوٹا بوٹا بن گیا ہے مردِ میدانِ بہار
خار و گل دونوں کو اپنے بانکپن پر ناز ہے
دیکھیے، رہتا ہے کس کے ہاتھ میدانِ بہار
دیکھ لیتا ہوں چمن کو دور سے بیگانہ وار
یاسؔ مجھ سے کیوں کھٹکتا ہے نگہبانِ بہار

❁

ہنستا ہے عشق مجھ کو گراں بار دیکھ کر
زندانِ آب وگل میں گرفتار دیکھ کر

تیور بجھے ہیں صبح کے آثار دیکھ کر
آنکھیں کھلی ہیں فتنۂ بیدار دیکھ کر

عبرت سرائے دہر سے منھ موڑنا پڑا
آنکھوں کو اپنے درپئے آزار دیکھ کر

کس کل پہ ہے بنائے طلسماتِ آب وگل
اہلِ نظر ہیں نقش بہ دیوار دیکھ کر

شانہ ہلا کے موت نے چونکا دیا مجھے
محوِ طلسم بندیِ اسرار دیکھ کر

آخر اجل نے روح کو آزاد کر دیا
احسانِ بے سبب سے گراں بار دیکھ کر

روزِ ازل سے منزلِ سودا ہو جس کا سر
وہ کیوں نہ غش ہو سنگِ درِ یار دیکھ کر

منزل کو اپنے زیرِ قدم جانتے ہیں ہم
اس توسنِ خیال کی رفتار دیکھ کر

پیدا نہ ہوا زمیں سے نیا آسماں کوئی
دل کانپتا ہے آپ کی رفتار کی دیکھ کر

چلتی ہے کس طرف کی ہوا پچھلی رات سے
حیراں ہے شمعِ صورتِ بیمار دیکھ کر

کیوں انقلاب عشق یہ کسی ہوا چلی
جی سن سے ہو گیا رخِ بیمار دیکھ کر

پاتی نہیں مزاج، دوا کا اثر ہو کیا؟
منھ پھیر لیتے ہیں ترے بیمار، دیکھ کر

رت پھر چلی ہے آپ کے بیمارِ ہجر کی
صبحِ بہارِ حشر کے آثار دیکھ کر

بٹھلاتے ہیں وہ سایۂ خورشیدِ حشر میں
عاشق کو اپنے تشنۂ دیدار دیکھ کر
جنسِ وفا نہ تھی کوئی، مفلس کا مال تھا
دل ہٹ گیا نگاہِ خریدار دیکھ کر
دل مجھ سے پوچھتا ہے کہ تو کس طرف کو ہے
جوشِ جہادِ کافر و دیں دار دیکھ کر
غیرت سے رنگِ نامۂ اعمال اڑ نہ جائے
کیفیتِ نگاہِ گنہ گار دیکھ کر
آئینہ رکھ کے آپ بھی سجدے میں جھک گئے
اب کیا کہیں گے کافر و دیں دار دیکھ کر
گردن ہی اپنی جب کسی قابل نہ ہوگی یاسؔ
پھر کیا بڑھے گا دل رسن و دار دیکھ کر

❁

رہے دنیا میں محکومِ دلِ بے مدعا ہو کر
خوشا انجام اٹھے بھی تو محرومِ دعا ہو کر
وطن کو چھوڑ کر جس سرزمیں کو میں نے عزت دی
وہی اب خون کی پیاسی ہوئی ہے کربلا ہو کر
بتاؤ، ایسے بندے پر ہنسی آئے کہ غیض آئے
دعا مانگے مصیبت میں جو قصداً مبتلا ہو کر
کھلا آخر فریبِ مے چلا جب درد کا ساغر
بندھا زورِ خمار اندیشۂ روزِ جزا ہو کر
نگاہِ یاسؔ میں گویا دوبارہ زندگی پائی
جو چونکا خوابِ غفلت کے مزے سے آشنا ہو کر

آنکھ جھک جاتی ہے خار و گل کو باہم دیکھ کر
دیدنی نا دیدنی دونوں کو توأم دیکھ کر

ہنستے ہیں افسردہ دل نیرنگِ عالم دیکھ کر
اہلِ دل کو مبتلائے شادی و غم دیکھ کر

آنکھ والے راہ میں حیرت کے پتلے بن گئے
کچھ نہ سوجھا خاک کے پتلوں کا عالم دیکھ کر

گرد کے ہمراہ رنگِ عارضی بھی ڈھل گیا
روئے گل ہے غرقِ خجلت فیضِ شبنم دیکھ کر

واہ ری وارفتگی، جاتی رہی سب بھوک پیاس
چشمِ بلبل سے گلوں کو غرقِ شبنم دیکھ کر

رنگ لائی گرم بازاری ہوائے دہر کی
روئے گل تونسا ہوا ہے قحطِ شبنم دیکھ کر

نقش بر دیوارِ زنداں ہیں اسیرانِ بلا
چپ لگی ہے دل میں اک ہنگامۂ غم دیکھ کر

اس طرف سات آسماں اور اس طرف اک ناتواں
تم نے کروٹ تک نہ لی دنیا کو برہم دیکھ کر

صلح کر لی چرخ نے آخر دلِ مظلوم سے
انتقامِ حشر کے آثار پیہم دیکھ کر

حد کو پہنچا کر رہے گا پائے نا فرماں مجھے
سست پڑنے کا نہیں زنجیرِ محکم دیکھ کر

منزلِ موہوم ضد سے دور کھنچتی ہی گئی
گرم رفتارِ مؤخر کو مقدم دیکھ کر

بے خودی میں آبلہ پا بھی بگولے بن گئے
منزلِ موہوم کو شاید مجسم دیکھ کر

انتقامِ قدرتِ خاموش آڑے آ گیا
شعلہ و پروانہ کی وہ جنگِ پیہم دیکھ کر
دردِ دل یاسؔ آپ کیا روئے در و دیوار سے
چھیڑنا تھا قصۂ غم گوشِ محرم دیکھ کر

❁

قفس میں بوئے مستانہ بھی آئی دردِ سر ہو کر
نویدِ ناگہاں پہنچی ہے مرگِ منتظر ہو کر
نگاہِ شوق سے کیا کیا گلوں کا دل دھڑکتا ہے
مبادا رنگ و بو اڑ جائے پامالِ نظر ہو کر
زمانے کی ہوا بدلی، نگاہِ آشنا بدلی
اٹھے محفل سے سب بیگانۂ شمعِ سحر ہو کر
کہاں پر نارسائی کی ہے پروانوں کی قسمت نے
پڑے ہیں منزلِ فانوس پر بے بال و پر ہو کر
مقدر اس مسافر کا، طلب جس کی نہیں ہوتی
نصیبوں میں ہو گم راہی گنہ گارِ سفر ہو کر
جواب آیا تو کیا آیا؟ صدائے بازگشت آئی
دہن سے آہ نکلی مبتدائے بے خبر ہو کر
فلک کو دیکھتا ہوں اور زمیں کو آزماتا ہوں
مسافر در وطن، خانہ بدوشِ رہ گزر ہو کر
عدو کیا زہر دیتا ہے ہم ایسے تلخ کاموں کو؟
لہو کا گھونٹ اتر جاتا ہے جب شیر و شکر ہو کر
خود اپنے خاک وخوں میں لوٹ کر آلودۂ دنیا
پڑا ہے اب گڑھے میں گور کے آلودہ تر ہو کر

خدا معلوم اس آغاز کا انجام کیا ہوگا
چھڑا ہے سازِ ہستی مبتدائے بے خبر ہو کر
دیارِ بے خودی میں امتیازِ روز و شب معلوم
بلا آئی ہے بدمستوں پہ شامِ بے سحر ہو کر
رہائی کا خیالِ خام ہے یا کان بجتے ہیں ؟
اسیرو، بیٹھے کیا ہو گوش بر آواز در ہو کر
مبارک نامِ آزادی، سلامت دامِ آزادی
دعائیں دوں کسے یارب اسیر بال و پر ہو کر
عجب کیا، وعدۂ فردا پسِ فردا ٹل جائے
کوئی شام اور آ جائے نہ شامِ بے سحر ہو کر
نگاہِ یاسؔ کا عالم جو آگے تھا سو اب بھی ہے
ہزاروں گل کھلے بازیچۂ شام و سحر ہو کر

زمیں کروٹ بدلتی ہے بلائے ناگہاں ہو کر
عجب کیا سر پہ آئے پاؤں کی خاک آسماں ہو کر
زبانِ دل خراش و داستانِ ظلم،ارے توبہ!
دہلتا ہے قفس، ہنگامہ زارِ الاماں ہو کر
خزاں کے دور میں دل کی لگی بجھتی تو کیا بجھتی
ہمیں خود آشیاں سے اڑ گئے ہوتے دھواں ہو کر
نویدِ خشک سن کر جن کے منھ سے پھول جھڑتے تھے
چمن کو صبر کر بیٹھے وہ آخر بدگماں ہو کر
وبالِ رنگ و بو سے چھوٹتے ہی پر نکالیں گے
گراں بارِ بہار آخر، سبک دوشِ خزاں ہو کر

زمانے بھر کا منھ تکتے ہیں کیوں؟ اپنی طرف دیکھیں
بسر کرنا ہے جن کو رنگ و بوئے رائگاں ہو کر
پرائے درد کی کوئی نگہبانی کرے کب تک
حقیقت کھل نہ جائے اضطرابِ رازداں ہو کر
ہزاروں شمعیں، لاکھوں دل تری محفل میں جلتے ہیں
جلیں گبر و مسلماں کیوں نہ یک دل، یک زباں ہو کر
جہنم ہو کہ جنت، طائرِ جاں تھم نہیں سکتا
کہیں پرواز کی حد مل سکے گی لامکاں ہو کر
خودی کی کیفیت سے چونکتے ہی دیکھتا کیا ہوں
کہ اترا نشۂ ہستی خمارِ جاوداں ہو کر
پیامِ غفلتِ جاوید ہے جلوہ حقیقت کا
سما جائے نہ آنکھوں میں کہیں خوابِ گراں ہو کر
اٹھو اے سونے والو، سر پہ دھوپ آئی قیامت کی
کہیں یہ دن نہ ڈھل جائے نصیبِ دشمناں ہو کر
ارے او جلنے والے، کاش جلنا ہی تجھے آتا
یہ جلنا کوئی جلنا ہے کہ رہ جائے دھواں ہو کر
بہارِ لکھنؤ کو خونِ دل سے کس نے سینچا ہے
خدا لگتی بھی کہہ دے گا کوئی پتا زباں ہو کر
پھڑکتے ہیں مگر بے درد منھ سے کچھ نہیں کہتے
نگاہ یاسؔ نے مارا ہے دردِ بے زباں ہو کر

❁

وطن کی ہے ہوا سر میں، وطن کی خاک دامن پر
گریباں چاک کر لیتا ہوں یادِ دوست و دشمن پر

نہ ترکِ اختیار آساں نہ ضبطِ اضطرار آساں
یہی دستِ دعا جھلا کے اٹھ جاتا تھا دشمن پر
پسینا تک نہیں آتا تو ایسی خشک توبہ کیا
ندامت وہ کہ دشمن کو ترس آ جائے دشمن پر
وفا پر بدگمانی کا گماں اب تک نہیں ہوتا
ہنوز اک حسنِ ظن ہے اپنے دل کو حسنِ بدظن پر
شکستِ نشہ و کیفِ ندامت، واہ کیا کہنا
بجائے مے ٹپکتا ہے زُلالِ اشک دامن پر
نگاہِ بے نیازی نے دکھایا راستہ سیدھا
بھٹکتا کوئی کب تک جادۂ شیخ و برہمن پر؟
فریبِ چشمِ احول سے ہوس دونی ہوئی دل کی
مگر کیا دسترس دنیا کے رنگا رنگِ خرمن پر؟
ہوئے کیوں بارِ خاطر خود بخود گل ہائے پژمردہ
ڈھیے پڑتے ہیں آپ آپ کیوں گل چیں کے دامن پر؟
خدا جانے اجل کو پہلے کس پر رحم آئے گا
گرفتارِ قفس پر یا گرفتارِ نشیمن پر؟
دہائی کھینچنے والو، قفس سے لاگ رکھنا کیا
مبادا آگ برسے، آنچ آ جائے نشیمن پر
زہے معراجِ انسانی کہ بندہ ہوں تو اپنا ہوں
چڑھایا خود پرستی نے نگاہِ دوست و دشمن پر
کجا طرزِ یگانہؔ اور کجا اندازِ بیگانہ
بجا ہے رشک تم جیسوں کو ایسے صاحبِ فن پر

زحمتِ سجدہ ہے فضول بت کدۂ مجاز میں
ہوگی نماز کیا قبول، کعبۂ خانہ ساز میں

دیکھ کے حسنِ خوب و زشت، انجمنِ مجاز میں
ہوش و خرد ہیں مبتلا زحمتِ امتیاز میں

مارے پڑے ہیں بوالہوس جلوہ گہِ مجاز میں
کھائی شکست کوششِ فتح، طلسمِ راز میں

واہ رے مطمحِ نظر، واہ ری سیرِ مختصر
کعبے سے دیر کا سفر، زندگیِ دراز میں

خانۂ کعبہ الفراق، قبرِ حسین الوداع
رہ چکے ہم عراق میں بس چکے ہم حجاز میں

حسرتِ بال و پر بڑھی لہر سی دوڑنے لگی
بوئے قفس نواز سے طبعِ ہوس نواز میں

وعدۂ دل فریب یا مژدۂ بعدِ وقت سے
آئے گا انقلاب کیا خاطرِ بے نیاز میں

نفس سے گفتگوئے صلح، جنگِ خلافِ مصلحت
کوئی نہ کوئی فیہ ہے عقلِ زمانہ ساز میں

داورِ حشر ہوشیار، دونوں میں امتیاز رکھ
بندۂ نا امید اور بندۂ بے نیاز میں

ہوتا ہے بند ایک در، کھلتے ہیں صد ہزار در
اپنی طرف سے شک نہ کر نیتِ کارساز میں

بندۂ خود شناس ہے اپنے ہی پیرہن میں مست
بوئے خودی کو دخل کیا پیش گہِ ایاز میں

اف رے تصرفاتِ عشق، آگ لگے دھواں نہ ہو
ڈوبے ہوئے ہیں سنگِ دل، لذتِ سوز وساز میں

یادِ خدا کا وقت بھی آئے گا کوئی یا نہیں
یادِ گناہ کب تلک شام و سحر نماز میں ؟
سجدۂ اولیں میں یاسؔ پا گئے دادِ بندگی
شادی ☆ مرگ ہو گئے عید کے دن نماز میں

☆ ''بعض لوگ اس شعر میں 'شادی مرگ' کو باضافت پڑھتے ہیں، حالانکہ یہاں اضافت مقلوب ہے۔ 'شادیِ مرگ' پڑھنا غلط ہے۔ یہاں مصنف نے ایک عروضی نکتہ رکھا ہے۔ جو لوگ عروض سے واقف نہیں، انہیں یہ مصرع ناموزوں معلوم ہوگا۔'' (حاشیہ مشمولہ آیاتِ وجدانی، محاضرات از مرزا مراد بیگ شیرازی، طبع اول، صفحہ نمبر ۱۹۴)

حسنِ فطرت بولتا ہے پردۂ اسرار میں
معنیِ بے لفظ پنہاں ہیں زبانِ خار میں
ذوق جب تک ہے جبھی تک ہے بہارِ رنگ و بو
دل ہے جب تک دل جبھی تک ہے کھٹک بھی خار میں
یادِ ایامے کہ تھا زندوں میں اپنا بھی شمار
زور تھا اپنے قلم میں ،باڑھ تھی تلوار میں
عمر گھٹنے کے لیے ہے، وقت کٹنے کے لیے ہے
مفت دن گننے کو ہم پکڑے گئے بیگار میں
خوابِ شیریں کی ہوس کیا؟ خوابِ بد کا خوف کیا؟
آ چکی اب نیند اپنے دیدۂ بیدار میں
نشۂ یک رنگ میں دونوں ہیں کیا ڈوبے ہوئے
کیسی جنگِ زرگری ہے کافر و دیں دار میں
غفلتِ امروز میں اندیشۂ فردا ہو گم
نشہ اتنا ہو کم از کم وعدۂ دیدار میں
نا خدا کچھ زورِ طوفاں آزمائی بھی دکھا
فکرِ ساحل چھوڑ، لنگر ڈال دے منجدھار میں

یاس گمراہی سے اچھی زحمتِ واماندگی
ڈال لو زنجیر کوئی پائے کج رفتار میں

کیا چل سکے گی بادِ مخالف مزار میں؟
جلتا ہے دل جلوں کا چراغ اس دیار میں
بجلی سی دوڑنے لگی پھر جسمِ زار میں
دیواریں پھاندنے لگے وحشی بہار میں
الٹی ہوا زمانے میں چلتی ہے آج کل
فرق آ گیا ہے گردشِ لیل و نہار میں
ہنستے ہیں اپنے حال پہ دیوانے آپ کے
رہتے ہیں مست پیرہنِ تار تار میں
یوسف کو لے اڑے نہ کہیں بوئے پیرہن
اخفائے حسن و عشق نہیں اختیار میں
دین دار و بت پرست اترتے ہیں ایک گھاٹ
کیا معجزہ ہے جنبشِ ابروئے یار میں
منزل کی دھن میں آبلہ پا چل کھڑے ہوئے
شورِ جرس سے دل نہ رہا اختیار میں
ہنستا ہے ناخدا مرے انجامِ کار پر
کشتیِ عمر جب نہ رہی اختیار میں
کس کل پہ ہے یہ خاک کا پتلا بنا ہوا
کیا جانیں کیا طلسم ہے مشتِ غبار میں
لیلیٰ کجا، کجا یہ طلسماتِ عنصری
کیا ڈھونڈتا ہے پردۂ گرد وغبار میں

پیوندِ خاک ہونے کا اللہ رے اشتیاق
اترے ہم اپنے پاؤں سے اپنے مزار میں
شرمندۂ کفن نہ ہوئے آسماں سے ہم
مارے پڑے ہیں سایۂ دیوارِ یار میں
کہتے ہو اپنے فعل کا مختار ہے بشر
اپنی تو موت تک نہ ہوئی اختیار میں
دنیا سے یاسؔ جانے کو جی چاہتا نہیں
واللہ کیا کشش ہے اس اجڑے دیار میں

مجذوب کی بڑ

ہارنے والے کبھی کافر و دیں دار نہیں
کشتیاں لڑتے ہیں اب ہاتھ میں تلوار نہیں
فاقہ مستی میں یہ ہو حق کہ الٰہی توبہ
نشہ ایسا کہ اترنے کے کچھ آثار نہیں
سب اسیرانِ قفس گاتے ہیں صیاد کا گن
کون اس بھول بھلیاں میں گرفتار نہیں
کشتیِ دل ہے کہ بازیچۂ طوفانِ ہوس
دور تک ساحلِ امید کے آثار نہیں
لائے گی غفلتِ امروز قیامت کی خبر
بختِ بیدار کجا، فتنہ بھی بیدار نہیں
اپنا گھر پانی زمیں اپنا فلک بیگانہ
آشنا کوئی بجز سایۂ دیوار نہیں
وقت کی بات ہے وقت آئے تو سب آساں ہے
سہل تو سہل ہے دشوار بھی دشوار نہیں

بد دعا کرتا ہوں ناحق کبھی کرتا ہوں دعا
یاس کیا کیجیے جب ہاتھ میں تلوار نہیں
"بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

❁

دستِ شل کو دخل ناممکن خطِ تقدیر میں
جائے نقطہ بھی نہیں باقی کسی تحریر میں
دیکھیے انجام کیا ہو ہستیِ موہوم کا
پڑ گیا ہے اختلاف اس خواب کی تعبیر میں
خودکشی بھی بن نہ آئی پھر دوا پینا پڑی
ہائے یہ تلخی کہاں تھی زہرِ بے تاثیر میں
کافر و دیں دار میں ہے رشتۂ واحد وہی
سب کے سب جکڑے ہوئے ہیں ایک ہی زنجیر میں
آئنہ دکھلا رہا ہے صورت آبادِ جہاں
حسنِ معنی جلوہ گر ہے پردۂ تصویر میں
شوخیاں کیا کیا دکھائیں حسنِ مشتِ خاک نے
عالمِ جاں سے نکل کر عالمِ تصویر میں
خاک کا پتلا بھی یوں باتیں بناتا؟ کیا مجال!
راز ہے پنہاں کوئی اس بولتی تصویر میں
اصل کے آگے فریبِ نقل چل سکتا نہیں
بوئے مستانہ کہاں پیراہنِ تصویر میں

❁

نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن ہم اپنا کام کرتے ہیں
سویرے ہی سے دوراندیش، فکرِ شام کرتے ہیں

چلیں کیوں دوڑ کر ناداں جو ایسی ٹھوکریں کھائیں
بلند و پستِ عالم کا عبث بدنام کرتے ہیں
جنم میں بھی جلنے کے لیے حاضر ہیں پروانے
کہیں اہل ہوس اندیشۂ انجام کرتے ہیں
تمھارے واسطے کعبہ تو کیا ہے دل بھی حاضر ہے
مسلماں بھی کہیں پروائے ننگ و نام کرتے ہیں
یہ کس کے سر رہے گا خونِ ناحق بے گناہوں کا
وفاداروں کی ضد سے آپ قتل عام کرتے ہیں
بجھائے کون اب دل کی لگی شوقِ شہادت میں
ہم اپنے ہاتھ سے لب ریز اپنا جام کرتے ہیں
ہزاروں مر کے زندہ ہو چلے کوئے تمنا میں
ہم ایسے سخت جاں اس خاک کو بدنام کرتے ہیں
دلِ ویراں نہیں اک محشرستانِ تخیل ہے
اِسی زنداں سے ہم سیرِ ہجومِ عام کرتے ہیں
دلِ وحشی بغیر ان کے نہ بہلا ہے نہ بہلے گا
یہ کس دیوانے کی خدمت وہ میرے نام کرتے ہیں
نہیں دیکھا ہے لیکن غائبانہ لاگ ہے دل کو
جبھی تو لوگ تیرا ذکر صبح و شام کرتے ہیں
مبارک ہو مصور کو تری تصویر کا سودا
کہیں اہلِ نظر ایسا خیالِ خام کرتے ہیں
نگاہوں سے گرایا یاس کو کم بخت اسی دل نے
اِسی دل کی بدولت لوگ کیا کیا کام کرتے ہیں

موسمِ گل میں جو خاموش رہا کرتے ہیں
وہ بھی اک معنیِ بے لفظ ادا کرتے ہیں

رسمِ دنیا نہ سہی فرض ادا کرتے ہیں
ہاتھ اٹھے یا نہ اٹھے دل سے دعا کرتے ہیں

حضرتِ دل ہیں عجب ظالمِ مظلوم نما
گھر جلا کر کفِ افسوس ملا کرتے ہیں

دیکھنا یہ ہے کہ سر گشتۂ سعیِ باطل
کیا علاجِ دلِ دیوانہ نما کرتے ہیں

عمرِ بیداریِ موہوم کے دھوکے میں کٹی
اب جو چونکے ہیں تو آپ اپنا گلہ کرتے ہیں

لذتِ مژدۂ فردا میں جو ہیں ڈوبے ہوئے
طعنۂ غفلتِ امروز سنا کرتے ہیں

پاؤں ٹوٹے ہیں مگر آنکھ ہے منزل کی طرف
کان اب تک ہوسِ بانگِ درا کرتے ہیں

دیکھ کر دور سے مستقبلِ روشن کی جھلک
جان نظارۂ اول پہ فدا کرتے ہیں

بے اجل منزلِ فانوس پہ مرنے والے
جان کیا دیتے ہیں اک رسم ادا کرتے ہیں

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چکے، اب ترکِ دعا کرتے ہیں

ناخدا تیرے ارادوں میں خدا برکت دے
یاسؔ اک مرتبہ پھر قصدِ دعا کرتے ہیں

بندۂ فطرتِ مجبور ہوں مختار نہیں
ہاں ندامت میں ہے شک، جرم سے انکار نہیں
روشِ خامۂ قسمت کبھی ہموار نہیں
گردشِ بختِ سیہ گردشِ پرکار نہیں
شش جہت میں ہے ترے جلوۂ بے فیض کی دھوم
کان مجرم ہیں مگر آنکھ گنہ گار نہیں
اے زہے بخت کہ سر تیری امانت کے سوا
نشۂ دولتِ دنیا سے گراں بار نہیں

جادے کو کاروانِ عدم کی خبر نہیں
ایسے گئے کہ نقشِ قدم کا اثر نہیں
سنتا ہوں آپ خانۂ دل میں ہیں جلوہ گر
دیوار درمیاں ہے مگر کچھ خبر نہیں
کعبہ نیا بناؤ مرے دل کو توڑ کر
اے مہرباں، اب آپ کے قابل یہ گھر نہیں
آ جائے تیرا نام زباں پر تو کیا عجب
اب اپنے اختیار میں دردِ جگر نہیں
کعبہ نہیں کہ ساری خدائی کو دخل ہو
دل میں سوائے یار کسی کا گزر نہیں
خوشبو پر اپنی جامے سے باہر ہوئے ہیں گل
جوبن پر آج مست ہیں کل کی خبر نہیں

فخریہ

کون ہوں، کیا ہوں، مجھے بھی دیکھ لیں اہلِ نظر
کوچہ گردِ لکھنؤ، خاکِ عظیم آباد ہوں
مردِ جاہل ہوں مگر جہلِ مرکب سے بری
شخصِ خود بیں ہوں نہ میں خود ساختہ استاد ہوں
ہوں ادب پروردۂ بیتابؔ، فخرِ روزگار
ناز اس پر ہے کہ خاکِ آستانِ شادؔ ہوں
شیرؔ و رنجورؔ و تمناؔ و مبارکؔ کا غلام
خادمِ امدادؔ ہوں، میں بندۂ آزادؔ ہوں
میرے محسن ہیں نہالؔ و شائقؔ و شیداؔ و رازؔ
یاد ہیں مجھ کو تو سب، میں بھی کسی کو یاد ہوں؟
جان سے بڑھ کر سمجھتے ہیں مجھے یاسؔ اہلِ دل
آبروئے لکھنؤ، خاکِ عظیم آباد ہوں
لکھنؤ کے فیض سے ہیں دو دو سہرے میرے سر
اک تو استادِ یگانہ، دوسرے داماد ہوں

❁

موجِ ہوا سے خاک اگر آشنا نہ ہو
دنیائے گرد باد کی نشو و نما نہ ہو
صورت نہ پکڑے جلوۂ بے معنیٔ حباب
قطرہ اگر اسیرِ طلسمِ ہوا نہ ہو
دل کو جلا کے سرمۂ بینش بنائیے
آنکھوں سے معرفت کا اگر حق ادا نہ ہو

ایسا نہ ہو کہ تھک کے کہیں بیٹھ جائے دل
دیر و حرم میں گم نگہِ نارسا نہ ہو
پار اترے کیا دو آبۂ امید و بیم سے
جب تک یگانہ دل کو یقینِ خدا نہ ہو
شکل اس کی دیدنی بھی ہے نادیدنی بھی ہے
جو تجھ کو جانتا ہو، مگر مانتا نہ ہو
سجدہ وہ کیا کہ سر کو جھکا کر اٹھا لیا
بندہ وہ ہے جو بندہ ہو بندہ نما نہ ہو
آمین تک زباں سے نکلتی نہیں، یہ کیا
مغرور اتنا اے دلِ بے مدعا نہ ہو
احسان کس کا مانیے کس کا نہ مانیے
پردے میں نا خدا کے کوئی دوسرا نہ ہو
دل کھول کر تڑپنے دے، اے صبر الوداع!
پرہیز کیوں کروں جب امیدِ شفا نہ ہو
امیدِ صلح کیا ہو کسی حق پرست سے
پیچھے وہ کیا ہٹے گا جو حد سے بڑھا نہ ہو
دل نشۂ خودی میں پڑا جھومتا ہے کیا
زور آزمائی کو کوئی درد اٹھ کھڑا نہ ہو
پچھلا پہر ہے کاتبِ اعمال ہو شیار!
آمادۂ گناہ کوئی جاگتا نہ ہو
یاس آپ کو خدا کی خدائی سے کیا غرض
وحدت سرائے دل میں کوئی دوسرا نہ ہو

تارِ نظر نے باندھ لیا ہے بہار کو
نیرنگیِ تصورِ بے اعتبار کو

نامِ خزاں پہ یاسؔ لٹا دو بہار کو
بازیچۂ دو رنگیِ لیل و نہار کو

دے کچھ تو دادِ طبع ندامت شعار کو
کیا دیکھتا ہے لغزشِ بے اختیار کو

دیدار تو دکھائے کہیں صبحِ منتظر
حاضر ہے سر بھی سجدۂ بے اختیار کو

خانہ خرابِ عشق نے دل میں پناہ لی
دارالاماں سمجھ کے اس اجڑے دیار کو

کچھ ہوش ہو تو آنکھوں ہی آنکھوں میں تولیے
آغازِ پرفریب سے انجامِ کار کو

دل نے بزورِ عشق لگایا ہے راہ پر
گم گشتگانِ غم کدۂ روزگار کو

بیگانہ وار ایک ہی رخ سے نہ دیکھیے
دنیا کے ہر مشاہدۂ ناگوار کو

میزانِ عدل آئی اب ایسوں کے ہاتھ میں
کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولوں کے ہار کو

یاد آئی آشیانۂ پر خار کی خلش
دل ڈھونڈتا ہے پھر اسی اجڑے دیار کو

مہندی بندھی نہیں مرے پائے خیال میں
چاہوں تو کھینچ لاؤں گزشتہ بہار کو

حیرت نے شش جہت میں نظر بند کر دیا
نامحرمِ طلسمِ خزان و بہار کو

آج آشیاں بھی ان پہ ہے مارے خوشی کے تنگ
روتے تھے کل جو کشمکشِ ناگوار کو

بادِ سحر کجا، پرِ پروانہ شام سے
بھڑ کا رہے تھے شعلۂ بے اختیار کو

سہو و خطا ودیعتِ فطرت سہی مگر
سمجھاؤں کیا ضمیرِ ملامت شعار کو

اللہ رے اختیار کہ آمادہ کر لیا
فکرِ محال پر دلِ بے اختیار کو

ساحل کہاں دو آبۂ امید و بیم کا
تہ پر بٹھا دو یاسؔ دلِ بے قرار کو

❁

نظر آئے گا کیا ظلمت کدے میں چشمِ حیراں کو
اندھیرے کا اجالا جانیے خوابِ پریشاں کو

یہ کس نے گرم رفتارِ فنا کی راہ کھوٹی کی؟
بٹھا کر پردۂ فانوس میں شمعِ شبستاں کو

دلِ بیدار گھبرائے نہ کیوں اس اندھی نگری میں
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں اک دیارِ بے شبستاں کو

طلسمِ رنگ و بو کیسا؟ فریبِ آرزو کیسا؟
اٹھا کر رکھ دیا جب طاقِ نسیاں پر گلستاں کو

اسیروں کی یہ خاموشی کسی دن رنگ لائے گی
قفس سے چھوٹ کر سر پر اٹھالیں گے گلستاں کو

مزاجِ حسن بدلے، آسماں بدلے، زمیں بدلے
سزائے عشق کیا بدلے گی ذوقِ ناپشیماں کو

ترا دیوانہ کیوں آزادیِ موہوم کی دُھن میں
سر اپنا آپ پھوڑے توڑ کر زنجیرِ احساں کو
دلِ بے حوصلہ کیا اور شوقِ خیر مقدم کیا
بتا دیتا ہے رستہ خانۂ دربستہ مہماں کو
سراپا غرق ہو کر لذتِ ترکِ تماشا میں
دکھاؤں گا تماشا ایک دن حسنِ پشیماں کو
گرفتارانِ ساحل کود پڑتے ڈر نکل جاتا
کبھی تو زیستِ مشکل آزماتی مرگِ آساں کو
مبارک ہو مبارک، ساحلِ رحمت پہ دم لینا
قدم مارا تو ڈر کیا، پیر جا دریائے عصیاں کو
دلِ دیوانہ مجھ کو کس بلا کے بن میں لے آیا
اسی میں خیر ہے، پھر لے چل الٹے پاؤں زنداں کو
گناہِ بے حقیقت کو قلم نے کتنا چمکایا
پھڑک اٹھتا ہوں جب دیکھتا ہوں فردِ عصیاں کو
ارادے سے عمل تک کچھ تو اپنا دسترس ہوتا
بغل میں پالتے کیوں یاس دل سے دشمنِ جاں کو

❁

اپنی ہستی خود ہم آغوشِ فنا ہو جائے گی
موجِ دریا آپ ساحل آشنا ہو جائے گی
تہ کا اندیشہ رہے گا پھر نہ ساحل کی ہوس
دل سے جب قطعِ امیدِ بے وفا ہو جائے گی
شب کی شب بزمِ طرب ہے پردہ دارِ انقلاب
صبح تک آئینۂ عبرت نما ہو جائے گی

جانِ ایماں ہے ابھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی
کیفیت میں ڈوب کر کیا جانے کیا ہو جائے گی

❁

کارگاہِ دنیا کی نیستی بھی ہستی ہے
اک طرف اجڑتی ہے، ایک سمت بستی ہے
بے دلوں کی ہستی کیا، جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
خواب ہے نہ بیداری، ہوش ہے نہ مستی ہے
کیا بتاؤں کیا ہوں میں ،قدرتِ خدا ہوں
میری خود پرستی بھی عینِ حق پرستی ہے
کیمیائے دل کیا ہے،خاک ہے مگر کیسی؟
لیجیے تو مہنگی ہے، بیچیے تو سستی ہے
خضرِ منزل اپنا ہوں، اپنی راہ چلتا ہوں
میرے حال پر دنیا کیا سمجھ کے ہنستی ہے
کیا کہوں سفر اپنا ختم کیوں نہیں ہوتا
فکر کی بلندی یا حوصلے کی پستی ہے
حسنِ بے تماشا کی دھوم کیا معما ہے
کان بھی ہیں نامحرم آنکھ بھی ترستی ہے
چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا
چال سے تو کافر پر سادگی برستی ہے
ترکِ لذتِ دنیا کیجیے تو کس دل سے؟
ذوقِ پارسائی کیا؟ فیضِ تنگ دستی ہے
دیدنی ہے یاسؔ اپنے رنج و غم کی طغیانی
جھوم جھوم کر کیا کیا یہ گھٹا برستی ہے

❁

لپٹتی ہے بہت یادِ وطن جب دامنِ دل سے
پلٹ کر اک سلامِ شوق کر لیتا ہوں منزل سے
نظر آئے جب آثارِ جدائی رنگِ محفل سے
نگاہِ یاسؔ بیگانہ ہوئی یارانِ یک دل سے
ابھرنے کے نہیں، بحرِ فنا میں ڈوبنے والے
درِ مقصود ہی گم ہے تو پھر کیا کام ساحل سے
تصور لالہ و گل کا خزاں میں بھی نہیں ملتا
نگاہِ شوق وابستہ ہے اب تک نقشِ باطل سے
نہیں معلوم، کیا لذت اٹھائی ہے اسیری میں
دلِ وحشی پھڑک اٹھتا ہے آوازِ سلاسل سے
کسی شے میں نہ ہوگی بادۂ عرفاں کی گنجائش
لڑا لے ساغرِ جم کو بھی کوئی شیشۂ دل سے
تصور نے دکھایا شاہدِ مقصود کا جلوہ
اتر آئی ہے لیلیٰ سرزمینِ دل پہ محمل سے
رہے گی چار دیوارِ عناصر درمیاں کب تک
اٹھے گا زلزلہ اک دن اسی بیٹھے ہوئے دل سے
کہاں تک پردۂ فانوس سے سر کی بلا ٹلتی
ازل سے لاگ تھی بادِ فنا کو شمعِ محفل سے
یہیں سے سیر کر لو یاسؔ اتنی دور کیوں جاؤ
عدم آباد کا ڈانڈا ملا ہے کوئے قاتل سے

موت آئی، آنے دیجیے، پروا نہ کیجیے
منزل ہے ختم، سجدۂ شکرانہ کیجیے
زنہار ترکِ لذتِ ایذا نہ کیجیے
ہرگز گناہِ عشق سے توبہ نہ کیجیے
ناآشنائے حسن کو کیا اعتبارِ عشق
اندھوں کے آگے بیٹھ کے رویا نہ کیجیے
تہ کی خبر بھی لائیے ساحل کے شوق میں
کوشش بقدرِ ہمتِ مردانہ کیجیے
وہ دن گئے کہ دل کو ہوس تھی گناہ کی
یادش بخیر، ذکر اب اس کا نہ کیجیے
ساون میں خاک اڑتی ہے دل ہے رندھا ہوا
جی چاہتا ہے گریۂ مستانہ کیجیے
دیوانہ وار دوڑ کے کوئی لپٹ نہ جائے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھا نہ کیجیے

ہجومِ یاس سے دل کا یہ حال ہوتا ہے
شہید جیسے کوئی پائمال ہوتا ہے
فریبِ نفس کا جب احتمال ہوتا ہے
تو فرقِ عشق و ہوس بھی محال ہوتا ہے
بقدرِ حوصلہ ملتی ہے دادِ عشق و ہوس
مزاجِ حسن میں کیا اعتدال ہوتا ہے
یہ عیب ہے کہ مٹائے سے مٹ نہیں سکتا
وہ حسن ہے جو سریع الزوال ہوتا ہے

یہ کیا صفت ہے کہ ایک ایک خاک کا پتلا
جہاں میں آپ ہی اپنی مثال ہوتا ہے
نئی زمین، نیا آسماں، نئی دنیا
عجیب شے یہ طلسمِ خیال ہوتا ہے
کتابِ عمر ہے گویا انیسِ تنہائی
نظر میں قصۂ ماضی و حال ہوتا ہے
خراب ہو چلی زندانِ آب وگِل کی ہوا
اب ایک سانس بھی لینا محال ہوتا ہے
امید و بیم کا کوسوں پتا نہیں ملتا
خراب جب یہ طلسمِ خیال ہوتا ہے
خدا میں شک ہے تو ہو، موت میں نہیں کوئی شک
مشاہدے میں کہیں احتمال ہوتا ہے
بھڑکتی جاتی ہے شوقِ فنا میں شمع کی لو
نسیمِ صبح سے اور اشتعال ہوتا ہے
زلال و درد ہیں دونوں دوائے دردِ خمار
بس ایک گھونٹ میں چہرہ بحال ہوتا ہے
قفس میں ذکرِ نشیمن گناہِ بے لذت
نہ ہم زباں نہ کوئی ہم خیال ہوتا ہے
بہارِ عمر گزشتہ پہ بھیجیے صلوات
خزاں میں ذکرِ خزاں حسبِ حال ہوتا ہے
خزاں کی ضد پہ یہ باندھی ہے باغباں نے کمر
چمن کو آگ لگا کر نہال ہوتا ہے
نگاہِ یاس سے اوجھل ہے کاروانِ عدم
جرس کے شور سے دل پائمال ہوتا ہے

حال دونوں کا ہے غیر، اب سامنا مشکل کا ہے
دل کو میرا درد ہے اور مجھ کو رونا دل کا ہے
وحشت آبادِ جہاں میں دل بہلنے کا نہیں
رنگ کچھ پہلے ہی سے بے رنگ اس محفل کا ہے
واہ کیا کہنا ہے، اے کوتاہیِ دستِ ہوس!
دورِ آخر ہے مگر پاسِ ادب محفل کا ہے
جذبۂ صادق ہے اک صورت گرِ نازک خیال
جلوہ گاہِ دل، مرقع یار کی محفل کا ہے
رنگ لائی ہے بہارِ لالۂ خونیں کفن
صحنِ جنت اک نمونہ کوچۂ قاتل کا ہے
دھوپ میں ہیں تشنۂ دیدار لاکھوں جاں بلب
کیا قیامت خیز منظر کوچۂ قاتل کا ہے
کشتگانِ ناز اب کروٹ بدلنے کے نہیں
نیند گہری، منھ پہ سایہ دامنِ قاتل کا ہے
آپ کے بیمارِ غم نے سختیاں جھیلیں بہت
شب بخیر، اک اور دھاوا آخری منزل کا ہے
چار دیوارِ عناصر پھاندنا آساں نہیں
سخت مشکل مرحلہ زندانِ آب و گِل کا ہے
گم ہوئے ہوش و حواس ایسے محیطِ عشق میں
ڈوبنے والوں کو اب تہ پر گماں ساحل کا ہے
سیکڑوں آوارۂ صحرا نظر آئے مگر
کوئی صورت آشنا بھی صاحبِ محمل کا ہے؟
چشمِ نامحرم سے غافل، روئے لیلی ہے نہاں
ورنہ اک دھوکا ہی دھوکا پردۂ محمل کا ہے

حضرتِ مجنوں کجا، نظارۂ لیلیٰ کجا
ایک پردہ آنکھ کا ہے دوسرا محمل کا ہے
بھاگتا ہے یار آغوشِ تصور سے بھی دور
کیا ٹھکانا یاسؔ اس اندیشۂ باطل کا ہے

ارے یہ کھیل ہیں یا شاہ کار قدرت کے؟
نکل سکے نہ کوئی دو بھی ایک صورت کے
خدا پرست بھی بندے ہیں حسنِ فطرت کے
سمجھ میں آئے نہ راز اس طلسمِ حیرت کے
ازل سے کیوں تپشِ بے سبب ہے ہر دل میں
کھلے نہ راز نہاں خانۂ حقیقت کے
دکھائی خوابِ پریشاں نے سیرِ رنگا رنگ
بھرم کھلے نہ طلسماتِ بے حقیقت کے
ہمیشہ منتظرِ انقلاب رہتے ہیں
مزاج داں ہیں جو ہنگامہ زارِ فطرت کے
بلند وپست برابر ہیں اپنی آنکھوں میں
خیالِ خام ہے یا ولولے ہیں ہمت کے
ٹھٹک رہے حرم دیر کے دوراہے پر
خلاف جا نہ سکے شاہ راہِ فطرت کے
پلٹ کے پھر وہی آوازِ باز گشت آئی
بڑھے نہ حوصلے فریادِ بے اجازت کے
دکھائی موت نے تصویرِ وعدۂ فردا
ہوائے شوق نے پردے اٹھائے غفلت کے

وطن تو کیا ہے، ہوائے وطن سے ہیں بیزار
لپٹ رہے جو بگولوں سے دشتِ غربت کے
گلا نہ کاٹ سکے اپنا، وائے ناکامی!
پہاڑ کاٹتے ہیں روز و شب مصیبت کے
زمیں پہ نور کے پتلوں نے کیوں ڈھئی دی ہے
کفن ملے تو سمجھنا دھنی تھے قسمت کے
سعادتِ ابدی ہے مشیتِ ازلی
ہوس فضول، بھروسے پہ حسنِ خدمت کے
اسی نے خاک کیا تھا، اسی نے پاک کیا
خوشا نصیب جو پالے پڑے محبت کے
نگاہِ یاس ہے آئینۂ غمِ فردا
نظر کے سامنے سامان ہیں قیامت کے

❁

غضب کی دھوم شبستانِ روزگار میں ہے
کشش بلا کی تماشائے ناگوار میں ہے
دکھائی آج ہی آنکھوں نے صورتِ فردا
خزاں کی سیر بھی ہنگامۂ بہار میں ہے
غبار بن کے لپٹتی ہے دامنِ دل سے
مٹے پہ بھی، وہی دل بستگی بہار میں ہے
دعائے شوق کجا، ایک ہاتھ ہے دل پر
اور ایک ہاتھ گریبانِ تار تار میں ہے
ہنوز گوش بر آوازِ غیر ہے کوئی
امیدوارِ ازل اب تک انتظار میں ہے

قسم ہے وعدۂ صبر آزمائے جا
کہ لذتِ ابدی ہے تو انتظار میں ہے
دوا میں اور دعا میں تو اب اثر معلوم
بس اک امیدِ اثر ضبطِ ناگوار میں ہے
چلے چلو دلِ دیوانہ کے اشارے پر
محال و ممکن سب اس کے اختیار میں ہے

❁

سلامت رہیں دل میں گھر کرنے والے
اس اجڑے مکاں میں بسر کرنے والے
گلے پر چھری کیوں نہیں پھیر دیتے؟
اسیروں کو بے بال و پر کرنے والے
اندھیرے اجالے کہیں تو ملیں گے
وطن سے ہمیں در بدر کرنے والے
چھپے دامنِ ابرِ رحمت میں آخر
سیہ کاریوں میں بسر کرنے والے
گریباں میں منھ ڈال کر خود تو دیکھیں
برائی پہ میری نظر کرنے والے
طلسمِ حوادث کی تہ کو نہ پہنچے
زمانے پہ گہری نظر کرنے والے
اس آئینہ خانے میں کیا سر اٹھاتے؟
حقیقت پر اپنی نظر کرنے والے
بہارِ دو روزہ سے دل کیا بہلتا
خبر کر چکے تھے خبر کرنے والے

کھڑے ہیں دوراہے پہ دیر وحرم کے
تری جستجو میں سفر کرنے والے
سرِ شام گل ہو گئی شمعِ بالیں
سلامت ہیں اب تک سحر کرنے والے
کجا صحنِ عالم، کجا کنجِ مرقد!
بسر کر رہے ہیں، بسر کرنے والے
یگانہؔ وہی فاتحِ لکھنؤ ہیں
دلِ سنگ و آہن میں گھر کرنے والے

آہِ بیمار کارگر نہ ہوئی
چرخ کانپا مگر سحر نہ ہوئی
صبحِ محشر ہوئی شبِ تاریک
صورتِ یار جلوہ گر نہ ہوئی
شبِ امید کٹ گئی لیکن
زندگی اپنی مختصر نہ ہوئی
دور سے آج ان کو دیکھ لیا
دل کو تسکیں ہوئی، مگر نہ ہوئی
آنکھوں آنکھوں میں لے لیا وعدہ
کانوں کان ایک کو خبر نہ ہوئی
اف ری چشمِ عتاب، اف رے جلال
برقِ سوزاں ہوئی نظر نہ ہوئی
فکرِ انجام و حسرتِ آغاز
دو گھڑی چین سے بسر نہ ہوئی

کھلنے والا نہیں درِ توبہ
فکرِ انجام وقت پر نہ ہوئی

ایسا رونا بھی کوئی رونا ہے
آستین آنسوؤں سے تر نہ ہوئی

ہٹ کے بالیں سے لوگ روتے ہیں
جیسے بیمار کو خبر نہ ہوئی

لٹ گیا سارا کاروانِ عدم
ایک کو ایک کی خبر نہ ہوئی

نیم جاں چھوڑ کر چلا قاتل
نگہِ یاسؔ کارگر نہ ہوئی

❁

اداسی چھا گئی چہرے پہ شمعِ محفل کے
نسیمِ صبح سے شعلے بھڑک اٹھے دل کے

شریکِ حال نہیں ہے کوئی تو کیا پروا
دلیل راہِ☆محبت ہیں ولولے دل کے

عجب نہیں کہ بپا ہو یہیں سے فتنۂ محشر
زمانے بھر میں ہیں سارے فساد اسی دل سے

نہ سنگِ میل، نہ نقشِ قدم، نہ بانگِ جرس
بھٹک نہ جائیں مسافر عدم کی منزل کے

خوشی کے مارے زمیں پر قدم نہیں رکھتے
جب آئے قافلے والے قریب منزل کے

نظارۂ رخِ لیلی مبارک اے مجنوں
نگاہِ شوق نے پردے اٹھائے محمل کے

مشاہدے کو اک آئینۂ جمال دیا
کمالِ عشق نے جوہر دکھا دیے دل کے
زبانِ یاسؔ سے افسانۂ سحر سنیے
وہ رونا شمع کا پروانوں سے گلے مل کے

☆دلیل راہ بمعنی رہ نما (یگانہ)

آغوش میں اب ان کو، کیا کھینچتی ہے دنیا
بیگانگی نے جن کو اپنا بنا لیا ہے
منزل کی فکر کیوں ہو، جب تو ہو اور میں ہوں
پیچھے نہ پھر کے دیکھوں کعبہ بھی ہو تو کیا ہے
دستِ دعا سے اٹھا پردہ جو درمیاں تھا
اٹھتی ہے آنکھ کیوں کر اب یہ بھی دیکھنا ہے
غواصِ رمزِ فطرت ساحل کے پاس، پہلے
غوطے لگا رہا تھا، اب غوطے کھا رہا ہے

ٹھوکریں کھلوائیں کیا کیا پائے بے زنجیر نے
گردشِ تقدیر نے جولانیِ تدبیر نے
عالمِ اسباب سے کیا فیض ناکامی ملا
راہ پر لا کر مجھے بھٹکا دیا تقدیر نے
کارواں کتنے بگولے بن کر غائب ہو گئے
خاک سے یکساں کیا جولاں گہِ تدبیر نے
باز آئے زندگی کے خوابِ رنگا رنگ سے
دست و پا گم کر دیے اندیشۂ تعبیر نے

داد خواہی کو اٹھا ہے ذرۂ پامال تک
سوتے فتنوں کو جگایا ہے حشرِ عالم گیر نے
ماتمِ حسرت کیا پہلے گریباں پھاڑ کر
پھر دعا دی دشمنوں کو دستِ بے شمشیر نے
جان دے کر ایک حکمِ آخری مانا تو کیا
لکھ دیا جب سرکشوں میں کاتبِ تقدیر نے
واہ کیا کہنا، مجسم کر دیا موہوم کو
نقش بندانِ ازل کی شوخیِ تحریر نے
جم گئی گردِ فنا ایسی کہ چھٹنے کی نہیں
کس غضب کا رنگ پکڑا یاسؔ کی تصویر نے

✽

سنگ دل بھی یاد کرتے ہیں تہ دل سے مجھے
فتحِ حق کی داد مل جاتی ہے باطل سے مجھے
ہمتِ عالی سلامت ہے تو اندیشہ ہو کیا
پائے در زنجیر سے یا پائے در گِل سے مجھے
بڑھ گئی قیدِ خودی پر اور اک قیدِ فرنگ
آزماتے ہیں وہ اب طوق و سلاسل سے مجھے
ہے کوئی ایسا، ملا دے شاہدِ مقصود سے
یوسفِ گم گشتۂ ویرانۂ دل سے مجھے
لگ گئی لو عالمِ بالا سے، آنکھیں کھل گئیں
مل گیا درسِ فنا جب شمعِ محفل سے مجھے
ناخدا اپنی سی کر گزرا مگر مجبور تھا
کھینچ لایا پھر درِ مقصودِ ساحل سے مجھے

خواب سے اندیشۂ فردا نے چونکایا تو کیا
غفلتِ امروز فرصت دے گی مشکل سے مجھے
دور سے ہنستے ہیں ظالم پا شکستہ جان کر
خیر مقدم کی صدا دیتے ہیں منزل سے مجھے
مانگنے دیتا نہیں پانی دلِ ایذا طلب
خوں بہا کیا مانگنے دے گا یہ قاتل سے مجھے
دردِ سر کی جستجو تھی دردِ دل حاصل ہوا
واہ کیا دولت ملی اس فکرِ باطل سے مجھے
جلوۂ بے رنگ تھا پردے کے اندر کچھ نہ تھا
حق بجانب تھا جو اندیشہ تھا محمل سے مجھے
دیدۂ دل بے نیازِ جلوۂ امید ہے
یاسؔ کیا دل بستگی اس نقشِ باطل سے مجھے

مزہ گناہ کا جب تھا کہ باوضو کرتے
بتوں کو سجدہ بھی کرتے تو قبلہ رو کرتے
کبھی نہ پرورشِ نخلِ آرزو کرتے
نمو سے پہلے جو اندیشۂ نمو کرتے
سنیں نہ دل سے تو پھر کیا پڑی تھی خاروں کو
کہ گل کو محرمِ انجامِ رنگ و بو کرتے
گناہ تھا بھی تو کیسا گناہِ بے لذت
قفس میں بیٹھ کے کیا یادِ رنگ و بو کرتے
بہانہ چاہتی تھی موت، بس نہ تھا اپنا
کہ میزبانیٔ مہمانِ حیلہ جو کرتے

دلیلِ راہ دلِ شب چراغ تھا تنہا
بلند وپست میں گزری ہے جستجو کرتے
ازل سے جو کششِ مرکزی کے تھے پابند
ہوا کی طرح وہ کیا سیرِ چار سو کرتے
فلک نے بھول بھلیوں میں ڈال رکھا تھا
ہم ان کو ڈھونڈتے یا اپنی جستجو کرتے
اسیرِ حال نہ مردوں میں ہیں نہ زندوں میں
زبان کٹتی ہے آپس میں گفتگو کرتے
پناہ ملتی نہ امیدِ بے وفا کو کہیں
ہوس نصیب اگر ترکِ آرزو کرتے
ازالہ دل کی نجاست کا اور کیا ہوتا
جلا کے خاک نہ کرتے تو کیا لہو کرتے؟
مزارِ یاسؔ پہ کرتے ہیں شکر کے سجدے
دعائے خیر تو کیا اہلِ لکھنؤ کرتے

❁

ہوش اڑتے ہیں دو رنگیِ لیل و نہار سے
فصلِ خزاں ہے دست و گریباں بہار سے
ہم دل جلوں کو راس نہ آئی ہوائے گل
اک آگ سی برستی ہے ابرِ بہار سے
آنکھ اپنی چرخِ عربدہ جو سے لڑی رہی
اٹکا نہ دل زمانۂ بے اعتبار سے
بانگِ جرس سے کیا عجب آگے نکل چلے
باہر ہے اپنی جانِ حزیں اختیار سے

تابِ نگاہ کی نہیں آنکھوں سے چشم داشت
کیا لَو لگائیں وعدۂ دیدارِ یار سے
آنکھوں کو بند کرکے تصور میں موت کے
پائی نجات کشمکشِ روزگار سے
یاسؔ اب ذلیل ہی کو سمجھتے ہیں سب عزیز
کانٹے چمن کے تلتے ہیں پھولوں کے ہار سے

❁

نگاہِ شوق ہوتی یا نگاہِ واپسیں ہوتی
بہر صورت، زبانِ گنگ معنی آفریں ہوتی
امید و بیم روز افزوں وبالِ جان و دل ٹھہری
فنا کے بعد بھی تا حشر یک سوئی نہیں ہوتی
نہیں سنتا کسی کی پائے نافرماں نہیں سنتا
سفر کیا اس مسافر کا، طلب جس کی نہیں ہوتی
وہ محرومِ ازل ہیں دھیان میں لاتا نہیں کوئی
محبت کیا، نکموں سے عداوت تک نہیں ہوتی
قیامت خانۂ دل جنتِ صبر و سکوں ہوتا
محیطِ چرخ کے باہر اگر یہ سرزمیں ہوتی
نگاہِ مضطرب کی حد ہے فانوسِ خیالی تک
قیامت تھی اگر پروانۂ شمعِ یقیں ہوتی
ازل سے کشتیٔ امید تھی بیگانۂ ساحل
جہاں پایاب ہے دریا، وہاں بھی تہ نشیں ہوتی
یہ آبِ آتشیں ہے اور یہ دریا خونِ ناحق کا
مگر نفسِ شقی کی، پیاس میں تسکیں نہیں ہوتی

غضب ہے منھ چھپانا سجدۂ ناحق کے پردے میں
بلا سے تختۂ مشقِ ستم لوحِ جبیں ہوتی
فقط دل کی بدولت گرم ہے پہلوئے جاں ورنہ
جسد میں روح اک دیوانۂ تنہا نشیں ہوتی
خزاں سے پہلے ہی کاش اپنی آنکھیں بند ہو جاتیں
بہارِ اولیں ہوتی نگاہِ واپسیں ہوتی
جو روسکتے تو آنسو پونچھنے والے بھی مل جاتے
شریکِ رنج و غم، دامن سے پہلے آستیں ہوتی
دمِ آخر فریبِ جلوۂ بے رنگ نے مارا
نگاہِ یاسؔ ورنہ کیوں گنہ گارِ یقیں ہوتی

❁

دیکھا دیکھی جو کوئی آپ کا دیوانہ بنے
نقد کیا، جان بھی دے بیٹھے تو سودا نہ بنے
دل اگر گردشِ تقدیر سے دریا نہ بنے
تشنہ کاموں کے لیے کاشکے پیمانہ بنے
دل وہی دل ہے جو ہو اپنی حرارت سے فنا
خاک ہو جائے مگر آگ بگولا نہ بنے
بجھ گیا دل کا کنول کشمکشِ شوق کجا
شمعِ خاموش کا کیوں کر کوئی پروانہ بنے
زندہ درگور کیا اس دلِ وارفتہ نے
جیتے جی کوچہ و بازار میں افسانہ بنے
کیوں اجل، ہے کوئی ایسا کہ مرا منھ سی دے
بات اپنی نہیں بننے کی تو اچھا نہ بنے

آپ آتے تھے مگر موت کو پہلے بھیجا
چال ایسی تو چلے کوئی کہ جھوٹا نہ بنے

رات دن شوقِ رہائی میں کوئی سر پٹکے
کوئی زنجیر کی جھنکار سے دیوانہ بنے

قیمتِ دل تو ہے معلوم مگر کیا کہیے
مول جب تک نہ کرے کوئی کوئی تو سودا نہ بنے

دلِ آگاہ پہ جادو نہ چلے گا کوئی
ہاں مگر مصلحتِ وقت سے دیوانہ بنے

اتری جاتی ہے مرے دل میں صدائے ناقوس
اب خدا چاہے تو کعبہ کو بھی صنم خانہ بنے

کہیے کعبے کو سدھارے کہ صنم خانے کو
دیکھا دیکھی جو کوئی آپ کا دیوانہ بنے

وحشت آبادِ عدم ہے وہ دیارِ خاموش
کہ قدم رکھتے ہی ایک سے ایک بیگانہ بنے

ڈوب کر دیکھیے تو انسان کہیں کا نہ رہے
عین حکمت ہے اگر آپ سے بیگانہ بنے

نام لے کر ترا، بہزاد اٹھاتا ہے قلم
نقشِ موہوم مگر ٹھیک بنے یا نہ بنے

نگہ یاسؔ ارے توبہ، جدھر اٹھ جائے
دل تو کیا عالمِ ایجاد بھی ویرانہ بنے

نہ چھپا پر نہ چھپا جوہرِ عالی ظرفی
یاسؔ مٹنے پہ بھی خاکِ درِ مے خانہ بنے

ہمہ تن شمع بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے
جل کے ٹھنڈا کہیں پروانۂ محفل ہو جائے

حسنِ بے رنگ کہیں رنگ پکڑ سکتا ہے؟
پردہ جب تک نہ کوئی بیچ میں حائل ہو جائے

حسن وہ حسن کبھی جس کی حقیقت نہ کھلے
رنگ وہ رنگ جو ہر رنگ میں شامل ہو جائے

دل ملا، درد ملا، درد کا مطلب نہ ملا
کاش وہ مطلبِ نایاب کا حاصل ہو جائے

پائے خودسر تو ارادے سے عمل تک پہنچا
کیا غضب ہو کوئی دیوار جو حائل ہو جائے

خاک کا پتلا ہے رفتارِ نمو سے مجبور
ہمہ تن سنگ بنے یا ہمہ تن دل ہو جائے

صلح جوئی نے گنہ گار مجھے ٹھہرایا
جرم ثابت جو کیا چاہو تو مشکل ہو جائے

بھولنا سہل، گناہوں کا بھلانا مشکل
تو جو یاد آئے تو آسان یہ مشکل ہو جائے

حق میں اوروں کے تری ذات سراپا احساں
وائے قسمت کہ مری ضد سے تو عادل ہو جائے

کون ٹھہرائے پھر اس کشتیِ بے لنگر کو
دل اگر دردِ خداداد کی منزل ہو جائے

ناخدا کو نہیں اب تک تہِ دریا کی خبر
ڈوب کر دیکھے تو بیگانۂ ساحل ہو جائے

ایک ہی سجدہ کیا دوسرے کا ہوش کجا
ایسے سجدے کا یہ انجام کہ باطل ہو جائے

زندہ درگور ہوں موت آئے تو سر آنکھوں پر
مگر ایسا نہ ہو مہماں کوئی نازل ہو جائے
اپنی ضد، اپنی مشیت پہ جو آ جائے کوئی
یاسؔ سب حسنِ عمل دفترِ باطل ہو جائے

❁

کھل گئے عیب و ہنر سب کاتبِ تقدیر کے
رنگ ہیں آمادۂ پرواز ہر تصویر کے
وہم باطل ہے سراسر صورت آبادِ جہاں
راز کھل سکتے نہیں اس خوابِ بے تعبیر کے
کوئی تصویرِ خزاں ہے کوئی تصویرِ بہار
دیدنی ہیں کارنامے خامۂ تقدیر کے
کارخانہ تھا ہوا پر، حسنِ مشتِ خاک کا
کھل گئے آخر فریب اس بولتی تصویر کے
کوئی بندہ عشق کا ہے کوئی بندہ عقل کا
پاؤں اپنے ہی نہ تھے قابل کسی زنجیر کے
شوقِ منزل میں زمیں پر پاؤں تک پڑتے نہیں
حوصلے پھر کیا بڑھیں گے خارِ دامن گیر میں
خاک میں مل جائے گی سب عزتِ مردانگی
ظلم کے ہاتھوں اگر جوہر کھلے شمشیر کے
نوح کا طوفان جن کے حق میں ہو بادِ مراد
وہ کبھی قائل نہ ہوں گے گردشِ تقدیر کے
یاسؔ سر سے پاؤں تک امید ہی امید تھے
فرد جب تک ہاتھ میں تھی کاتبِ تقدیر کے

❁

نہ انتقام کی عادت نہ دل دکھانے کی
بدی بھی کر نہیں آتی مجھے، کجا نیکی؟
دہائی ہے دلِ درد آشنا دہائی ہے
کہ آہِ سرد پہ تہمت ہے دل دکھانے کی
سمجھ میں آئی نہ زندانِ شش جہت کی کشش
کہ پاؤں رکھنے کی جا ہے نہ بھاگ جانے کی
ہوا کے ساتھ پھرے چار سمت آوارہ
قدم اٹھائے جو رفتار پر زمانے کی
فریبِ بانگ جرس کیا عجب کنویں میں گرائے
صلاح ٹھہری ہے اب دل سے بیٹھ جانے کی
ہر ایک ذرے سے آتی ہے بوئے زندہ دلی
نہ جانے خاک ہے اپنی کس آستانے کی
یقینِ وعدۂ فردا سے دل ہے مالا مال
نظر میں دولتِ دنیا نہیں سمانے کی
نہ جانے کون ہے وحدت سرائے دل میں اسیر
کہ وہم کو بھی اجازت نہیں ہے آنے کی
ہوا کا دخل نہیں یاں، وہاں ہوا کا عمل
قفس کی ستِ بنا ہے کہ آشیانے کی
پلٹ کے گل میں نہ آئے گی بوئے مستانہ
نکل کے روحِ رواں منہ نہیں دکھانے کی
اب اپنے ختمِ سفر میں کچھ ایسی دیر نہیں
جو دیر ہے تو فقط تھک کے بیٹھ جانے کی
ادھر اجل نے دیا حکم بازگشتِ وطن
ادھر حیا نے قسم دی قدم اٹھانے کی

جو ڈوبتے کو بچائے وہ آپ بھی ڈوبے
عوض ہے دونوں کا یکساں بدی ہو یا نیکی
ہوس ہے سلسلہ جنبانِ سعیِ لاحاصل
بھری ہے سر میں ہوا قسمت آزمانے کی
زبانِ یاسؔ سے آمین تک نہیں نکلی
دعائے خیر تو کرنے کو ناخدا نے کی

❁

دل عجب جلوۂ امید دکھاتا ہے مجھے
شام سے یاسؔ سویرا نظر آتا ہے مجھے
جلوۂ دارو رسن اپنے نصیبوں میں کہاں
کون دنیا کی نگاہوں پہ چڑھاتا ہے مجھے
دل کو لہراتا ہے ہنگامۂ زندانِ بلا
شورِ ایذا طلبی وجد میں لاتا ہے مجھے
پائے آزاد ہے زنداں کے چلن سے باہر
بیڑیاں کیوں کوئی دیوانہ پنھاتا ہے مجھے
ہنس کے کہتا ہے گھر اپنا قفس کو سمجھو
سبق الٹا مرا صیاد پڑھاتا ہے مجھے
جیسے دوزخ کی ہوا کھاکے ابھی آیا ہے
کس قدر واعظِ مکار ڈراتا ہے مجھے
پھٹ پڑیں اب بھی درو بام تو پردہ رہ جائے
فلکِ خانہ خراب آنکھ دکھاتا ہے مجھے
دیدنی ہے چمن آرائیِ چشمِ عبرت
سیرِ تازہ گلِ پژمردہ دکھاتا ہے مجھے

ترکِ مطلب سے ہے مطلب تو دعائیں کیسی؟
صبح تک کیوں دلِ بیمار جگاتا ہے مجھے
ننگِ محفل مرا زندہ، مرا مردہ بھاری
کون اٹھاتا ہے مجھے، کون بٹھاتا ہے مجھے
لبِ دریا کا ہُوا میں نہ تہِ دریا کا
کون سے گھاٹ یہ دھارا لیے جاتا ہے مجھے
پاؤں سوئے ہیں مگر جاگتے ہیں اپنے نصیب
کیا سمجھ کر جرسِ گنگ جگاتا ہے مجھے
یاسؔ منزل ہے مری منزلِ عنقائے کمال
لکھنؤ میں کوئی کیوں ڈھونڈنے آتا ہے مجھے

❁

ازل سے سخت جاں آمادۂ صد امتحاں آئے
عذابِ چند روزہ یا عذابِ جاوداں آئے
کنول روشن تو ہو دل کا، پیامِ ناگہاں آئے
بلا سے شامتِ پروانۂ آتش بجاں آئے
قفس بردوش پھرتے ہیں خزاں آبادِ عالم میں
اسیرانِ ازل گھر چھوڑ، جنگل میں کہاں آئے
بہارستانِ عبرت میں یہ گل کیا، خار کیا، خس کیا
سراپا سب کے سب آلودۂ رنگِ خزاں آئے
سواری بولنے والا، نہ کوئی نوحہ خواں اپنا
اجل کیا آئی جیسے بے بلایا میہماں آیا
خیالِ خام ہے یا معنیِ موہوم، کیاجانیں
سمجھ میں رازِ فردا کیوں نصیبِ دشمناں آئے

زہے احسانِ بے حاصل کہ دن کے دن اسیروں کو
اجل کے ساتھ حکمِ بازگشتِ آشیاں آئے
وہی آغوشِ ساحل اور وہی منجدھار کے ڈوبے
پلٹ کر خاک میں ملنے کہاں سے پھر کہاں آئے
حق اپنی دھن کا پکا، باطل اپنے زعم میں پورا
الٰہی، گفتگوئے صلح کیوں کر درمیاں آئے
سکونِ بے دلی میں، کیا کہوں، کیوں لہر پیدا ہے
مبادا غیب سے کوئی نویدِ ناگہاں آئے
حریمِ ناز کیا ہے، جلوہ گاہِ بے تماشا ہے
نگاہِ یاسؔ کہتی ہے کدھر آئے کہاں آئے

❁

بختِ بیدار اگر سلسلہ جنباں ہو جائے
شام سے بڑھ کر سحر دست و گریباں ہو جائے
پڑھ کے دو کلمے اگر کوئی مسلماں ہو جائے
پھر تو حیوان بھی دو روز میں انساں ہو جائے
آگ میں ہو جسے جلنا تو وہ ہندو بن جائے
خاک میں ہو جسے ملنا وہ مسلماں ہو جائے
دشمن و دوست سے آباد ہیں دونوں پہلو
نام جانے کا نہ لے جو مرا مہماں ہو جائے
درد کا قحط ہو، دل کا کوئی گاہک نہ رہے
وائے بر عشق کہ بازیچۂ طفلاں ہو جائے
روگ ایسا لگے پھر جس کی دوا ہو نہ دعا
درد سے پہلے جو دل خوگرِ درماں ہو جائے

خوابِ شیریں نہ سہی خوابِ پریشاں ہی سہی
دل بہلنے کا شبِ غم کوئی ساماں ہو جائے
پاؤں پھیلاتے ہیں رہ رہ کے اسیرانِ ہوس
چاہتے ہیں قفسِ تنگ گلستاں ہو جائے
دل کو کچھ زندگیِ عشق کی لذت تو ملے
خاک سے پاک ہو یا خاک سے یکساں ہو جائے
موت کی یاد میں نیند اور بھی اڑ جاتی ہے
نیند آ جائے تو کچھ موت کا ساماں ہو جائے
اف رے آغازِ خطرناک کہ رکھتے ہی قدم
منزلِ دیر و حرم بھول بھلیاں ہو جائے
نشۂ حسن کو اس طرح اترتے دیکھا
عیب پر اپنے کوئی جیسے پشیماں ہو جائے
یاسؔ بیداریِ موہوم ہے ساری ہستی
آنکھ ہو بند تو سب خوابِ پریشاں ہو جائے

❁

زمانے پر نہ سہی دل پہ اختیار رہے
دکھا وہ زور کہ دنیا میں یادگار رہے
کہاں تلک دلِ غم ناک پردہ دار رہے
زبانِ حال پہ جب کچھ نہ اختیار رہے
نظامِ دہر نے کیا کیا نہ کروٹیں بدلیں
مگر ہم ایک ہی پہلو سے بے قرار رہے
ہنسی میں لغزشِ مستانہ اڑ گئی واللہ
تو بے گناہوں سے اچھے گناہ گار رہے

ابھارتی ہے ہوس توبۂ ریائی کی
کہ دل کے ساتھ زباں کیوں گناہ گار رہے
دکھا دوں چیر کے دل، درد دل کہوں کب تک؟
زباں پہ کیوں یہ تقاضائے ناگوار رہے
تڑپ تڑپ کے اٹھاؤں گا زندگی کے مزے
خدا نکردہ، مجھے دل پہ اختیار رہے
سزائے عشق بقدرِ گناہ ناممکن
یہی بہت ہے کہ برہم مزاجِ یار رہے
زمانہ اس کے سوا اور کیا وفا کرتا
چمن اجڑ گیا، کانٹے گلے کا ہار رہے
خزاں کے دم سے مٹا خوب و زشت کا جھگڑا
چلو یہ خوب ہوا، گل رہے نہ خار رہے
جواب دے کے نہ توڑو کسی غریب کا دل
بلا سے کوئی سراپا امیدوار رہے
مزہ تو جب ہے یگانہؔ کہ یہ دلِ خود بیں
خودی کے نشے میں بیگانۂ خمار رہے
یگانہؔ حال تو دیکھو زمانہ سازوں کا
ہوا میں جیسے بگولا خراب و خوار رہے

جب تک خلشِ دردِ خداداد رہے گی
دنیا دلِ ناشاد کی آباد رہے گی
دنیا کی ہوا راس نہ آئے گی کسی کو
ہر سر میں ہوائے عدم آباد رہے گی

چونکائے گی رہ رہ کے تو غفلت کا مزہ کیا
ساتھ اپنے اجل صورتِ ہمزاد رہے گی
روح اپنی ہے بیگانۂ ہر جنت و دوزخ
گم ہو کے ہر اک قید سے آزاد رہے گی
دل اور دھڑکتا ہے ادب گاہِ قفس میں
شاید یہ زباں تشنۂ فریاد رہے گی
جو خاک کا پتلا، وہی صحرا کا بگولا
مٹنے پہ بھی اک ہستیِ برباد رہے گی
شیطان کا شیطان، فرشتے کا فرشتہ
انسان کی یہ بوالعجبی یاد رہے گی
ہاں وسعتِ زنجیر تک آزاد بھی ہوں میں
ہستی مری مجموعہ اضداد رہے گی
ہر شام ہوئی صبح کو اک خوابِ فراموش
دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی
شہرہ ہے یگانہ تری بیگانہ روی کا
واللہ یہ بیگانہ روی یاد رہے گی

❁

دردِ سر تھا سجدۂ شام و میرے لیے
دردِ دل ٹھہرا دوائے دردِ سر میرے لیے
''دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو''
زندگی پھر کیوں ہوئی ہے دردِ سر میرے لیے
کس محبت سے دل گم گشتہ دیتا ہے صدا
آ ادھر، پھرتا ہے آوارہ کدھر میرے لیے

شکر ہے تسکیں نہیں ہوتی شکایت ہی سہی
کچھ وظیفہ چاہیے شام وسحر میرے لیے
فطرتِ مجبور کو اپنے گناہوں میں ہے شک
وا رہے گا کب تلک توبہ کا در میرے لیے
لے چلا ہوں وعدۂ فردا گرہ میں باندھ کر
چاہیے ہے اور کیا زادِ سفر میرے لیے
حسنِ نادیدہ کجا، اپنا ہی پردہ کھل گیا
آسماں ثابت ہوا حدِ نظر میرے لیے
بزمِ دنیا میں یگانہؔ ایسی بیگانہ روی
میں نے مانا عیب ہے لیکن ہنر میرے لیے

نگاہِ بے زباں نے کیا اثر ڈالا برہمن پر
مٹا ہے پیکرِ بے دست و پا کے رنگ و روغن پر
رہا تا حشر احسانِ ندامت اپنی گردن پر
بجائے مے ٹپکتا ہے زلالِ اشک دامن پر
شرف بخشا دلِ سوزاں نے مجھ کو دوست دشمن پر
وہ دل جس کا ہر اک ذرہ ہے بھاری موم و آہن پر
نہ جانے پہلی منزل برقِ سوزاں کی کہاں ہوگی
ستم آباد کے خطے میں یا اجڑے نشیمن پر
عجب کیا ہے سحر تک آنکھوں ہی آنکھوں میں پی جائینگے
قیامت ڈھائیں گے بد بیں جمالِ شمعِ روشن پر
زہے الزامِ آزادی کی حسرت رہ گئی دل میں
نشیمن سے نکل کر بیٹھتے شاخِ نشیمن پر

نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن وہ اپنا کام کرتے ہیں
دل بے مدعا ہنستا ہے کیا شیخ و برہمن پر
بجائے نفسِ امارہ دلِ مجبور کو مارا
گوارا کر لیا کیوں خونِ انصاف اپنی گردن پر
عدو کیوں حضرتِ یاسؔ آپ کا صبر آزما ہوتا
ارے یہ تہمتِ بے جا بجائے دوست، دشمن پر

❁

اٹھنے ہی کو ہے بیچ سے پردہ مجاز کا
قصہ بس اب تمام ہے عمرِ دراز کا
آنکھوں میں رات کٹتی ہے بیمارِ ہجر کی
سودا برا ہے یار کی زلفِ دراز کا
اک لو لگی تھی وعدۂ فردا سے، ناگہاں
دھیان آ گیا کرشمۂ نیرنگ ساز کا
اربابِ حال کہتے ہیں دل کو خدا کا گھر
شاید کوئی طلسم ہے راز و نیاز کا
دیر و حرم سب ایک ہیں سالک کے واسطے
منزل کی دھن میں ہوش کہاں امتیاز کا
آغاز کی خبر ہے نہ انجام کی خبر
دیوانگی میں ہوش کسے امتیاز کا
میری خبر نہیں انھیں غیروں کی کیا خبر
کیا دم بھرے گا کوئی کسی بے نیاز کا
دونوں جہاں میں دم سے اسی کے ہے روشنی
دل آئنہ ہے خلوتِ راز و نیاز کا

راہِ رضا میں ہے کوئی ایسا جو ساتھ دے
کھٹکا لگا ہے دل کو نشیب و فراز کا
بادِ صبا کو دخل نہیں بزم یار میں
نامحرموں سے خوف ہے افشائے راز کا
دستِ جنوں کا تار گریباں سے باندھیے
دل توڑنا ضرور نہیں چارہ ساز کا
دانتوں سے ہاتھ کاٹتے ہیں یاس بار بار
دامن جو چھٹ گیا ہے کسی پاک باز کا

بنام یگانہ

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہؔ مگر بنا نہ گیا
پیامِ زیرِ لب ایسا کہ کچھ سنا نہ گیا
اشارہ پاتے ہی انگڑائی لی رہا نہ گیا
ہنسی میں وعدۂ فردا کو ٹالنے والو
لو دیکھ لو وہی 'کل' 'آج' بن کے آ نہ گیا؟
گناہِ زندہ دلی کہیے یا دل آزاری
کسی پہ ہنس لیے اتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا
پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا
خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آ نہ گیا
سمجھتے کیا تھے؟ مگر سنتے تھے ترانۂ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا

کروں تو کس سے کروں دردِ نا رسا کا گلہ؟
کہ مجھ کو لے کے دلِ دوست میں سما نہ گیا
بتوں کو دیکھ کے سب نے خدا کو پہچانا
خدا کے گھر تو کوئی بندۂ خدا نہ گیا
کرشنؔ کا ہوں پجاری علیؑ کا بندہ ہوں
یگانہؔ شانِ خدا دیکھ کر رہا نہ گیا

آئنے میں سامنا جب ناگہاں ہو جائے گا
پردۂ غیرت وہاں بھی درمیاں ہو جائے گا
کس محبت سے جگہ دی دل نے دردِ عشق کو
کیا خبر تھی تشنۂ خوں میہماں ہو جائے گا
نیند کے ماتے ٹھہر جا، آنکھ کھلنے کی ہے دیر
چشمِ حیراں میں سبک خوابِ گراں ہو جائے گا
جان دیتے دیر کیا لگتی ہے تیری راہ میں
دل سلامت ہے تو یہ بھی امتحاں ہو جائے گا
رہزنوں کا پھر کوئی دھڑکا نہ کھٹکا خار کا
پہلی منزل سے جب آگے کارواں ہو جائے گا
چار دن کی زندگی ہے کاٹ دو ہنس بول کر
دل لگا لو پھر قفس ہی آشیاں ہو جائے گا
کیا سمجھتے تھے کہ دل سا شیشۂ نازک مزاج
چوٹ کھاتے کھاتے اتنا سخت جاں ہو جائے گا
دیکھ لو حسنِ یگانہؔ دور سے بیگانہ وار
پاس جاؤ گے تو پردہ درمیاں ہو جائے گا

آپ میں کیوں کر رہے کوئی یہ ساماں دیکھ کر
شمعِ عصمت کو بھری محفل میں عریاں دیکھ کر

دل کو بہلاتے ہو کیا کیا آرزوئے خام سے
امرِ ناممکن میں گویا رنگِ امکاں دیکھ کر

کیا عجب ہے بھول جائیں اہلِ دل بھی اپنا درد
حسنِ مستانہ کو آخر میں پشیماں دیکھ کر

بے دلوں نے ہنستے ہنستے مار ڈالا بے اجل
اہلِ دل کو مبتلائے درد و درماں دیکھ کر

ڈھونڈتے پھرتے ہو اب ٹوٹے ہوئے دل میں پناہ
درد سے خالی دلِ گبرو مسلماں دیکھ کر

دل جلا کر وادیِ غربت کو روشن کر چلے
خوب سوجھی جلوۂ شامِ غریباں دیکھ کر

امتیازِ صورت و معنی سے بیگانہ ہوا
آئنے کو آئنہ، حیراں کو حیراں دیکھ کر

پیرہن میں کیا سما سکتا حبابِ جاں بلب
ہستیِ موہوم کا خوابِ پریشاں دیکھ کر

صبر کرنا سخت مشکل ہے، تڑپنا سہل ہے
اپنے بس کا کام کر لیتا ہوں آساں دیکھ کر

اور کیا ہوتی یگانہؔ دردِ عصیاں کی دوا
کیا غزل یاد آئی واللہ فردِ عصیاں دیکھ کر

دل لگانے کی جگہ عالم ایجاد نہیں
خواب آنکھوں نے بہت دیکھے مگر یاد نہیں
آج اسیروں میں وہ ہنگامۂ فریاد نہیں
شاید اب کوئی گلستاں کا سبق یاد نہیں
سرِ شوریدہ سلامت ہے مگر کیا کہیے
دستِ فرہاد نہیں، تیشۂ فرہاد نہیں
توبہ بھی بھول گئے عشق میں وہ مار پڑی
ایسے اوسان[۱] گئے ہیں کہ خدا یاد نہیں
تلملانے کا مزہ کچھ نہ تڑپنے کا مزہ
ہیچ[۲] ہے دل میں اگر دردِ خداداد نہیں
کیا عجب ہے کہ دلِ دوست ہو مدفن اپنا
کشتۂ ناز ہوں میں کشتۂ بیداد نہیں
دشمن و دوست سے آباد ہیں دونوں پہلو
دل سلامت ہے تو گھر عشق کا برباد نہیں[۳]
فکرِ امروز نہ اندیشۂ فردا کی خلش
زندگی اس کی جسے موت کا دن یاد نہیں
نکہتِ گل کی ہے رفتار ہوا کی پابند
روح قالب سے نکلنے پہ بھی آزاد نہیں
چشمِ عبرت میں کوئی خاک کا پتلا نہ جچا
سب کے سب ہیں نظری، ایک بھی صاد[۴] نہیں
زندہ ہیں مردہ پرستوں میں ابھی تک غالبؔ
مگر استاد یگانہؔ سا اب استاد نہیں

۱۔۔۔اوسان گئے۔حواس گم ہو گئے (یگانہ) ۲۔۔۔ہیچ ہے وہ دل جس میں درد نہ ہو (یگانہ)
۳۔۔۔دل سلامت ہے تو دوست بھی ہیں اور دشمن بھی۔عشق کا گھر آباد ہے۔(یگانہ)
۴۔۔۔ایک پہ صاد نہیں۔ایک بھی قابل انتخاب نہیں۔(یگانہ)

نظارے پہ کیا گزری آشوبِ تماشا سے ؟
ہوش آتے ہی دیوانے کھوئے گئے دنیا سے

دیوانے ہوں شرمندہ کیوں چشمِ تمنا سے؟
اللہ ری خود بینی باز آ گئے لیلیٰ سے

دن بھر تو یہ پروانے جیتے تھے نہ مرتے تھے
کیا کیا نہ اٹھے فتنے اک شعلۂ تنہا سے

دل اپنا جلاتا ہوں کعبہ تو نہیں ڈھاتا
اور آگ لگاتے ہو کیوں تہمتِ بے جا سے

تہ چاٹتا جاتا ہے یہ زور ہے دھارے کا
ٹکرا کے پلٹ آئیں موجیں لبِ دریا سے

اے رہزنِ بے پروا، مشکل مری آساں کر
کیوں آنکھ چراتا ہے گم گشتۂ تنہا سے؟

ذرہ بھی ہے اک عالم انوارِ الٰہی کا
ادنیٰ ہی سہی لیکن نسبت تو ہے اعلیٰ سے

حیراں ہیں نظر والے بے تاب ہیں دل والے
کچھ رنگِ تماشا سے کچھ بوئے تمنا سے

کیوں دل کا کنول آخر لہراتا ہے رہ رہ کر
جھونکا کوئی آ پہنچا کیا عالمِ بالا سے

کیا اپنے تئیں دیکھیں کیا ہو گئے اور کیا تھے؟
رفتارِ نظر عاجز، رفتارِ تماشا سے

جو دم ہے غنیمت ہے کیا جانیے کل کیا ہو
اک دور کی نسبت ہے امروز کو فردا سے
کیوں نکہتِ آوارہ جامے سے نہ ہو باہر
کس دن کو وفا کرتی پیراہنِ رسوا سے
دنیا کی ہوا کھا کر کیا دُند مچائی تھی
بیٹھے ہو یگانہؔ اب کیوں بزم میں تنہا سے؟

کس کے دم کی روشنی زندانِ آب و گل میں ہے
کون سا تنہا نشیں وحدت سرائے دل میں ہے
سوچتا ہوں جب تو میں ہی میں ہوں اور کوئی نہیں
ہو نہ ہو کچھ بھید اس اندیشۂ باطل میں
صبح و شامِ زندگی خوابِ پریشاں ہی سہی
کچھ حقیقت کا بھی جلوہ ،جلوۂ باطل میں ہے
کیسے کیسے دل زدہ آوارۂ صحرا ہوئے
روئے لیلیٰ جس طرح محمل میں تھا،محمل میں ہے
گرم رفتاری پہ گم راہوں کو کیا کیا ناز ہیں
کون سمجھے یہ دلِ آگاہ کس منزل میں ہے
الوداع اے نا خدا، نا محرمِ رازِ فنا
گوہرِ مقصود دریا میں ہے یا ساحل میں ہے
شامِ غربت بھی ہے روشن ،واہ ری یادِ وطن
یاد کیا ہے اک اندھیرے کا اجالا دل میں ہے
کھیل ہے حسنِ نظر کا ،شمع کیا،پروانہ کیا
دل ہے جب تک دل،جبھی تک روشنی محفل میں ہے

انجمن میں چاہے وہ حاضر نہ ہوں غائب سہی
دل یہ کہتا ہے یگانہؔ کی جگہ ہر دل میں ہے
مژدہ باد اہلِ نظر، غالبؔ پرستی ہو چکی
جلوۂ حسنِ یگانہؔ آج ہر محفل میں ہے

کس دل سے ترکِ لذتِ دنیا کرے کوئی
وہ خوابِ دل فریب کہ دیکھا کرے کوئی
کیا سہل ہے کہ ترکِ تماشا کرے کوئی
دل سے نہ ہو تو آنکھ سے توبہ کرے کوئی
غنچے کے دل میں کچھ نہ تھا اک آہ کے سوا
پھر کیا شگفتگی کی تمنا کرے کوئی
آنکھیں ہوں جس کے، آنکھوں ہی آنکھوں میں تاڑے
درد اپنا وہ نہیں کہ ٹٹولا کرے کوئی
دل مضطرب، نگاہ گرفتارِ شش جہات
فرمایئے کدھر کا ارادہ کرے کوئی
یادش بخیر، یادِ خدا آ ہی جاتی ہے
اپنی طرف سے لاکھ بھلایا کرے کوئی
اس کی نگاہِ شوق کے قربان جایئے
تجھ ایسے بے نشاں کو جو پیدا کرے کوئی
طاعت ہو یا گناہ، پسِ پردہ خوب ہے
دونوں کا جب مزہ ہے کہ تنہا کرے کوئی
بندے نہ ہوں گے جتنے خدا ہیں خدائی میں
کس کس خدا کے سامنے سجدہ کرے کوئی؟

حسنِ یگانہؔ آپ ہی اپنا حجاب ہے
حسنِ حجاب دور سے دیکھا کرے کوئی

❁

کیوں کسی سے وفا کرے کوئی
دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی

نہ دوا چاہیے مجھے نہ دعا
کاش اپنی دوا کرے کوئی

مفلسی میں مزاجِ شاہانہ
کس مرض کی دوا کرے کوئی

درد ہو تو دوا بھی ممکن ہے
وہم کی کیا دوا کرے کوئی

ہنس بھی لیتا ہوں اوپری دل سے
جی نہ بہلے تو کیا کرے کوئی

موت بھی آ سکی نہ منھ مانگی
اور کیا التجا کرے کوئی

دردِ دل پھر کہیں نہ کروٹ لے
اب نہ چونکے خدا کرے کوئی

عشق بازی کی انتہا معلوم
شوق سے ابتدا کرے کوئی

کوہ کن اور کیا بنا لیتا
بن کے بگڑے تو کیا کرے کوئی

اپنے دم کی ہے روشنی ساری
دیدۂ دل تو وا کرے کوئی

شمع کیا، شمع کا اجالا کیا
دن چڑھے سامنا کرے کوئی

غالبؔ اور میرزا یگانہؔ کا
آج کیا فیصلہ کرے کوئی

تو کہاں اور کہاں وہ جلوۂ پاک
دلِ بے باک، تیری آنکھ میں خاک

کھا گیا کتنے جاں نثاروں کو
پردے پردے میں شعلۂ بے باک

دیکھیے کیا خدا دکھاتا ہے
آپ نازک مزاج، ہم بے باک

گھل گئے جیسے موم کی مریم
کیوں بڑھایا تھا دل جلوں سے تپاک؟

بدگمانوں کی مہربانی سے
پاک دامن بچے نہ دامن چاک

ذات میں اپنی کیا نہیں موجود؟
عقل سا زہر، عقل سا تریاک

درد ہے یا دوا، خدا جانے
زہر ہے عشق یا کوئی تریاک

حسن اپنا بھی دیکھ لوں اک دن
عشق چاہے تو کر دے خاک سے پاک

آسماں کی ذرا سی گردش میں
کوئی ہلکان اور کوئی ہلاک

کون ٹھہرے سمے کے دھارے پر
کوہ کیا اور کیا خس و خاشاک

میں کہاں اور کہاں کے پست و بلند؟
ایک ٹھوکر میں تھا بکھیڑا پاک
ہوش کیا پائے گا پتا میرا
لے اڑا دور، جوہرِ ادراک
فلسفی کو خبر نہیں اپنی
آنکھ کے آگے ناک، سوجھے خاک؟
بولو جے میرزا یگانہؔ کی
بھڑک اٹھے چچا میاں تہِ خاک

❁

گوشہ گیری ہے اک انوکھا سانگ
مانگنا ہے کھلے خزانے مانگ
پوچھنا کیا زمانہ سازوں کا
نت نیا بھیس، نت نرالا سانگ
شیخ کی کون سی ہے کل سیدھی؟
ارے جو بات ہے سو اوٹ پٹانگ
کس طلب میں چلا ہے بے اٹکل
آنکھ والوں سے پہلے آنکھیں مانگ
صلح ٹھہری تو ہے برہمن سے
کہیں مذہب اڑا نہ دے ٹانگ
ایک اور ایک دو، کیسے سمجھائیں؟
ان کے مرغے کی ہے وہی اک ٹانگ
اڑ چلے کیا فرشتہ انساں سے؟
سو اڑان اُس کی، اِس کی ایک پھلانگ

پھرتے ہیں بھیس میں حسینوں کے
کیسے کیسے ڈکیت تھانگ کی تھانگ
کون دیتا ہے ساتھ مُردوں کا؟
حوصلہ ہے تو باندھ ٹانگ سے ٹانگ
خواہ پیالہ ہو یا نوالہ ہو
بن پڑے تو جھپٹ لے بھیک نہ مانگ
بول بالا رہے یگانہؔ کا
نام باجے جگت کے چاروں دانگ

جنھیں ذوقِ حضوری خواب و بیداری میں حاصل تھا
خداوندا، وہ آنکھیں کون سی تھیں، کون سا دل تھا؟
خدا یاد آگیا واللہ وہ جلوہ بھی دیکھا ہے
خدا جانے وہی حق تھا کہ حق کا عکسِ باطل تھا؟
تماشا گاہِ حیرت میں کہاں کا تو، کہاں کا میں
بس اتنا تھا کہ آئینے سے آئینہ مقابل تھا
اندھیری کوٹھری میں آئینہ دیکھا تو کیا دیکھا
یہی دیکھا کہ میں خود دیدۂ بینا میں باطل تھا
زہے حسنِ گنہ گاری، زہے فیضِ پشیمانی
جسے ٹھنڈا پسینا آگیا جنت میں داخل تھا
نگاہِ شوق کی دنیا خدا جانے کہاں تک ہے
جہاں دیکھا وہی حسنِ یگانہؔ شمعِ محفل تھا

کون ایسا ہے جاننے والا
جان کر تجھ کو ماننے والا

پہلے اپنی تو ذات پہچانے
رازِ قدرت بکھاننے والا

پیٹ کے ہلکے لاکھ بڑ ماریں
کوئی کھلتا ہے جاننے والا

جان کر اور ہو گیا انجان
ہو تو ایسا ہو جاننے والا

دن کو دن سمجھے اور نہ رات کو رات
وقت کی قدر جاننے والا

راہ چلتے لپٹ پڑے نہ کہیں
بے دھڑک دل میں ٹھاننے والا

میں سمجھ لوں گا دوست ہے، تو کون؟
مجھے رہ رہ کے تاننے والا

حسنِ کافر گناہ کا پیاسا
بے گناہوں کو سانتے والا

تو نے جانا مجھے تو کیا جانا
تجھ سے اچھا نہ جاننے والا

چت بھی اپنی ہے پٹ بھی اپنی ہے
میں کہاں ہار ماننے والا

خاک میں مل کے پاک ہو جاتا
چھانتا کیا ہے چھاننے والا

کیوں نہ مانے یگانہؔ کو یکتا
اصل کو ایک جاننے والا

کس دلِ بے قرار کو تو نے یہ ولولہ دیا
دینا نہ دینا ایک ہے،ظرف سے جب سوا دیا
دیکھ کے مجھ کو دل زدہ دور سے منھ چڑھا دیا
حسن نے سب ملال و رنج چٹکیوں میں اڑا دیا
آہ یہ میں نے کیا کیا،واہ یہ میں نے کیا کیا؟
عشق میں سب پڑھا لکھا بھول گیا،بھلا دیا
ہائے یہ روشنیِ طبع،اف یہ بلائے رنگ وبو
چشمِ ہوس پرست نے پھر سے جواں بنا دیا
کانوں میں آ رہی ہے کیا دور کے ڈھول کی صدا؟
خوابِ نظر فریب نے سر تو نہیں پھرا دیا؟
حسن چمک گیا تو کیا؟ بوئے وفا تو اڑ گئی
اس نئی روشنی نے آہ دل کا کنول بجھا دیا
ایک سے بڑھ کر ایک ہے،واہ رے لطفِ زندگی
تحفۂ نوش و نیش نے خوب مزہ چکھا دیا
حسن کی آنکھیں کھل گئیں،اس میں برائی کیا ہوئی؟
روئے سیاہ کار سے پردہ اگر اٹھا دیا
جاگتے کو جگائے کون،ایسے کو گدگدائے کون؟
لیجیے آ گئی ہنسی، دیکھیے وہ جگا دیا
داورِ حشر کچھ نہ پوچھ دورِ شباب کا مزہ
شہد بہشت تھا مگر دستِ بخیل کا دیا
ہوتی نہیں دعا قبول حسن کی بارگاہ میں
دیکھیے مشتِ خاک کو وقت نے کیا بنا دیا
جذبۂ عاشقانہ دیکھ، حکمتِ بندگانہ دیکھ
بن کے یگانہؔ میں نے خود نقشِ دوئی مٹا دیا

سب ترے سوا کافر آخر اس کا مطلب کیا
سر پھرا دے انساں کا ایسا خبطِ مذہب کیا
اک اشارۂ فردا، ایک جنبشِ لب کیا
دیکھیے دکھاتا ہے وعدۂ مذبذب کیا
چلو بھر میں متوالی، دو ہی گھونٹ میں خالی
یہ بھری جوانی کیا؟ جذبۂ لبالب کیا
ہاں دعائیں لیتا جا، گالیاں بھی دیتا جا
تازگی تو کچھ پہنچے، چاہتا رہوں لب کیا
شامت آگئی آخر کہہ گیا خدا لگتی
راستی کا پھل پاتا بندۂ مقرب کیا
الٹی سیدھی سنتا رہ، اپنی کہہ تو الٹی کہہ
سادہ ہے تو کیا جانے بھانپنے کا ہے ڈھب کیا
سب جہاد ہیں دل کے، سب فساد ہیں دل کے
بے دلوں کا مطلب کیا اور ترکِ مطلب کیا؟
ہو رہے گا سجدہ بھی جب کسی کی یاد آئی
یاد جانے کب آئے، زندہ داریِ شب کیا؟
آندھیاں رکیں کیوں کر زلزلے تھمیں کیوں کر
کارگاہِ فطرت میں پاسبانیِ رب کیا
کارِ مرگ گئے دن کا، تھوڑی دیر کا جھگڑا
دیکھنا ہے یہ ناداں، جینے کا ہے کرتب کیا
پڑ چکے بہت پالے، ڈس چکے بہت کالے
موذیوں کے موذی کو فکرِ نیشِ عقرب کیا
میرزا یگانہ واہ! زندہ باد! زندہ باد!
اک بلائے بے درماں جب تم کیا تھے اور اب کیا

سجدۂ صبح و شام کیا کرتا
غائبانہ سلام کیا کرتا

جو نہ سمجھے خود اپنا مطلبِ شوق
وہ پیام و سلام کیا کرتا

جسے چاہا بنا لیا دیوتا
بندۂ بے امام کیا کرتا

نہ چلی کچھ تو بد دعا ہی سہی
دہنِ بے لگام کیا کرتا

جس کی تلوار کا ہو لوہا تیز
حجتِ ناتمام کیا کرتا

ارے کیسی سزا، کہاں کی جزا
ہچکچاتا تو کام کیا کرتا

وقت جس کا کٹے حسینوں میں
کوئی مردانہ کام کیا کرتا

مجھ سے معنی شناس پر جادو
حسنِ صورت حرام کیا کرتا

ایسے ہنگامہ زارِ ہستی میں
ایک اللہ کا نام کیا کرتا

ق

بندۂ خاص پر مرا مولا
نگہِ فیضِ عام کیا کرتا

یہ مساوات تحفۂ ناچیز
وہ یگانہؔ کے نام کیا کرتا

محبت نے ایمان کھویا تو کیا
پشیمانیوں میں ڈبویا تو کیا
حرارت ہے دل کی ابھی تک وہی
زمانے نے اتنا سمویا تو کیا
بنی ہے وہی موجِ تختِ رواں
مجھے ناخدا نے ڈبویا تو کیا
یہاں کیا دھرا ہے جو ہاتھ آئے گا
کلیجے میں پنجہ گڑویا تو کیا
امانت میں تیری خیانت نہ کی
مگر مفت کا بوجھ ڈھویا تو کیا
نہ میں وہ رہا اور نہ تو وہ رہا
تجھے ہاتھ سے اب جو کھویا تو کیا
سرِ بزم پیاسے ہی مر جایئے
کہ تلچھٹ سے دامن بھگویا تو کیا
تہِ دل سے ہو کچھ تو اک بات ہے
ہنسا میں تو کیا اور رویا تو کیا
کہاں اڑ گئی وہ جوانی کی نیند
اچٹتی سی اک نیند میں سویا تو کیا
پٹم کیوں نہ ہوجائے مانگے کی آنکھ؟
کہ عینک سے دھاگا پرویا تو کیا
تقرب سے شیطاں کو کیا فائدہ
تری پائنتی کوئی سویا تو کیا
خدا بخش دے میں نہ بخشوں کبھی
یزید اپنی کرنی پہ رویا تو کیا

بہا لے گیا گھر بھی ابرِ کرم
جو بویا تو کیا اور نہ بویا تو کیا
نہا لیتے گنگا، بکھیڑا تھا پاک
گناہوں کو زمزم سے دھویا تو کیا
تمھیں بھی مزہ اس کا چکھنا پڑا
یگانہ کو ہاتھوں سے کھویا تو کیا

❁

برا کیا ہے، لگی میں، اپنی حد سے دور ہو جانا
لپٹ کر شمع سے آخر سراپا نور ہو جانا
دکھائی جلوۂ موہوم نے کیا برق رفتاری
پلک جھپکاتے ہی حدِ نظر سے دور ہو جانا
حرارہ لا چکا تھا حسن، کہیے خیریت گزری
مجھے ٹھنڈا سمجھ کر جوش کا کافور ہو جانا
ہوائے پیرہن کا کوئی جھونکا لے اڑا شاید
مبارک ہو مبارک، بے پیے مخمور ہو جانا
فلک نے ایسی کروٹ لی کہ تڑکا ہو گیا ظالم
قیامت ہے چراغ حسن کا بے نور ہو جانا
بسی ہے نکہتِ آوارہ کن نازک دماغوں میں
مبارک ہستیِ برباد پر مغرور ہو جانا
دلِ نا محرمِ فردا، خدا کی مار ہو تجھ پر
ابھی سے نشۂ حسنِ عمل میں چور ہو جانا
علی کا بندہ ہو کر بندگی کی آبرو رکھ لی
یگانہ کے لیے کیا دور تھا منصور ہو جانا

❁

اپنی ہستی میں بھی کچھ شک آ پڑا
علم کا سودا بڑا مہنگا پڑا

آپ سے باہر چلے ہو ڈھونڈنے
آہ پہلا ہی قدم جھوٹا پڑا

یہ تو سمجھو خفتہ کیا بیدار کیا
ہوش پر جب وہم کا سایہ پڑا

وہ جلالِ میرزائی کیا ہوا
آگ ہو کر خاک سے دبنا پڑا

لد گئی وہ بندگی بے چارگی
بندہ و صاحب میں کیا جھگڑا پڑا؟

قد ہوا اتنا بڑا تو کیا ہوا؟
جب کوئی مشکل پڑی لمبا پڑا

راست بازی کی ہوس دنیا کے ساتھ؟
کیوں قسم کھائی تھی، کیوں مارا پڑا

زندہ رکھا ہے سسکنے کے لیے
واہ، اچھے دوست سے پالا پڑا

آج ہی حق سے ادا ہو جایئے
دھیان بھٹکا ولولہ ٹھنڈا پڑا

اب ہُوا رنگِ تصرف دیدنی
روح پر جب جسم کا پردہ پڑا

فکرِ دنیا میں رہے دن بھر خراب
شب ہوئی آنکھوں پہ پھر پردہ پڑا

واہ سنتے ہی یگانہ کی غزل
اپنے بیگانے کو بھی چسکا پڑا

کدھر چلا ہے ادھر ایک رات بستا جا
گرجنے والے گرجتا کیا ہے برستا جا
دکھا دے خاک کے پتلوں میں زور کتنا ہے
ہوا پہ تیر چکا، اب زمیں میں دھنستا جا
رلا رلا کے غریبوں کو ہنس چکا کل تک
مری طرف سے اب اپنی دَسا پہ ہنستا جا
جفائے پنجۂ خوں خوار سے جو بس نہ چلے
تو بن کے خشک نوالہ گلے میں پھنستا جا
علاجِ اہلِ حسد، زہر خندِ مردانہ
ہنسی ہنسی میں تو ان احمقوں کو ڈستا جا
بقدرِ ذوق تماشائے حسن ناممکن
ترسنے میں بھی ہے اک کیفیت، ترستا جا
تو آپ اپنی ہے شمشیر آپ اپنی سپر
یگانہؔ باگ اٹھا اپنے بل پہ کستا جا

❁

ہر رنگِ روشن ہر دیدنی کیا
دل تک نہ پہنچے وہ روشنی کیا
نشہ ہے نشہ، کس بل ہے کس بل
کس بل کے آگے اک سنسنی کیا
یہ نوجوانی یہ نامرادی
چھائی ہے منھ پہ یہ مُردنی کیا
منھ سے نہ بولو سر سے تو کھیلو
ہے ماجرائے ناگفتنی کیا

اندر ہی اندر کیوں کھپ رہے ہو
کر بیٹھے کوئی ناکردنی کیا
کیوں یاد آئے پچھلا زمانہ
اک جاں بلب سے یہ دشمنی کیا
مشکل تو اک دن آسان ہوگی
یہ کون جانے دم پر بنی کیا
ہم ہوں کہ تم ہو دونوں ہیں ٹھنڈے
اب دوستی کیا اور دشمنی کیا
انگور کھٹے ہوں خواہ میٹھے
بے دسترس کی طعنہ زنی کیا
ہر خار و گل ہے یکتا یگانہؔ
پھر دیدنی کیا، نادیدنی کیا

❁

ادب نے دل کے تقاضے اٹھائے ہیں کیا کیا
ہوس نے شوق کے پہلو دبائے ہیں کیا کیا
نہ جانے سہوِ قلم ہے کہ شاہکارِ قلم
بلائے حسن نے فتنے اٹھائے ہیں کیا کیا
نگاہ ڈال دی جس پر وہ ہو گیا اندھا
نظر نے رنگِ تصرف دکھائے ہیں کیا کیا
اسی فریب نے مارا کہ کل ہے کتنی دور
اس آج کل میں عبث دن گنوائے ہیں کیا کیا
پیامِ مرگ سے کیا کم ہے مژدۂ ناگاہ؟
اسیر چونکتے ہی تلملائے ہیں کیا کیا

کسی کے روپ میں تم بھی تو اپنے درشن دو
جہاں میں شاہ و گدا رنگ لائے ہیں کیا کیا
کہاں کے معنی و مطلب؟ یہ راگ ہے کچھ اور
الاپنے پہ مرے حال آئے ہیں کیا کیا
پہاڑ کاٹنے والے زمیں سے ہار گئے
اسی زمین میں دریا سمائے ہیں کیا کیا
گزر کے آپ سے ہم، آپ تک پہنچ تو گئے
مگر خبر بھی ہے کچھ پھیر کھائے ہیں کیا کیا
بلند ہو تو کھلے تجھ پہ زور پستی کا
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا
خوشی میں اپنے قدم چوم لوں تو زیبا ہے
وہ لغزشوں پہ مری مسکرائے ہیں کیا کیا
خدا ہی جانے یگانہؔ میں کون ہوں، کیا ہوں
خود اپنی ذات پہ شک دل میں آئے ہیں کیا کیا

❁

لذّتِ زندگی مبارک باد
کل کی کیا فکر، ہر چہ بادا باد!
اے خوشا زندگی کہ پہلوئے شوق
دوست کے دم قدم سے ہے آباد
بندۂ عشق آہ کیا جانے
کسے کہتے ہیں بندۂ آزاد
دل سلامت ہے دردِ دل نہ سہی
درد جاتا رہا کہ درد کی یاد؟

مڑ کے دیکھا نہ آشیاں کی طرف
خون ہو ہو کے دل میں رہ گئی یاد
کششِ لکھنؤ ارے توبہ!
پھر وہی ہم وہی امین آباد
زیست کے ہیں یہی مزے، واللہ
چار دن شاد، چار دن ناشاد

ق

کوئی بنتا کوئی بگڑتا ہے
کون بدلے نظامِ کون و فساد؟
کون دیتا ہے دادِ ناکامی
خونِ فرہاد بر سرِ فرہاد
صبر اتنا نہ کر دشمن پر
تلخ ہو جائے لذتِ بیداد
صلح کر لو یگانہؔ غالبؔ سے
وہ بھی استاد، تم بھی استاد

وہ جوانی کی موج وہ منجدھار
خیر، نیت بخیر، بیڑا پار
آپ کیا جانیں مجھ پہ کیا گزری؟
صبح دم دیکھ کر گلوں کا نکھار
حسن اب تک ہے خوابِ غفلت میں
دیکھیے کس ہَوا سے ہو بیدار

سونگھ کر چھوڑ دو حسینوں کو
نہ بنانا کبھی گلے کا ہار
اپنے ہی سائے سے بھڑکتے ہو
ایسی وحشت پہ کیوں نہ آئے پیار؟
تو بھی جی اور مجھے بھی جینے دے
جیسے آباد گل سے پہلوئے خار
خبطِ مذہب ہو خواہ تحفۂ کفر
جس سے پایا اسی کے سر دے مار
منھ جو تکتی ہو مرگِ دشمن کا
ایسی تلوار پر خدا کی مار
ہائے یہ بہکی بہکی باتیں کیوں ؟
کیا کوئی بھنگ چڑھ گئی سرکار؟
جاگتا خواب دیکھیے کب تک؟
چشمِ امید پر خدا کی سنوار
بے نیازی بھلی کہ بے ادبی؟
لڑکھڑاتی زباں سے شکوۂ یار؟
بندگی کا ثبوت دوں کیوں کر؟
اس سے بہتر ہے کیجیے انکار
عشق ہی عین زندگی تو نہیں
ہاں مگر زندگی کا آلۂ کار
زندگی نے یہ کیسی کروٹ لی؟
آئی کانوں میں کون سی جھنکار
ایسے دو دل بھی کم ملے ہوں گے
نہ کشاکش ہوئی نہ جیت نہ ہار

بن پڑے تو یگانہؔ بن کر دیکھ
عکس کوئی اتر سکے تو اتار

❁

تمھیں نہ چاہو لپٹنا تو بس چلے کیوں کر
ہنسی ہنسی میں لگا لے کوئی گلے کیوں کر
لگاؤں کیوں نہ کوئی عیب بے وفائی کا
بلائے حسن ہو نازل تو پھر ٹلے کیوں کر
الگ تھلگ کی ملاقات کرکری کیوں ہو
کھلے تو عشق کھلے، دل لگی کھلے کیوں کر
نباہنا بھی حسینوں سے اک بڑا فن ہے
تجھ ایسے باولے کو عاشقی پھلے کیوں کر
لگی ہو چاٹ جنھیں تیری بد زبانی کی
ادب سے بیٹھیں گے نچلے وہ من چلے کیوں کر
مجال تھی تمھیں دیکھے کوئی نظر بھر کے
یہ کیا ہے آج پڑے ہو مَلے دَلے کیوں کر
جبھی تو اپنی طرف دیکھتا ہوں حیرت سے
پڑا ہے عشق مرا آپ کے گلے کیوں کر
سمجھ کا پھیر ہے یا وقت کا تقاضا ہے
وہی برے نظر آنے لگے بھلے کیوں کر
بتاؤں کیا تمھیں بازار کا اتار چڑھاؤ
بنا رہے گا یہی بھاؤ دن ڈھلے کیوں کر
نگاہِ شوق نے آخر بنا دیا دیوتا
خبر بھی ہے مرے سانچے میں تم ڈھلے کیوں کر

یگانہؔ تم بھی ہو بہرے کہ اف نہیں کرتے
خدا کو کوستے پھرتے ہیں دل جلے کیوں کر

غزلِ یک قافیہ

کوئی کیا جانے بانکپن کے یہ ڈھنگ
صلح دشمن سے اور دوست سے جنگ

کچھ نہیں جنگِ زرگری ہی سہی
صلح کی صلح اور جنگ کی جنگ

کیا زمانہ تھا کیسے دشمن تھے
رات بھر صلح اور دن بھر جنگ

دیکھیے کیا ہو ٹھن گئی بے ڈھب
دلِ بے درد اور درد میں جنگ

کون بدلے نظامِ کون و فساد
کون روکے حباب و موج کی جنگ

فطرت اپنے اصول سے مجبور
صلح مقصود ہے کسی سے نہ جنگ

حسن اور عشق کی لڑائی کیا؟
جیسے جورو خصم میں سَوت پہ جنگ

مَرذُوا ایک لکھنؤ میں تھا
وہی مرزا یگانہؔ غالب جنگ

حسن وہ حسن جس کا روپ نہ رنگ
نت نیا رنگ نت نرالا ڈھنگ
حسن کیا حسن کی تجلّی کیا؟
رنگ لایا ہے جلوۂ بے رنگ
اس نگاہِ رسا کو کیا کہیے
جس پہ ہو عرصۂ دو عالم تنگ
دیکھیے لے اڑا کہاں سے کہاں؟
نشہ رنگ و بوئے رنگا رنگ
کام کیا فلسفی کا رندوں میں
کیوں ہو بیٹھے بھائے رنگ میں میں بھنگ
مردہ دل کو ٹٹولنے والو
چھیڑتے کیا ہو سازِ بے آہنگ
کیا اب آگے نہیں کوئی منزل؟
کیا ہوئی دل کی وہ لگن ، وہ امنگ
وہی الجھے نہ الجھے خاروں سے
جس کا دل تنگ جس کی دنیا تنگ
ہنستے ہنستے بنے تھے پریم بھگت
دل لگی بڑھتے بڑھتے لائی رنگ
سنگِ دل کو بنا دوں میں دیوتا
آپ کیا جانیں بندگی کے ڈھنگ
آہ کے ساتھ کھل نہ جائے بھرم
درد کتنا ہے دل میں، کتنی امنگ
جیتے جی یہ عذابِ تنہائی
دل لگا لو تو کیوں رہو دل تنگ

میرؔ کے آگے زور کچھ نہ چلا
تھے بڑے میرزا یگانہؔ دبنگ

آہ یہ بندۂ غریب، آپ سے لو لگائے کیوں
آ نہ سکے کو وقت پر، وقت پہ یاد آئے کیوں
دوست کے انتظار میں دوست کو نیند آئے کیوں
بوئے امید پاتے ہی رنگ بدل نہ جائے کیوں
مژدۂ مرگِ نوجواں آج ہی کیا ضرور تھا؟
آج تو دن ہے عید کا آج قیامت آئے کیوں
کلمہ پڑھوں تو کیوں پڑھوں، سب کی نظر پہ کیوں چڑھوں؟
یادِ خدا تو دل سے ہے، دل سے زباں تک آئے کیوں
لاکھ عتاب کا جواب، ایک خلوصِ بندگی
چینِ جبینِ دوست کو دھیان میں کوئی لائے کیوں
اپنے خیال میں ہے خوش، دل کی ضدیں تو دیکھیے
آپ سے دور کیوں رہے، آپ کے پاس جائے کیوں
خواب و خیال سے ہو پاک، نیند وہی ہے میٹھی نیند
نقشِ خیالِ نیک و بد نیند میں رنگ لائے کیوں
عیب سے خالی کون ہے؟ حسنِ دل سے پوچھیے
اہلِ نظر کے سامنے آنکھ جھپک نہ جائے کیوں
منھ جو ذرا اتر گیا اور بھی گل میں گل کھلا
یوں ہی بقدرِ ذائقہ، حسن بھی غم نہ کھائے کیوں
دید کی التجا کروں ؟ تشنہ ہی کیوں نہ جان دوں؟
پردۂ ناز خود اٹھے ،دستِ دعا اٹھائے کیوں

بھول بھی جا، بھلا بھی دے، یاد نہ کر، خدا کو مان
تیری زباں پہ بار بار نامِ یگانہ آئے کیوں

تو کیا ہمیں ہیں گنہ گار، حسنِ یار نہیں؟
لگاوٹوں کا گناہوں میں کیا شمار نہیں؟
امید لپٹی ہے جیسے کوئی بلا لپٹے
مگر وہاں ہے نہیں کی وہی ہزار نہیں
بدل نہ جائے زمانے کے ساتھ نیت بھی
سنا تو ہوگا جوانی کا اعتبار نہیں
جو غم بھی کھائیں تو پہلے کھلائیں دشمن کو
اکیلے کھائیں گے، ایسے تو ہم گنوار نہیں
کہو وہ بات دو بگتھی کہ یوں بھی ہو ووں بھی
زباں وہ کیا جو حقیقت کی پردہ دار نہیں
نہ جانے بہتے پھریں گے کدھر یہ دشمن و دوست؟
بڑھا تو دل ہے وہ دریا کہ وار پار نہیں
کبھی حقیقتِ فردا سنو تو کان کھلیں
ندائے دل ہے کوئی دور کی پکار نہیں
یہ خود کشی بھی تری کھیل ہے مشیت کا
کچھ ایسی چلتی ہے جیسے چھری پہ دھار نہیں
سلامت آپ کا حسنِ لازوال مگر
ہم آج ہی کے ہیں، کل کے امیدوار نہیں
کرے گا پرورشِ نخلِ آرزو کے دن؟
وہ بد نصیب جسے ذوقِ انتظار نہیں

یگانہ میر وہی ہے جو پہلے مار چلے
جو ٹھن گئی تو اب تابِ انتظار نہیں

❁

خون کے گھونٹ بلا نوش پیے جاتے ہیں
خیر ساقی کی مناتے ہیں، جیے جاتے ہیں
ایک تو درد ملا، اس پہ یہ شاہانہ مزاج
ہم غریبوں کو بھی کیا تحفے دیے جاتے ہیں
آگ بجھ جائے مگر پیاس بجھائے نہ بجھے
پیاس ہے یا کوئی ہوکا کہ پیے جاتے ہیں
دولتِ عشق بھی مانگے سے کہیں ملتی ہے
ایسے ہی اہلِ ہوس راند دیے جاتے ہیں
نہ گیا خوابِ فراموش کا سودا نہ گیا
جاگتے سوتے تجھے یاد کیے جاتے ہیں
خوب سیکھا ہے سلام آپ کے دیوانوں نے
شام دیکھیں نہ سحر، سجدے کیے جاتے ہیں
نشۂ حسن کی یہ لہر، الٰہی توبہ
تشنہ کام آنکھوں ہی آنکھوں میں پیے جاتے ہیں
دل ہے پہلو میں کہ امید کی چنگاری ہے
اب تک اتنی ہے حرارت کہ جیے جاتے ہیں
ڈوبتا ہے نہ ٹھہرتا ہے سفینہ دل کا
دم الٹتا ہے مگر سانس لیے جاتے ہیں
کیا خبر تھی کہ یگانہ کا ارادہ یہ ہے
ڈوب کر پار اترنے کے لیے جاتے ہیں

❁

دل ایک ہی فتنہ ہے لیکن بیدار نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہاتھ میں کس بل لاکھ سہی، تلوار نہیں تو کچھ بھی نہیں

اپنی ڈفلی اپنا راگ، اپنی دوڑ ہے اپنی بھاگ
کہنے میں بات آتی ہے سردار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کیا کیا چوٹیں لیتا ہوں اور کیا کیا خالی دیتا ہوں
دیکھنے والے پسِ پردہ سرکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

چیکے چپکے ریشہ دوانی، یہ بھی کوئی پٹتی ہے؟
للکار نہیں تو کچھ بھی نہیں جھنکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

حجام ہو چاہے تکور یا اک بال تو ٹیڑھا کر دیکھے
اوزار نہیں تو کچھ بھی نہیں ، ہتھیار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کلمہ پڑھ کے ایسے ویسے کتنے مسلماں بن بیٹھے
بات یہ کچھ دشوار نہیں، دشوار نہیں تو کچھ بھی نہیں

محرابوں میں سجدہ واجب، حسن کے آگے سجدہ حرام
ایسے گنہ گاروں پہ خدا کی مار نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل سے خدا کا نام لیے جا، کام کیے جا دنیا کا
کافر ہو، دیں دار ہو، دنیادار نہیں تو کچھ بھی نہیں

جتنے کھنچتے جاؤ گے اتنا ہی لپٹتا جاؤں گا
انکار کی لذت، آ ہاہا ہا، انکار نہیں تو کچھ بھی نہیں

کہو تو تنہا جی کے دکھا دوں دست بدل یا دست بکار
ہاں مگر اپنے گوشۂ دل میں یار نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایک جھلک ہی دکھلا دے تو دور سے جھک کے سلام کروں
اس پار جگت کے ہوگا کوئی، اس پار نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل شکنی یا بت شکنی تو یاد ہے اب تک یاروں کو
دستِ یگانہؔ تیرے گلے کا ہار نہیں تو کچھ بھی نہیں

مستانہ رقص کیجیے گردابِ حال میں
بیڑا ہے پار، ڈوب کر اپنے خیال میں
دیکھے جو حسنِ دوست کو شانِ جلال میں
آجائے آفتابِ قیامت زوال میں
مارا فریبِ حسن کا پنپے تو جانیے
کتنے خدا رسیدہ پڑے اس وبال میں
ہاں کیوں نہ پار اتر چلوں خمیازہ جھیل کر
ڈوبے مری بلا عرقِ انفعال میں
ترسی ہوئی نگاہوں پہ اب رحم کیجیے
کب تک یہ امتیاز، حلال و حرام میں
کھٹکا لگا نہ ہو تو مزہ کیا گناہ کا؟
لذت ہی اور ہوتی ہے چوری کے مال میں
کیا زندگی کے بعد بھی ہے کوئی زندگی؟
پھر جان آ چلی چمنِ پائمال میں
آوازِ بازگشت پہ کیا دیتے ہو صدا
کس سے الجھ رہے ہو جواب و سوال میں
واللہ قفس میں آتے ہی کیا مت پلٹ گئی
آخر ہمیں تو ہیں کہ پھڑکتے تھے جال میں
ہوش و خرد حقیقتِ روشن کہیں جسے
ہے اک جھلک سی پردۂ صد احتمال میں
مستِ انا بھلے کو پیمبر نہ بن گیا!
سوجھی تو خوب نشۂ بے اعتدال میں
واللہ نگاہِ شوق کی معراج ہے یہی
وہ خواب دیکھیے جو نہ آئے خیال میں

ممکن کی آرزو میں موے کتنے نا مراد
اچھی گزر گئی مری فکرِ محال میں
کیا بزمِ اتحاد ہے کیا حسنِ اتفاق
بیگانہ و یگانہؔ ہیں سب ایک حال میں

بہارِ زندگی ناداں بہارِ جاوداں کیوں ہو
یہ دنیا ہے تو ہر کروٹ وہی آرام جاں کیوں ہو
خدارا میرے ان کے اور کوئی درمیاں کیوں ہو
پیمبر کیوں بنے، آخر کسی کا رازداں کیوں ہو
کبھی جلوہ دکھاتے ہو تو آئینہ در آئینہ
کھلا پردہ سہی، پھر بھی یہ پردہ درمیاں کیوں ہو
مرے دل میں سما کر دیکھ اپنے حسن کا عالم
کسی آئینہ خانے پر نگاہِ امتحاں کیوں ہو
کوئی ناگفتنی مطلب ہے ان نیچی نگاہوں کا
زباں تک آ نہیں سکتا تو آنکھوں سے بیاں کیوں ہو
گنہ گارِ محبت کو اسی عالم میں رہنے دے
سزا واجب سہی لیکن بہشتِ جاوداں کیوں ہو
جلایا ایسے ویسوں کو تبھی تو ناک میں دم ہے
ہم ایسے خاکساروں کو تپاؤ تو دھواں کیوں ہو
مرے ہوتے غریبوں کو ستانا اور پچھتانا؟
تمھیں دردِ پشیمانی، نصیبِ دشمناں کیوں ہو
جفا کو ہم وفا سمجھے، نہیں تو چل بسے ہوتے
مگر وہ پوچھتے کیا ہیں کہ اب تک تم جواں کیوں ہو

مزہ جب ہے کہ رفتہ رفتہ امیدیں پھلیں پھولیں
مگر نازل کوئی فضلِ الٰہی ناگہاں کیوں ہو
ریاضت سے جو حاصل ہو وہی سچی مسرت ہے
میسر آ سکے صاحب تو ان داموں گراں کیوں ہو
مَرا دشمن خود اپنی موت، تو نے تو نہیں مارا
کوئی مردِ عمل جھوٹی خوشی پر شادماں کیوں ہو
بشر ہوں میں فرشتہ کیوں بنوں؟ جیسا ہوں اچھا ہوں
بغاوت اپنی فطرت سے، نصیبِ دشمناں کیوں ہو
زمانہ لاکھ گم ہو جائے آپ اپنے اندھیرے میں
کوئی صاحب نظر اپنی طرف سے بدگماں کیوں ہو
یہ ناہموار ہی ہموار ہو جائے تو کیا کم ہے
زمیں سے جب نہیں فرصت تو فکرِ آسماں کیوں ہو
چلا آتا ہے کب سے علمِ سینہ عشق سے کینہ
مگر یہ بغضِ دیرینہ سرِ منبر بیاں کیوں ہو
ارے یہ کیا کہ چاہوں بھی تو حق سے پھر نہیں سکتا
خود اپنے ہاتھوں گمراہی کی کوشش رائگاں کیوں ہو
کہیں رسمی عبادت روح کو بیدار کرتی ہے؟
نمازِ بے عمل سے حق مذہب رائگاں کیوں ہو
اک آنکھیں ہیں کہ تکتی ہیں کسی کو ٹکٹکی باندھے
یہاں سر ہے نہ سودا ہے تو سجدے کا نشاں کیوں ہو
تجھی سے اڑ چلے ہیں پر لگا کر خاک کے پتلے
خداوندا زمیں سے پست اتنا آسماں کیوں ہو
کہاں خواب و خیال اتنے؟ حقائق ہر طرف جتنے
نگاہِ نارسا، یہ نقدِ فطرت رائگاں کیوں ہو

یگانہؔ فکرِ حاصل کیا؟ تم اپنا حق ادا کر دو
بلا سے تلخ گزرے، زندگانی رائگاں کیوں ہو
یگانہؔ سے بھڑکتا کیوں ہے ظالم ماجرا کیا ہے
تجھی میں چور ہے ورنہ یہ کھٹکا درمیاں کیوں ہو
کہاں بلبل کا یہ نغمہ کہ حال آ جائے عارف کو
بھلا اس وجد کے عالم میں مرغے کی اذاں کیوں ہو

❁

زمانہ خدا کو خدا جانتا ہے
یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے
اسی میں دل اپنا بھلا جانتا ہے
کہ اک ناخدا کو خدا جانتا ہے
وہ کیوں سر کھپائے تری جستجو میں؟
جو انجامِ فکرِ رسا جانتا ہے
وہی منھ چھپانا وہی لن ترانی
تو اس کے سوا اور کیا جانتا ہے
خدا ایسے بندے سے کیوں پھر نہ جائے
جو بیٹھا دعا مانگنا جانتا ہے
فرشتوں کی پرواز کو مانتا کیا؟
جو دل کی تڑپ کو رسا جانتا ہے
وہ کیوں پھول توڑے، وہ کیوں پھول سونگھے؟
جو دل کا دکھانا برا جانتا ہے
برائی میں تو دیکھتا ہے بھلائی
تو کیا بوم کو بھی ہما جانتا ہے

جسے موت مانگے نہ ملتی ہو، واللہ
وہی زندگی کا مزہ جانتا ہے
کدھر جارہا ہے ترا خوں گرفتہ
مگر غیب کا راستا جانتا ہے
زہے سہوِ کاتب کہ سارا زمانہ
مجھی کو سراپا خطا جانتا ہے
انوکھا گنہ گار یہ سادہ انساں!
نوشتے کو اپنا کیا جانتا ہے
یگانہؔ تو ہی جانے اپنی حقیقت
تجھے کون تیرے سوا جانتا ہے

بندہ وہ بندہ جو دم نہ مارے
پیاسا کھڑا ہو دریا کنارے
دکھ درد تو ہی سمجھے نہ سمجھے
گونگا تو گونگا کس کو پکارے؟
بندوں سے اپنے اتنا تغافل؟
چوکھٹ پہ کوئی سر دے نہ مارے
قربان تیری اٹکھیلیوں کے
خود سر چڑھائے خود مار اتارے
اف ری مشیت، پھولے تو لاکھوں
پھلتے نہ دیکھے سارے کے سارے
کرنی کسی کی، بھرنی کسی کی
بے موت مرنا غیرت کے مارے

فتنہ بھی پامال، اپنا بھی یہ حال
کروٹ بدلیے کس کے سہارے؟
اتنا بھی سیدھا سادہ چلن کیا؟
ایسے کو کوئی کیوں کر ابھارے؟
ٹکرا کے دیکھیں تم کیا ہو ہم کیا
جیتے تو جیتے ہارے تو ہارے
لیلیٰ ہے لیلیٰ، اندھا ہے اندھا
مشاطہ چاہے جتنا سنوارے
حسنِ یگانہؔ اللہ اللہ
یہ بھیس بدلے یہ روپ دھارے

حسن پر فرعون کی پھبتی کہی
ہاتھ لانا یار، کیوں کیسی کہی؟
دامنِ یوسف ہی بھڑکاتا رہا
عشق اور ترکِ ادب؟ اچھی کہی
کون سمجھائے کہ دنیا گول ہے
آپ نے جیسی سنی، ویسی کہی
کوئی ضد تھی یا سمجھ کا پھیر تھا
من گئے وہ، میں نے جب الٹی کہی
درد سے پہلے کروں فکرِ دوا
واہ یہ اچھی اَنوکھی کہی
دوست سے پردہ کیا، یہ کیا کیا؟
آپ بیتی چھوڑ جگ بیتی کہی

شک ہے کافر کو مرے ایمان میں
جیسے میں نے کوئی منھ دیکھی کہی
کیا خبر تھی یہ خدائی اور ہے؟
ہائے میں نے کیوں خدا لگتی کہی
مفت میں سن لی یگانہؔ کی غزل
ان سنی کر دی جو مطلب کی کہی

❁

کیوں ہوش میں پھر آیا، کیوں ہاتھ مل رہا ہے
حد سے گزرنے والے تیری یہی سزا ہے
آئینہ ہوگا ٹیڑھا، ایسا تو میں نہیں ہوں
دن دیکھتے یہ دھوکا، اک طرفہ ماجرا ہے
صورت ہی ایسی پیاری دیکھو تو رال ٹپکے
فطرت کا اقتضا ہے بندے کی کیا خطا ہے؟
سچی طلب ہے کچھ اور، جھوٹی ہوس ہے کچھ اور
کیا بوسہ لینے والا یوں بھیک مانگتا ہے؟
یک جان اور دو قالب ہوں گے تو دو ہی ہوں گے
دو میں جو تیسرا ہے آنکھوں میں ٹھیکرا ہے
جان آتے آتے اک دن آ جائے تو عجب کیا
امید کا خیالی پُتلا تو بن چکا ہے
تو حسن کا ہے دیوتا، میں عشق کا پیمبر
دیکھیں تو کون اپنے سانچے میں ڈھالتا ہے؟
کیوں آپ سے یگانہؔ بیگانہ ہے زمانہ؟
'غالب شکن'☆ جو ٹھہرے پھر پوچھنا ہی کیا ہے

☆ غالب شکن یگانہ کی ایک کتاب کا نام ہے، جس نے ایک ہلچل مچا دی تھی۔ (یگانہ)

نہ جانے کیا ہو، یہ دیوانہ جس جگہ بیٹھے
خودی کے نشے میں کچھ ان کہی نہ کہہ بیٹھے
سنبھل کے تو لیے تلوار، دیکھیے ہشیار
کہیں کلائی پہ دستِ ہوس نہ گہہ☆ بیٹھے
کہیں کے رہتے نہ آوارگانِ بد آغاز
قدم قدم پہ خطا پائی جب تو دَہ بیٹھے
مثال خس جو دڑیڑوں میں بہہ گئے تو کیا
اسی کے گہرے ہیں یاں ڈوب کر جو تہ بیٹھے
معاملہ ہے دلِ دوست کا بڑا نازک
کروں جو آہ تو گردِ نفس کی تہ بیٹھے
امیدوار ہیں احسانِ دوست کے ہم بھی
وفا کی داد نہ دے، بے وفا ہی کہہ بیٹھے
یگانہؔ آپ کی بالا روی کی کیا کہنے
مجال کیا ہے جو دامن پہ گردِ رہ بیٹھے

☆ گہہ بیٹھے ٹھیٹھ ہندی کا محاورہ ہے یعنی ایسی گرفت کہ چھڑائے نہ چھوٹے۔ ہندی کا شاعر کہتا ہے: شیام رے موری بہیاں گہونا۔ (یگانہ)

خدا کے سامنے دامن پسارنے والے
وہ ہاتھ تھک گئے کیا مال مارنے والے
جھکے تو بنیے کے آگے، دبے تو پنڈت سے
بہت اکڑتے تھے شیخی بگھارنے والے
زمانہ سازوں کی یہ سادگی و پرکاری
بڑے سیانے ہیں دو ہاتھ ہارنے والے

بلا نہ ہو کوئی نازل سیاہ کاروں پر
بہت سنور چکے زلفیں سنوارنے والے
کہاں کا روزِ جزا؟ کل کے مرتے آج مریں
امید و بیم کو ٹھوکر پہ مارنے والے
تمھاری جیت تو جب تھی دلوں میں گھر کرتے
زباں سے ہار نہ مانیں گے ہارنے والے
لگی ہو جس کے، وہی چپ کی داد پاتا ہے
پکارتے رہے ناحق پکارنے والے
نکالتے ہیں اسی منھ سے حسن میں سو عیب
ہوس نصیب، وہی منھ پسارنے والے
تمھارے دم سے سلامت ہیں ولولے دل کے
سزا کے بعد خطا پر ابھارنے والے
یگانہ کون وہ بزمِ ادب سے بیگانہ
لڑائی چھیڑ کے پگڑی اتارنے والے

حاصلِ فکرِ نارسا کیا ہے
تو خدا بن گیا، برا کیا ہے
کیسے کیسے خدا بنا ڈالے
کھیل بندے کا ہے، خدا کیا ہے
آئی کو ٹال دے جبھی جانیں
دم بخود ہے تو پھر خدا کیا ہے
دل ہے اپنی جگہ خدا اپنا
ہم غریبوں کا آسرا کیا ہے

دردِ دل کی کوئی دوا نہ دعا
"یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے"
حسن کے ہتھ کنڈے ارے توبہ
درد کیا چیز ہے دوا کیا ہے
لد گئی کل کی بات کل کے ساتھ
یاد آئے تو اب مزہ کیا ہے
نہ سنا ہوگا راگ فطرت کا
جانتے ہو مری صدا کیا ہے
وہی نیرنگیِ طلسم ہوا
موج کیا اور بلبلا کیا ہے
دیدۂ دل سے دیکھ اپنی طرف
چشم حیراں تجھے ہوا کیا ہے
نور ہی نور ہے، کہاں کا ظہور
اٹھ گیا پردہ اب رہا کیا ہے
رہنے دے حسن کا ڈھکا پردہ
وقت بے وقت جھانکتا کیا ہے
عکس میرا بھی پڑ گیا ناگاہ
ارے آئینے کی خطا کیا ہے
وقت کی بات اور وقت کے ہاتھ
سہو کیا چیز ہے، خطا کیا ہے
زہر میٹھا نہ ہو تو زہر ہی کیا
دوست جب دے تو پوچھنا کیا ہے
کیا ٹلے گی مشیتِ ازلی؟
اک تسلی سی ہے دعا کیا ہے

اپنے ہی عکس پر ہو چیں بجبیں
کیوں یگانہ یہ ماجرا کیا ہے

خدا کی مار وہ ایامِ شور و شر گزرے
وہ جن سوار تھا سر پر کہ سر سے در گزرے
مرے فرشتے بھی شاید ہیں آپ کے جاسوس
کہ آہ کرتے ہی پرچہ لگے،خبر گزرے
حلال بھی مرے حق میں حرام، واویلا
نگاہِ شوق سے کیا کیا گل و ثمر گزرے
جو سبز باغِ تمنا پہ پھیر دے پانی
خدا بچائے، ہم ایسی نظر سے در گزرے
نکالے عیب میں سو حسن،حسن میں سو عیب
خیال ہی تو ہے،جیسا بندھے جدھر گزرے
زمین پاؤں تلے سے نکل گئی تو کیا؟
ہم اپنی دھن میں زمانے سے بے خبر گزرے
خدا کے بعد بھروسا ہے حضرتِ دل کا
خدا نخواستہ شک ایسے دوست پر گزرے
مزہ نہ پوچھیے واللہ دل دکھانے کا
کہاں کا خوف خدا؟ ٹھان لی تو کر گزرے
ادب کے واسطے کتنوں کے دل دکھائے ہیں
یگانہ حد سے گزرنا نہ تھا مگر گزرے

کیوں یار تو ہی دل سے بھلا دے تو کیا کرے؟
بندہ ترا دعا نہ کرے بد دعا کرے؟
اتنا تو زندگی کا کوئی حق ادا کرے
دیوانہ وار حال پر اپنے ہنسا کرے
رفتارِ زندگی میں سکون آئے کیا مجال!
طوفاں ٹھہر بھی جائے تو دریا بہا کرے
دل کی خبر تو لے مرے روشن دماغ دوست!
یہ اندھی روشنی ہی نہ الٹی دغا کرے
کیا پوچھتے ہو عشق کا جن ہے وہ بد بلا
تم پر سوار ہو تو خدا جانے کیا کرے
مذہب کے ساتھ ساتھ ہے شیطان کا بھی ڈر
دیوانہ تیرا ایک نہ مانے، خدا کرے
آنکھوں کے آگے پھر کوئی پردہ سا اٹھ چلا
شاید امید، وہم میں پھر مبتلا کرے
ہاتھ آئے کوئی چاند ستارہ تو جانیے
ہے عرش پر دماغِ فلاطوں، ہوا کرے
جاتی ہے کس کی پیش، تری بارگاہ میں
البتہ کوئی گونگی زباں التجا کرے
سرکار ہاتھ اٹھایئے میرے سلام سے
اٹھتے ہی دستِ شوق مبادا خطا کرے
کس منھ سے ہنس پڑے تھے ہم انجامِ حسن پر
کون اس گناہ گار کے حق میں دعا کرے
ایسی جھکی اِدھر کہ نہ اٹھی کسی طرف
دزدیدہ وہ نگاہ کہاں تک وفا کرے

پھر میری بندگی نہ یگانہؔ کی صاحبی
صاحب وہ کیا جو بندے سے اپنے دغا کرے

خداؤں کی خدائی ہوچکی بس
خدا را بس، دہائی ہوچکی بس
کہیں پتھر بھی ہو سکتا ہے پانی
دعاؤں کی رسائی ہوچکی بس
کسی ڈھب سے نپٹ لو جب مزہ ہے
بہت زور آزمائی ہوچکی بس
بجھائے کون، تو جس کو جلائے؟
پتنگوں کی چڑھائی ہوچکی بس؟
ہوا میں اڑ گیا ایک ایک پتا
گلوں کی جگ ہنسائی ہوچکی بس
بھلا اب کیا بچوں اپنی نظر میں
نظر اپنی، پرائی ہوچکی بس
کہاں تک کیجیے خونِ تمنا
کہاں کی پارسائی؟ ہوچکی بس
نگاہیں ملتے ہی دونوں تھے ٹھنڈے
ارے یہ کیا، لڑائی ہوچکی بس؟
رہا کیا جب دلوں میں فرق آیا؟
اسی دن سے جدائی ہوچکی بس

بہت پہنچا تو نادیدہ پہ رِیجھا
تخیل کی رسائی ہوچکی بس

یہ کس نے چومتے ہی گال کاٹا؟
کہو یار آشنائی ہوچکی بس

پڑے ہو کون سے گوشے میں تنہا
یگانہؔ کیوں خدائی ہوچکی بس

برابر بیٹھنے والے بھی کتنے دور تھے دل سے
مرا ماتھا جبھی ٹھنکا فریبِ رنگِ محفل سے

ارادے نے عمل کی راہ پائی کتنی مشکل سے
الٰہی خیر، لو ہے لگ گئے پہلی ہی منزل سے

نہ ترکِ اختیار آساں نہ ضبطِ اضطرار آساں
کوئی ایسا بھی ہے، پیاسا پلٹ آئے جو ساحل سے

ہوائے غیب لہراتی ہے دل کو، دیکھیے کیا ہو؟
کشش منجدھار کی کس دن لگا لے جائے ساحل سے

مشیت اپنی تو جانے، کوئی گم گشتہ کیا جانے
اٹکتا جائے رہزن سے، بھٹکتا جائے منزل سے

تمام انساں تو کیا، دو بھی برابر ہو نہیں سکتے
جہاں دو ہو نگے، بڑھ جائے گا ایک اپنے مقابل سے

اسی کو مان لوں برحق زمانہ ساتھ دے جس کا؟
زمانہ وہ جسے مطلب کوئی حق سے نہ باطل سے

ستم گر کتنے دَم بیٹھے اس اندازِ بغاوت پر
جہاں چپ سادھ لیتا ہوں، خبر ہوتا ہوں مشکل سے

ریاکاری سلامت، ہاتھ سچا پڑ نہیں سکتا
جبھی تو یار جنگِ زرگری رہتی ہے قاتل سے
ہوس کتنی انوکھی؟ اقتضا کتنا جداگانہ؟
تمھاری سی ہنسی ہنستا کوئی کیوں کر تہِ دل سے
کمالِ عشق کس دُھن میں 'انا لیلیٰ' پکار اٹھا؟
گریباں پھاڑ کر وہ بھی نکل آئے نہ محمل سے
مزاجِ حسن میں بھی درد پیدا ہو چلا شاید
پھڑک اٹھتا تھا ظالم پہلے کیا کیا رقصِ بسمل سے
جزائے خیر دے اللہ، اِس دیرینہ دشمن کو
بلائے زندگی لپٹی ہے اب تک نیم بسمل سے
تمیزِ رنگ و بو بھی حیرتِ دیدار کے صدقے
کوئی کیا جانے میں حاضر ہوں یا غائب ہوں محفل سے
دلِ طوفاں شکن تنہا جو آگے تھا سو اب بھی ہے
بہت طوفان ٹھنڈے پڑ گئے ٹکرا کے ساحل سے
ٹھہر جانا اشارے پر، نہیں آگے نکل جانا
یگانہؔ سے تجھے مطلب کہ راہ و رسمِ منزل سے

انوکھی معرفت اندھوں کو حاصل ہوتی جاتی ہے
حقیقت تھی جو کل تک آج باطل ہوتی جاتی ہے
بلندی کیا ہے پستی کیا؟ ہوا کی کارفرمائی
سراسر موجِ دریا غرقِ ساحل ہوتی جاتی ہے
برائی میں بھلائی دیکھتا جاؤں مگر کب تک؟
یہ کیسی دولتِ عرفاں کہ نازل ہوتی جاتی ہے

نہ کترائے نہ بل کھائے تو پھر دھارا کدھر جائے
ارے یہ کیا کہ راہِ راست مشکل ہوتی جاتی ہے
کہاں لے جائے گی یہ وسعتِ آفاق کیا جانے؟
مکان و لا مکاں سے دور منزل ہوتی جاتی ہے
محبت کا مزہ بگڑا کہ نیت بھر گئی اپنی
طبیعت جانے کیوں تلخی پہ مائل ہوتی جاتی ہے
گناہِ عشق امرِ اضطراری کے سوا کیا تھا؟
مگر توفیقِ رسوائی بھی شامل ہوتی جاتی ہے
مجھے دیکھو تو سمجھو حسن کے معنیِ وجدانی
وہ معنی جس سے روشن خلوتِ دل ہوتی جاتی ہے
زہے شانِ خداوندی،گنہ گاروں پہ یہ رحمت؟
غضب ہے پارسائی اور مشکل ہوتی جاتی ہے
نظر پڑنے لگی میری بھی اپنے شیشۂ دل پر
جوانی ان کی آئینے کے قابل ہوتی جاتی ہے
مرے دل میں لگا کر آگ ،آنکھیں سینکنے والے
تری چشمِ توجہ اور قاتل ہوتی جاتی ہے
چلو تم بھی سنو شورِ وِلا بزمِ یگانہؔ میں
چھڑا سازِ محبت ،گرم محفل ہوتی جاتی ہے
یگانہؔ لکھنؤ کی سیر کر آتے تو اچھا تھا
طبیعت سان پر چڑھنے کے قابل ہوتی جاتی ہے

❁

مزاج آپ کا دنیا سے کچھ کشیدہ سہی
فریب کھاؤ گے پھر بھی، فریب دیدہ سہی

یہ سبز باغ کا عالم، یہ رنگِ لیل و نہار
بہل ہی جائے گا دل، آپ سے رمیدہ سہی
یہ غنچہ کیسا کہ دیکھے سے دل دھڑکتا ہے
ارے یہ ایک ہی فتنہ ہے، نو دمیدہ سہی
نگاہِ شوق کی گرمی خدا کی قدرت ہے
مزے پہ آہی گیا حسن، نارسیدہ سہی
کھٹکتی رہتی ہے دل میں نگاہِ دزدیدہ
خطائے حسن کہے کون؟ چشم دیدہ سہی
نگاہِ حسن سے اب تک وفا ٹپکتی ہے
ستم رسیدہ سہی پیرہن دریدہ سہی
فریبِ ابرِ کرم بھی بڑا سہارا ہے
بلا سے نخلِ تمنا خزاں رسیدہ سہی
پتے کی کہیے تو ظالم کا رنگ اڑتا ہے
زبانِ حال سے اک حرفِ ناشنیدہ سہی
ہوا جو بگڑی تو ٹھنڈا ہی کرکے چھوڑے گی
ہزار شعلۂ بے باک سر کشیدہ سہی
قریب ہوں مگر اتنا کہ جیسے کوسوں دور
مجھے نہ دیکھ سکو گے، زمانہ دیدہ سہی
مری نظر کی خطا ہوگی یا گلوں کی خطا
تمھارے راج میں کانٹے ہی برگزیدہ سہی
نکل ہی جاتا ہے مطلب، تری قسم کھا کر
تو بندگانِ ضرورت کا آفریدہ سہی
یگانہؔ ٹھن گئی بے ڈھب تو سوچتے کیا ہو
شریکِ کار نہیں تو نہیں، جریدہ سہی ☆

☆ جریدہ بمعنی تنہا۔ (یگانہ)

کس کی آواز کان میں آئی
دور کی بات دھیان میں آئی

ایسی آزاد روح، اس تن میں
کیوں پرائے مکان میں آئی

آپ آتے رہے بلاتے رہے
آنے والی اک آن میں آئی

ہائے کیا کیا نگاہ بھٹکی ہے
جب کبھی امتحان میں آئی

یہ کنارہ چلا کہ ناؤ چلی؟
کہیے کیا بات دھیان میں آئی؟

علم کیا، علم کی حقیقت کیا؟
جیسی جس کے گمان میں آئی

کون جانے ندائے حق کیا ہے؟
کس خدا کی زبان میں آئی

ایسی پائے خطا کہ اف نہ کرے
ڈھیل جس کی زبان میں آئی

حسن کیا خواب سے ہوا بیدار
جانِ تازہ جہان میں آئی

آپ کی یہ اکڑ، ارے توبہ
کب کسی نوجوان میں آئی

جان لیوا ہے یہ چڑھی تیوری
یہ کشش کس کمان میں آئی

بات ادھوری مگر اثر دونا
اچھی لکنت زبان میں آئی

آنکھ نیچی ہوئی ارے یہ کیا
کیوں غرض درمیان میں آئی
میں پیمبر نہیں یگانہؔ سہی
اس سے کیا کسر شان میں آئی

❁

ارے واہ صلح ہوئی تو کیا، وہی آگ دل میں بھری رہی
وہی خو رہی، وہی بو رہی، وہی فطرتِ بشری رہی
وہی بندگی، وہی صاحبی، وہی راج اور وہی راج ہٹ
نہ جوابِ تلخ کا حوصلہ، نہ مجالِ فتنہ گری رہی
وہی نیستی، وہی شامتیں، تو کہاں کی عید، کہاں کی دید
شبِ غم کی صبح ہوئی تو کیا وہی غفلتِ سحری رہی
کوئی رازِ درد چھپائے کیا کہ یہ دردِ دل ہے بری بلا
دمِ واپسیں بھی زبان کو وہی فکرِ پردہ دری رہی
نگہِ کرم کا سوال کیا ہے، عتاب کی بھی خبر نہیں
ترے سنگِ در پہ جبینِ شوق دھری رہی سو دھری رہی
نہ خداؤں کا نہ خدا کا ڈر، اسے عیب جانیے یا ہنر
وہی بات آئی زبان پر جو نظر پہ چڑھ کے کھری رہی
یہ بلائے حسن کہاں نہیں مگر اپنے واسطے قحطِ حسن
تمھیں کیا بتائیں نظر کے ساتھ جو زحمتِ نظری رہی
کوئی چشمِ شوق کے سامنے ہو تو سوجھتی ہے نئی نئی
ترے دم قدم کی بہار تھی کہ طبیعت اپنی ہری رہی
کوئی میری آنکھ سے دیکھتا وہ زوالِ دولتِ رنگ و بو
کہ بہارِ حسن کی شام کو بھی عجیب جلوہ گری رہی

کوئی آرزو تھی چھپی ہوئی ، کوئی اقتضا تھا دبا ہوا
دلِ مضطرب میں جبھی تو اک خلشِ شکستہ پڑی رہی
وہ گناہ گار ہمیں تو ہیں کہ جمالِ پاک کے سامنے
نظر اٹھتے اٹھتے جھپک گئی ، ہوسِ گناہ دھری رہی
عجب اتفاق ، بھڑک اٹھی وہ نشے میں دوست کی دشمنی
ارے اس حقیقتِ تلخ سے مجھے کیوں نہ بے خبری رہی
یہ وہ دل ہے جس میں سوائے حق کسی دوسرے کا گزر نہیں
وہی ایک ذات یگانہؔ بس ، وہی ایک جلوہ گری رہی

حسن سے بے خبر گزرنا کیا
سجدۂ حق ادا نہ کرنا کیا
دم بخود ہیں تمام محرمِ راز
تہ کو پہنچے تو پھر ابھرنا کیا
دیکھ ڈالے بہت جلال و جمال
برق چمکے تو چمکے ڈرنا کیا
اک نگاہِ غلط اِدھر بھی سہی
یار انصاف سے گزرنا کیا
دل دھڑکتا نہیں ترا ہے ہے
خونِ ناحق سے ہاتھ بھرنا کیا
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
پردے پردے میں یہ سنورنا کیا
صبح کے دم سے تھی وہ شادابی
شام ہوتی ہے اب نکھرنا کیا

دل کا کیا حال ہے کہو تو سہی
درد سر کا بہانہ کرنا کیا

ہو نہ ہو دل کسی کو دے بیٹھے
ورنہ بے وجہ منھ اترنا کیا

دیکھ لیں وہ تو کیا قیامت ہو
دم بدم آہِ سرد بھرنا کیا

لااُبالی جیے ،خوشی سے مرے
رات دن غم کے مارے مرنا کیا

اجی ظالم ہو چاہے جاہل ہو
اپنے بندے کو نام دھرنا کیا

خاک اڑتی ہے پیٹ میں ساقی
ارے خالی پیالہ بھرنا کیا

ہر طرف نت نئی خدائی ہے
پھر یگانہ کو یاد کرنا کیا

مشیت سے بگڑے تو کیوں کر بنے
خدا سے جو روٹھے وہ کس سے منے

بتوں سے خدا جانے کیسی بنے
چلو یاں سے اب اٹھ چلو سب جنے

کہاں کے نشیب اور کہاں کے فراز
جوانی ہے یہ، دل میں جیسی ٹھنے

مچلنے پہ آئے تو دریا ہے دل
کہ اڈے تو پیچھے نہ ہٹتے نہ بنے

کہاں رہ گئے رہزن و رہنما
وہ چٹیل بیاباں، وہ جنگل گھنے
خبر دار دلی سے آگے نہ جا
ادھر کے جناور بڑے مرکھنے
مرا پاؤں پھسلا تو پروا نہیں
مگر تم مرے ساتھ ناحق سنے
اچانک ترقی کوئی کھیل ہے؟
برا ہے یا بھلا بنتے بنتے بنے
سمجھتے نہ تھے جب تو خیر اب سہی
سمجھ لیں گے آپس میں دونوں جنے
مساوات ، فطرت میں ہے بھی کہیں
کہیں میوے دانے، کہیں گڑ چنے
جسے ایسے ویسوں سے جھکنا پڑے
بجا ہے ہم ایسوں سے جتنا تنے
غریبوں پہ کیا کیا ستم ڈھائے ہیں
کھڑے ہیں جو یہ سامنے بت بنے
خدا کا بڑا نام روشن کیا
خدا کے چہیتے، خدا کے جنے
حقیقت کی تہ کو پہنچنا محال
وہ پتلی چھنے چاہے گاڑھی چھنے
امید، ایسی امید کس کام کی؟
کبھی تو کوئی بچہ زندہ جنے
مبارک ہو جنت کا وعدہ تجھے
بس اس کے سوا کیا ہے تیرے کنے

یگانہ بنے یا امام الغزل
وہ جو کچھ بنے بنتے بنے

فریبِ آرزو کب تک ، امیدِ سخت جاں کب تک
مجھے خود بھی تعجب ہے ، رہے گا دل جواں کب تک
رہو گے پردۂ سیمیں پہ رسوائے جہاں کب تک
ارے یہ خود نمائی ، خود فروشی کی دکاں کب تک
دو روزہ جوانی کیا ہے مٹی کا کھلونا ہے
تمہارے ساتھ دل بہلائیں گے پیر و جواں کب تک
زمانہ کون سا تھا؟ نوجوانی کا زمانہ تھا
زمانے سے لڑی رہتی نگاہِ پاسباں کب تک
زمانہ ساتھ دیتا ہے چلو جب ساتھ ساتھ اس کے
مگر بچھڑے ہوؤں کی تال رکھتا کارواں کب تک
عجب حربہ ہے خاموشی، چلانا جس کو آتا ہو
چلے گی اس کے آگے آپ کی تیغِ زباں تک
دلِ تاریک میں نیکی جو آئی بھی تو کیا آئی
اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو ٹھہرے میہماں کب تک
کہاں لے جائے گی یہ فکر دور اندیش کیا جانے
نظر کے سامنے نیرنگ باطل کا دھواں کب تک
یگانہ کی غزل تم نے سنی کی ان سنی کر دی
مگر دورِ سخن کی تاب لائے گی زباں کب تک

کیا بن پڑے جو شوقِ طلب کی مدد نہ ہو
کھٹکا ہے دل کو نیتِ رہبر ہی بد نہ ہو

قدرت کے کارخانے میں یہ کیا بعید ہے
آغاز نیک ہو نہ ہو ،انجام بد نہ ہو
ہوش و خرد دو ورقہ ٔ کونین میں ہیں گم
پاؤں کہاں وہ دردِ طلب جس کی حد نہ ہو
کانوں میں ہیں رچی ہوئی کیا کیا روایتیں
کب تک دماغ پر اثرِ نیک و بد نہ ہو
کس سے کہوں کلیجا کھرچتا ہے بھوک سے
کیا ہوسکے نماز جو تیری مدد نہ ہو
خالی کا یہ مہینا ہے ، اب کی خدا کرے
سرکارِ حسن میں مری درخواست رد نہ ہو
ٹکرایئے کسی سے نہ صدمے اٹھایئے
رد اس طرف سے کیوں ہو،ادھر سے جو کد نہ ہو
عیدیں خدا نکردہ، منائیں الگ الگ
دونوں کے واسطے یہ کہیں روز بد نہ ہو
دیکھو زمین پاؤں تلے سے نکل نہ جائے
اتنا اکڑ کے چلتے ہو ، اک روز بھد نہ ہو
میٹھی زبان سے آپ تو منھ مار دیتے ہیں
رکھ دیتے ہو وہ مفت کا احساں کی رد نہ ہو
جب اور کوئی فیض نہ پہنچے تو کم سے کم
شاہوں کا عیب اپنے لیے کیوں سند نہ ہو
لڑتی نہیں نظر تو غنیمت ہی جانیے
جلوؤں کی مار آنکھوں پہ ہو، دل پہ زد نہ ہو
زندہ رہا تو کیا، ارے پیدا ہوا تو کیوں
وہ بدنصیب جس سے کسی کو حسد نہ ہو

یہ انقلاب کیسا، یہ کیا قیامت آئی
آئی تو ہر طرف سے آفت ہی آفت آئی

معنی کی روشنی میں دیکھی جب اپنی صورت
صورت کا منھ چڑھاتی ظالم کو سیرت آئی

یہ کس کے ہتھکنڈے تھے سمجھے تو کون سمجھے
یاروں کے دم قدم سے یاروں کی شامت آئی

رنجش کا جب مزہ ہے کیچڑ اچھالیں دونوں
اول کدورت آئی آخر کدورت آئی

ترسی ہوئی نگاہیں عالم وہ رنگ و بو کا
اب کیا بتاؤں نیت کیوں کر سلامت آئی

کچھ ایسی منھ کی کھائی توبہ بھی بھول بیٹھے
اوروں پہ ہنستے ہنستے اپنی بھی شامت آئی

اف یہ بھری جوانی غیرت سے پانی پانی
کیا کہیے چوک میں کیا یوسف کی قیمت آئی

بھاویں ہو کیا کسی کے دنیا و دیں کی دولت
جس گھر میں آپ آئے دولت ہی دولت آئی

دنیا کا کیا بھروسا، دولت کا کیا ٹھکانا
دولت تو دولت، آخر لٹنے کی نوبت آئی

نظروں پہ چڑھ گئے، کیوں ایسے پتے کی کہہ دی؟
کیوں میرزا یگانہؔ، کیوں ایسی نوبت آئی

❁

حسنِ کافر کی پرستش عینِ ایمان کیوں نہ ہو
دل جو رکھتا ہو مسلماں کیوں ہو، انساں کیوں نہ ہو

اور ترساتا ہے مفلس کو ترستا دیکھ کر
حسنِ ارزاں ضد کے مارے اور ارزاں کیوں نہ ہو

اپنی صورت، اپنی سیرت اور یہ ظالم آئنہ
آپ ہی اپنی سزا ،حسنِ پشیماں کیوں نہ ہو
کیا بتاؤں ،میری بربادی میں کس کا ہاتھ ہے
دستِ قدرت ہے تو پیدا کیوں ہو، پنہاں کیوں نہ ہو
خانۂ دل میں بھری ہیں جانے کیا کیا دولتیں
قفلِ خاموشی مرے گھر کا نگہباں کیوں نہ ہو
شوقِ آزادی خیالِ خام تھا کل تک ،مگر
وقت آپہنچا تو کارِ شوق آساں ،کیوں نہ ہو
پاؤں کو لغزش ہو اور کوئی سہارا بھی نہ ہو
ہاتھ اٹھ کر کم سے کم اپنا نگہباں کیوں نہ ہو
ہنستے ہنستے رہ گیا اپنا سا منھ لے کر غریب
جا و بے جا ہنسنے والا خود پشیماں کیوں نہ ہو
خود کھنچا جاتا ہے دھارا اپنی منزل کی طرف
ساتھ دے فطرت تو مشکل اپنی آساں کیوں نہ ہو
آہ کب تک روز و شب کی یہ ورق گردانیاں
صبح و شام زندگی خوابِ پریشاں کیوں نہ ہو
آگے کیا کیا سوجھتی تھی واہ رے دیوانے واہ !
عقل کی عینک لگا بیٹھا تو حیراں کیوں نہ ہو
جھوٹ کو سچ کر دکھاؤں ،کل نہیں پرسوں سہی
دوست سے انکار مشکل وعدہ آساں کیوں نہ ہو
کون آنکھوں میں سما سکتا یگانہ کے سوا
ماسوا سے چشم پوشی عینِ ایماں کیوں نہ ہو

جلوۂ حسن کا ہر چند اثر پڑتا ہے
پاس جاتا ہوں تو کچھ اور نظر پڑتا ہے
بے گناہوں کو بھی پامال کیے ڈالتے ہو
پاوں رکھتے ہو کہاں اور کدھر پڑتا ہے
لڑکھڑاتی ہیں زبانیں سرِ محفل کیا کیا
تمہیں دیکھو جو مری چپ کا اثر پڑتا ہے
تجھے کیا دیکھے کوئی، کون سے رخ سے دیکھے؟
اک نظر دیکھ لے بس عکس جدھر پڑتا ہے
تو سہی پھونک دوں یہ پاپ کی بستی ساری
کیا کہوں بیچ میں اک آپ کا گھر پڑتا ہے
کیسے خوش ہوتے تھے پہلے مگر اب کیا کہیے
ناگہاں اب کوئی مہماں اتر پڑتا ہے
جان کھا جائے گا یہ عیش و طرب کا دورہ
پڑنے لگتا ہے تو پھر شام و سحر پڑتا ہے
حسنِ بے باک کی اللہ ری بیگانہ روی
دستِ گستاخ جہاں کوئی نظر پڑتا ہے
دیکھ کس ناز سے دنیا تجھے ڈہکاتی ہے
ہاتھ جھوٹا ترا پڑتا ہے، جدھر پڑتا ہے
فکرِ فردا وہ بلا ہے کہ یگانہؔ صاحب
سوکھنے لگتا ہے دم، سایہ اگر پڑتا ہے

❁

یہ دل ہے یا کوئی پتھر کہ چوٹ ہی نہ لگے
کھری کھری کہو منھ پر تو کیوں بری نہ لگے

جبھی تک آپ کا خادم ہوں میں تہ دل سے
کہ اپنے ساتھ کوئی شرطِ بندگی نہ لگے
کبھی تو آئنہ دیکھو نگاہِ دشمن سے
خدا کرے تمھیں یہ نصیحت کڑی نہ لگے
وطن سے چھوٹ کر غربت میں دل لگے کیوں کر
یہ وہ نہال ہے جس کی قلم کبھی نہ لگے
بدل کے بھیس زمانے کی تھاہ لینا ہے
نگاہِ شک میں کوئی بات اجنبی نہ لگے
نکال لینے دو یاروں کو حوصلہ دل کا
دعائے بد بھی کریں وہ تو یاں کبھی نہ لگے
گناہ گار ہوں پھر بھی وہ دل دیا تو نے
تری جناب میں پہنچوں تو تھر تھری نہ لگے
یہی حدیثِ یگانہؔ جو تم نے دل سے سنی
زبان غیر سے سنیے تو کچھ بھلی نہ لگے

❁

خلش تو کوئی دل دوست میں نہ رہ جائے
بجا ہے شوق سے جو منھ میں آئے کہہ جائے
ذرا سی بات پہ لگتی ہے چوٹ کیا کہیے
دلِ حزیں کہیں اک ٹھیس میں نہ ڈھہہ جائے
یہ کیا کہ ہر کس و ناکس سے دل لگا بیٹھے
وہیں کا ہو رہے انسان جس جگہ جائے
کہاں کا جرم کہاں کی سزا، کہاں کا عذاب
جہاں اشارہ پنہاں کچھ اور کہہ جائے

ارے گئی تو گئی جس کی بات اس کے ساتھ
یہ کیا ستم ہے جوانی کی یاد رہ جائے
خود اپنی فکر میں ڈوبا رہے برا کیا ہے
اجی یہ دل کوئی تنکا نہیں کہ بہہ جائے
عجیب نسخۂ حکمت ہیں کھیل قسمت کے
مجال کیا ہے ذرا سی کسر رہ جائے
وطن کو چھوڑ کے پہنچا غریب جنت میں
یہاں سے اور کہاں جائے کس جگہ جائے
دلِ ستم زدہ آغوشِ کامرانی میں
خدا نخواستہ آسودہ ہوکے رہ جائے
یگانہ وہ تمہیں کیا مانتا نہیں؟ لیکن
قلم کی مار تو ایسی نہیں کی سہہ جائے

❁

خدا کہاں ہے، کسے درمیان دے کوئی
بتوں کے نام پہ شاید امان دے کوئی
مزہ ستانے کا جب ہے کہ دل ٹھکانے ہو
حواس گم ہوں تو کیا امتحان دے کوئی
نگاہِ حسن کا حسنِ طلب ہے جانِ امید
امید ایسی تو پھر کیوں نہ جان دے کوئی
کدھر سے آتی ہے مستانہ بوئے پیراہن
کہاں ہے، کون ہے، کس کا نشان دے کوئی
ارے وہ ناچ نچاؤں کہ روح وجد کرے
شکستہ ساز پہ میرے جو دھیان دے کوئی

خودی کا نشہ نہ چڑھ جائے مت پلٹ جائے
خدا نکردہ یگانہ کو تان دے کوئی

یہ کیسی عید آئی، یہ کیا قیامت آئی
یہ کس سے آنکھ الجھی ، کس پر طبیعت آئی

گرمی دکھا رہا ہے عہدِ شباب کیا کیا
کیا خوب،پھل جب آئے پھولوں کی شامت آئی

پیچھے نہ پھر کے دیکھے، دیتے رہو دہائی
یہ کس سے آنکھ الجھی ، کس پر طبیعت آئی

دو چار گالیاں ہی دے لیتے وہ تو کیا تھا
رونے کی جا تو یہ ہے دل میں کدورت آئی

چشمِ کرم کے صدقے، دامن پسارتا کیا
جب منھ سے مانگتے بھی بندے کو غیرت آئی

یہ سادگی تو دیکھو دل مجھ سے پوچھتا ہے
یہ کس سے آنکھ الجھی، کس پر طبیعت آئی

آخری غزل

بندھی ہے ٹکٹکی، آپس میں گفتگو نہ سہی
زبانِ حال سہی ، حرفِ آرزو نہ سہی

بھرا ہے بادۂ بے رنگ سے یہ شیشۂ دل
دماغ تازہ ہے اپنا، شگفتہ رو نہ سہی

کہاں وہ جلوۂ عریاں ، کہاں یہ حسنِ حجاب
یہی تو دید کے قابل ہے روبرو نہ سہی

جو تیری یاد میں کھویا گیا تو کیا پروا
جدھر بھی ہو دلِ گم گشتہ، قبلہ رو نہ سہی

پیام حق تو اُدھر ہی سے آئے گا اک دن
کھڑے ہیں منتظرِ وقت ،جستجو نہ سہی

خدا کے سامنے پاکیزگی جتانا کیا
نگاہ پاک ہو، دل صاف ہو، وضو نہ سہی

بھری بہار میں نیت نہ ہوگی ڈانواں ڈول؟
خیالِ خام سہی، تیری آرزو نہ سہی

ٹٹول لینے سے بے چارہ کیوں رہے محروم
ہوس نصیب کو احساسِ رنگ و بو نہ سہی

کسے خبر کہ یہ صورت ہے کس مرض کی دوا
نظر میں جچتی نہیں، ایسی رنگ و بو نہ سہی

مزاج کیوں نہ بہکتا زمانہ سازوں کا
زمانہ ان کے موافق ہے ، ایک تو نہ سہی

یگانہ آم وہی ہیں وہی ہیں خربوزے
یہ لکھنؤ ہے وہی، گو وہ لکھنؤ نہ سہی

(۱۹۵۳ء)

آخری مصرع

مرزا صاحب رہ گئے تنہا اک اک ساتھی چھوٹ گیا

(۱۹۵۶ء)

غزلیات

(فارسی)

من کہ بر نمی تابم دردِ زیستن تنہا
صبح دم چساں بینم شمعِ انجمن تنہا

تا کجا اماں یابد از ہجومِ جاں بازاں
گوشہ گیر فانوسے، بہر سوختن تنہا

ہر گلے و ہر خارے فتنہ با بر انگیزد
الحذر دلِ حیراں صد بہار و من تنہا

ذوق می تواں دانست رنگِ حسن نادیدہ
شاہدیست غمازے، بوئے پیرہن تنہا

طرفہ محشرے دارد از فریبِ فردائے
زندہ زیرِ پیراہن، مردہ در کفن تنہا

اے کہ کارہا کردی، مدفنے مہیا کن
تا بکے نہاں دارد عیب من کفن تنہا

چارۂ پشیمانی، خوش دلی و خوش کامی
توبہ از ریا کاراں، خندہا زمن تنہا

رہبرانِ خود گم را جز دعا چہ فرمایم
پا شکستہ و حیراں ماندہ در وطن تنہا

نا خدا زمن بگزر سوے دیگراں بنگر
کارِ من بہ دریا در دست و پا زدن تنہا

صد رفیق و صد ہمدم پر شکستہ و دل تنگ
داورا نمی زیبد بال و پر بہ من تنہا

نکتہ دانِ خود سازم میرزا یگانہ را
دل نمی تواں برداشت لذتِ سخن تنہا

خود پرستان ازل دارند ایمانے دگر
حق پرستی می کنند اما بہ عنوانے دگر

باز بشکستم بہ زخمِ خود نمک دانے دگر
شکرِ دردِ خویش ادا کردم بہ عنوانے دگر

دستِ خود دامانِ خود بودن ندارد لذتے
دستِ گستاخے دگر خواہیم و دامانے دگر

جز ترنم ہائے درد افزا ندارم چارۂ
بلبلِ تنہا نشیں را نیست درمانے دگر

گوشم از ذوقِ اسیری برنتابد مژدۂ
جانِ ایذا دوست دارد شوقِ زندانے دگر

پاسبانیِ از نگاہِ نارسا ناید درست
بوئے یوسف را مہیا کن نگہبانے دگر

الوداع اے حسن و عشقِ کفر مشرب، الوداع
ما ز فیضِ بے دلی داریم ایمانے دگر

غفلتِ جاوید دارد رنگِ خوابِ سرمدی
جلوۂ فردا بہ چشمِ ما شبستانے دگر

ہر کسے را بہرۂ باشد ز فیضانِ بہار
دستِ من رنگیں زخار و گل بدامانے دگر

زندہ در گوریم و شاید زندۂ جاوید ہم
جرعۂ خوردیم یاسؔ از آبِ حیوانے دگر

شاہدِ نا دیدہ را آثار نتواں یافتن
دسترس بر پردۂ اسرار نتواں یافتن
بہرۂ از فکرِ دور از کار نتواں یافتن
دادِ سعی از پاے کج رفتار نتواں یافتن
حشرِ بے ہنگام خواہی از طلسم خود بر آ
ورنہ ہیچ از وعدۂ دیدار نتوں یافتن
کارِ فردا بر خود آساں کن کہ بعد از خوابِ مرگ
اند کے از فرصتِ بسیار نتواں یافتن
اے دل بیدار ما، اے ننگِ غفلت الوداع!
ہیچ ازیں ہنگامۂ بازار نتواں یافتن
چارۂ ہر درد از دردِ دل فرمودہ اند
واے بر دردے کہ در بازار نتواں یافتن
ہر دلِ آسودہ ہست آمادۂ صد انقلاب
از دلِ بے ماجرا آثار نتواں یافتن
ہر گل وبلبل چہ گوید از فریب رنگ وبو
ہر کسے را ہم زبانِ خار نتواں یافتن
ہوشیار، اے ساکنِ دارالامانِ خار وخس
زینہار از برقِ بے زنہار نتواں یافتن
گفتنی نا گفتنی باشد دریں غفلت سرا
گوش محرم از در و دیوار نتواں یافتن
می تواند یافت از بزمِ یگانہ ہر دلے
آنچہ از بیگانۂ اسرار نتواں یافتن

(ترانۂ شقشقیہ)

یاس نام آورم فاتحِ لکھنؤ
اسمعو، افہمو، اسمعو، افہمو

منم کہ آئنۂ حق نما برائے خودم
منم کہ مشتریِ جنسِ بے بہائے خودم
منم کہ چارہ گر و درد آشنائے خودم
منم کہ دردِ خدا دادم و دوائے خودم
منم کہ سر نمی آرم بہ سجدۂ ناحق
منم کہ در رہِ حق محوِ نقشِ پائے خودم
منم کہ منتظرِ انقلاب می باشم
منم کہ سلسلہ جنبانِ غم برائے خودم
منم کہ منزلِ مقصود زیرِ پا دارم
شکستہ پایم و تاہم بہ مدعائے خودم
قدم ز غم کدۂ خود چہ می نہم بیروں
گدائے خاک نشینم ولے گدائے خودم
ہزار فتنہ بپا گشت و من خبر نشدم
ہزار کوہ شد از جائے و من بجائے خودم
صلائے نطق کرا داد مے بزاغستاں
کہ عندلیب ہم آہنگ و ہم نوائے خودم
منم کہ لکھنؤ را جانِ تازہ دادم
منم خدائے سخن یاسؔ و ناخدائے خودم

ترک گفتن بہ خیالِ خام را
دامنِ آغازِ بے انجام را
نے سوادِ منزلے نے ساحلے
گرد و باد موجِ بے آرام را
دیدۂ نامحرم فردائے ما
خوش نکرد آغازِ نیک انجام را
کورتر خوابیم و خارے بشکنیم
دیدۂ نا محرمِ انجام را
صنعتِ مشاطۂ فطرت دہد
جلوۂ نو حسنِ صبح و شام را
دخل نبود در شبستانِ عدم
فتنۂ بیدارِ صبح و شام را
نیست جائے در دلِ بے مدعا
خار خارِ کوششِ ناکام را
فتنۂ فردا بہ فریادم رسید
شکر گویم حشرِ بے ہنگام را
آں کہ جوید کعبۂ خلوت مثال
ترک گوید سجدہ گاہِ عام را
مژدۂ غم می زند ناخن بہ دل
مبتلائے دردِ خوش انجام را
یاسؔ در دارالامانِ بے دلی
''خاک بر سر کن غم ایام را''

اضطرابِ بال و پرِ پروانہ دارم دادہ اند
جائے دل یک شعلۂ بے اختیارم دادہ اند
تشنۂ موجِ سرابم پا بجولاں می روم
منزلِ موہوم و پائے قرارم دادہ اند
می دہد ہر منزل نو شوقِ پروازِ دگر
در پیِ عنقا فریبِ خوشگوارم دادہ اند
گوشِ نا محرم نہ زد جز صدائے باز گشت
صد جوابِ التجا، بیگانہ دارم دادہ اند
از فضائے عالمِ بالا فتادم سر نگوں
سوے پستی لغزشِ بے اختیارم دادہ اند
خویش را بہر تماشا درمیاں وزدیدہ ام
جاے خوش در پہلوے گل ہمچو خارم دادہ اند
مژدۂ تسکیں یگانہ گے نصیبِ من شود
یک پیامِ زیرِ لب بیگانہ دارم دادہ اند

❁

نیش درد ونوش درماں برنتابد ہر دلے
زیست مشکل،مرگ آساں برنتابد ہر دلے
جلوۂ شامِ غریباں برنتابد ہر دلے
منزلِ ہم رنگ زنداں برنتابد ہر دلے
از خزاں آبادِ عالم خویش را دزدیدہ ایم
رنگ و بوے ایں گلستاں برنتابد ہر دلے
در بہارِ پر خلش آسودہ نتواں زیستن
خار در پیراہنِ جاں برنتابد ہر دلے

خوش سروکارے مرا با دردِ سر افتادہ است
غمزۂ ناخواندہ مہماں برنتابد ہر دلے
سجدۂ تا صد سال بر خاک وطن نبود گراں
تکیہ بر دیوارِ زنداں برنتابد ہر دلے
دست و پا گم گشتۂ از اندیشۂ تعبیرِ بد
یادے از خوابِ پریشاں برنتابد ہر دلے
تہمتِ راحت کشم در منزلِ واماندگی
پا بہ گل، سر در گریباں برنتابد ہر دلے
منزل موہوم ما را پا بہ جولاں می برد
خاک بر سر، سر بہ ساماں برنتابد ہر دلے
العطش، اے ساقیِ خم خانۂ غم، العطش
نشۂ عیشِ پشیماں برنتابد ہر دلے
دوزخِ خود را بہشتے سازم از اعجازِ عشق
جائے گل، آتش بداماں برنتابد ہر دلے
بہرۂ از عقل جو، یا فیضے از دیوانگی
پندِ پیرو سنگِ طفلاں برنتابد ہر دلے
یاسؔ امید وفا از لکھنؤ فکرِ محال
شیوہ ہائے، مسلماں برنتابد ہر دلے

❁

وائے نادانی کہ داری گوش بر دیوارِ ما
اہل دل را روے ما آئینۂ اسرارِ ما
چشم پوشی شیوۂ ما،حیلہ جوئی تا کجا
اے کہ باشی غائبانہ در پےِ آزارِ ما

پیشِ پا افتادہ بینی صد بلند و پست را
بہرۂ یابی اگر از نشۂ پندارِ ما
ہر سکونِ مضطرب ،آئینۂ صد انقلاب
تا سحر محوِ تماشا دیدۂ بیدارِ ما
کیست ازیں ہر دو کہ بکشاید درے از معرفت
زاہدِ شب زندہ دارے، یا دل بیدارِ ما
تا بہ چشمِ ما نیرزد جز متاعِ بے خودی
رخصت اے ہوش وخرد ،رد کردۂ بازارِ ما
دوستانِ زندہ دل را خندہ بر لب سوختی
اے نگاہِ بے زبان،اے برقِ بے زنہارِ ما
زخمِ عبرت خوردہ ایم از دستِ نقاشِ ازل
خندۂ غفلت مزن بر پیکرِ خونبارِ ما
ہر کس از بزمِ یگانہ دست بر دل می رود
خویش را بیگانہ سازد محرمِ اسرارِ ما

❁

نو گرفتارم بزندانِ ہوس بے اختیار
دست بر دل ماندہ در کنجِ قفس بے اختیار
یا اجل دست و گریباں صد ہزاراں آرزو
از گراں جانی مبادا ہیچ کس بے اختیار
از فریبِ رنگ و بو چشمِ تمنا بے خبر
و ز ہوائے شوق ہر موجِ نفس بے اختیار
سروِ رعنا را بیادِ دوست گیرد درکنار
ایں دلِ بے دست و پا بے دسترس بے اختیار

دامنِ عصمت مآب از دامنِ گل پاک تر
جلوہ اش صبر آزما، دستِ ہوس بے اختیار
غافل از انجامِ خود، نا محرم از آغازِ خود
چشمِ حیراں در طلسمِ پیش و پس بے اختیار
چشمِ امیدے مگر دارد ز گردِ کارواں
پا شکستہ را دل از شورِ جرس بے اختیار
ہر کس و ناکس بہ طوفانِ حوادث مبتلا
موجِ دریا بے قرار و خار و خس بے اختیار
فرصتے داری یگانہ نعرۂ مستانہ زن
تا بوجد آید دلِ ہر نکتہ رس بے اختیار

❁

خمارِ دیدۂ غفلت مآب از من پرس
نویدِ صبح و تقاضائے خواب از من پرس
ز رنگ روے خزاں دیدہ ام چنیں مگزر
ہنوز لذتِ یادِ شباب از من پرس
ز دردِ تشنہ لبی با شکستہ دل نہ شوم
طلسم بندیِ موجِ سراب از من پرس
شمارِ بوسہ ز ذوقِ لبم تواں دانست
در آئنہ منگر ایں حساب از من پرس
زبانِ بے ادبم را کہ می تواند بست؟
نگاہِ حسن طلب را جواب از من پرس
ز اضطرابِ دلم درد سر کشد بالیں
شبِ دراز و تمنائے خواب از من پرس

برنگ خویش بر آورد حسنِ دوست مرا
کرشمۂ نگہِ بے حجاب از من پرس
منم کہ شیشۂ دل سنگ آزما دارم
بیا و ذوقِ نگاہِ عتاب از من پرس
تلاشِ معنیِ یگانہ در صحیفہ عبث
یگانہؔ مطلبِ دور از کتاب از من پرس

موافقت درزیدن بہ ماحولِ خویش

دلِ خود را کہ پشیماں نتوانم دیدن
بہ کسے دست و گریباں نتوانم دیدن
روزِ عید آمدہ تا سازِ یک آہنگ زنیم
جنگ با گبرو مسلماں نتوانم دیدن
وقت آنست کہ سازم بہ ہمیں لیل ونہار
خویش را بے سرو ساماں نتوانم دیدن
تا کجا گوش بر افسانۂ ماضی بودن
روز وشب خوابِ پریشاں نتوانم دیدن
بہ ہمیں پشتِ ورق رنگ تماشا ریزم
روے مقصود چو آساں نتوانم دیدن

وقتِ خوش با شمعِ بے پروانہ دارم دیدنی
صد نیاز و نازِ گستاخانہ دارم دیدنی

تشنۂ آغوشِ من حورِ جناں بیرونِ در
طرفہ مہمانے درونِ خانہ دارم دیدنی

شمع را عریاں ہمی بینم حجاب اندر حجاب
سرمہ از خاکسترِ پروانہ دارم دیدنی

اے کہ پرسی نشہ دردِ نہانم از کجاست
بادۂ بیرنگ در پیمانہ دارم دیدنی

فیضِ تنہائی سلامت، یاد ایامے و من
جنتے در گوشۂ غم خانہ دارم دیدنی

کس بہ دردم کے رسد، جز ناکسے نا محرمے
دوست نادانے، دل دیوانہ دارم دیدنی

بوئے گل را در گرہ بندم زہے دیوانگی
در قفس بازیچۂ طفلانہ دارم دیدنی

من کہ سیلابِ بلا را پیشِ پا افتادہ ام
بے سروپا ہمتِ مردانہ دارم دیدنی

می تواں خواند از جبینم ماجرائے سوزِ دل
شمع روشن اندریں ویرانہ دارم دیدنی

ہر دو منزل را ز شمعِ یک جہت روشن کنم
خدمتے در کعبہ و بت خانہ دارم دیدنی

ہر کس و ناکس یگانہؔ لافِ یکتائی زند
دستِ بالا بر سرِ بیگانہ دارم دیدنی

رباعیات

(اُردو)

دل کو حد سے سوا دھڑکنے نہ دیا ۔ قالب میں روح کو بھڑکنے نہ دیا
کیا آگ تھی سینے میں جب فطرت نے؟ ۔ روشن تو کیا مگر بھڑکنے نہ دیا!

(۲)

کوئی تجھ کو پکارتا جاتا ہے ۔ کوئی ہمت ہی ہارتا جاتا ہے
کوئی تہ کو سدھارتا جاتا ہے ۔ دریا ہے کہ موجیں مارتا جاتا ہے!

(۳)

دیکھوں کب تک گلوں کی یہ تشنہ لبی ۔ فطرت کا گلہ کروں تو ہے بے ادبی
پیاسے تو ہیں جاں بلب مگر ابرِ کرم ۔ دریا پہ برستا ہے یہ ہے بوالعجبی!

(۴)

ہر موجِ ہوا ہے درپئے دل شکنی ۔ ہر سانس پہ کرتی ہے قضا خندہ زنی
کھاتا کب تک حباب دنیا کی ہوا ۔ وہ ٹھیس لگی کہ دل تو کیا دم پہ بنی!

(۵)

چارہ نہیں کوئی جلتے رہنے کے سوا ۔ سانچے میں فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا
اے غنچۂ تر حبابِ فانی کیا ہے؟ ۔ پھولوں کا کام نے سنبھلتے رہنے کے سوا؟

بخطِ یگانہ

ہر روز نیا رکھتی ہے جوبن دنیا
مکار و زمانہ ساز و پر فن دنیا
معلوم نہیں کہ کھاگئی کتنوں کو
کہتے ہیں جسے سدا سہاگن دنیا

دن رات اسے ہے دال روٹی کا دھیان
رہنے کو مکاں نہ خواب و خور کا سامان
مفلس کا شباب ایسا بے قدر ہوا
جیسے ہو ذلیل بے بلایا مہمان

کیوں خانۂ تاریک میں ہے گوشہ نشیں
ہے گلشنِ عالم بھی طلسمِ رنگیں
ہاں چونک ذرا سیر تو کر او غافل!
آنکھیں جو ہوئیں بند تو پھر کچھ بھی نہیں

راتیں یونھی کٹ جاتی ہیں روتے روتے
دن جاتے ہیں منھ اشکوں سے دھوتے دھوتے
دامن کو چھڑا کر وہ گیا ہے جب سے
ہاتھوں کے اسی دن سے اڑے ہیں توتے ☆

☆ توتا ہندی ہے۔ لہٰذا 'ت' حرف روی صحیح ہے۔ (یاسؔ)
اٹھ کے دیکھا جوان نے سوتے سے
اڑ گئے آئنے کے توتے سے (میر)

آنکھیں ہیں ترے ہجر میں پرخوں ساقی
کب تک ترا انتظار کھینچوں ساقی
کیا موسم گل یوں ہی گزر جائے گا
کیا زہر ہی اب گھول کے پی لوں ساقی

ساقی ترا سنسان ہوا مے خانہ
اس بزم کا رہ جائے گا اک افسانہ
لے صبح ہوئی خم بھی پڑے ہیں خالی
لب ریز بس اپنا بھی ہوا پیمانہ

سنتا ہے بھلا کون اب افسانہ مرا
برباد کیا چرخ نے مے خانہ مرا
اب گردشِ ایام سے تنگ آیا ہوں
لب ریز کہیں جلد ہو پیمانہ مرا

مٹتے نہیں پھر ہم جو بگڑ جاتے ہیں
دشمن ہو کہ دوست سب سے لڑ جاتے ہیں
ہلنے کے نہیں اپنی جگہ سے کبھی یاسؔ
ہٹتے نہیں جب بات پہ اڑ جاتے ہیں

آنکھوں میں ہے اشک اور چہرہ ہے اداس
دامن کا خیال اور نہ گریباں کا حواس
افسوس بگڑ گئی ہے قسمت کیسی
کیا شکل یہ بن گئی ہے تیری اے یاسؔ

پچھتائے ہیں خضر بھی کچھ ایسے پی کر
آئے نہ پلٹ کے پھر کبھی اپنے گھر
روپوش ہوئے ہیں دامنِ صحرا میں
اے آبِ حیات خاک تیرے سر پر

جب کھو گئے پھر ہوش میں آؤ گے کیا
حالِ دلِ رنجور سناؤ گے کیا
اس چرخ کو اب رنگ پہ لاؤ گے کیا
بگڑے ہوئے نیل کو بناؤ گے کیا

تھراتے ہیں پاؤں، ہاتھ میں ساغر ہے
پروا نہیں کچھ، موت جو اب سر پر ہے
آئے بھی اگر اجل تو کیا خوف اے یاسؔ
ڈر ہے تو فقط اپنے کیے کا ڈر ہے

دل جن کا علیل رائے بھی ان کی علیل
باطن میں آزر اور ظاہر میں خلیل
اندھے جو ذلیل کو سمجھتے ہیں عزیز
شیطاں کو عجب نہیں جو کہہ دیں جبریل!

ساجن کو سکھی منالو، پھر سولینا
سوتی قسمت جگا لو، پھر سولینا
سوتا سنسار، سننے والا بیدار
اپنی بیتی سنا لو، پھر سو لینا
(اٹھو سکھی پھر سولینا)

دکھتا ہوا دل ٹٹول لینے والا
آنکھوں آنکھوں میں تول لینے والا
دل کی آواز گوشِ دل سے سن کر
کیا ہے کوئی درد مول لینے والا؟

درد اپنا کچھ اور ہے دوا ہے کچھ اور
ٹوٹے ہوئے دل کا آسرا ہے کچھ اور
ایسے ویسے خدا تو بہتیرے ہیں
میں بندہ ہوں جس کا وہ خدا ہے کچھ اور

یوسف کو اس انجمن میں کیا ڈھونڈتا ہے
ہنگامۂ ما و من میں کیا ڈھونڈتا ہے
نیرنگِ تماشا ہے حجابِ معنی
تصویر کے پیرہن میں کیا ڈھونڈتا ہے

کیوں مطلبِ ہستی و عدم کھل جاتا
کیوں رازِ طلسمِ کیف و کم کھل جاتا
کانوں نے جو سن لیا وہی کیا کم ہے
آنکھیں کھلتیں تو سب بھرم کھل جاتا

اندھوں کی طرح ٹٹولنا کیا معنی
گونگے کی طرح بولنا کیا معنی
فردا معلوم و رازِ فردا معلوم
پھر پردۂ غیب کھولنا کیا معنی

بدلے گی ہزار رنگ دنیا تو ہئی☆
بہلاتے ہیں دل ہم بھی، تماشا تو ہئی
پردہ ہر دم یوں ہی بدلتا جائے
دھوکا ہے تو ہونے دو، دھوکا تو ہئی

☆ہئی مخفف ہے 'ہے ہی' کا۔ فصحا کے روزمرہ میں 'ہئی' مستعمل ہے اور 'ہے ہی' غیر فصیح و متروک ہے۔ اسی طرح 'ہم ہی' کی جگہ 'ہمیں' بولتے ہیں اور یہی فصیح ہے۔ (یگانہؔ)

صیاد ازل کی شعبدہ کاری ہے
آزادی کیا؟ عین گرفتاری ہے
اسرارِ طلسمِ زندگی کیا کہیے
یہ رات کٹی تو کل کا دن بھاری ہے

ہر موجِ ہوا ہے در پئے دل شکنی
ہر سانس پہ کرتی ہے قضا خندہ زنی
کھاتا کب تک حباب، دنیا کی ہوا
وہ ٹھیس لگی کہ دل تو کیا دم پہ بنی!

چارہ نہیں کوئی جلتے رہنے کے سوا
سانچے میں فنا کے ڈھلتے رہنے کے سوا
اے شمع، تری حیاتِ فانی کیا ہے
جھونکا کھانے، سنبھلتے رہنے کے سوا

دل ہو زندہ تو بارِ خاطر کیوں ہو
درد و غم ناگوارِ خاطر کیوں ہو
باقی ہو دماغ میں اگر بوئے امید
پیراہنِ جاں غبارِ خاطر کیوں ہو

حیران ہے کیوں راز بقا مجھ سے پوچھ
میں زندۂ جاوید ہوں، آ مجھ سے پوچھ
مرتے ہیں کہیں دلوں میں بسنے والے؟
جینا ہے تو موت کی دوا مجھ سے پوچھ

دل ہو مردہ تو زندگانی بھی حرام
پیری کا ذکر کیا، جوانی بھی حرام
افسانۂ عمرِ جاودانی بھی حرام
آبِ حیواں کہاں کا؟ پانی بھی حرام

دل کیا ہے؟ اک آگ ہے دہکنے کے لیے
دنیا کی ہوا کھا کے بھڑکنے کے لیے
یا غنچۂ سربستہ چٹکنے کے لیے
یا خار ہے پہلو میں کھٹکنے کے لیے

جب عالمِ ایجاد نے صورت پکڑی
مجموعۂ اضداد نے صورت پکڑی
آباد ہوئی دل میں انوکھی دنیا
کیا دردِ خداداد نے صورت پکڑی

دنیائے دَنی مجھ سے عداوت رکھے
جھوٹی سچی ہزار تہمت رکھے
تیرے دم سے ہے اپنی دنیا آباد
اے درد! خدا تجھے سلامت رکھے

دل کو پہلے ٹٹول لیتا ہوں میں
پھر تحفۂ درد مول لیتا ہوں میں
آچارِ زلال و درد و مستی و خمار
آنکھوں آنکھوں میں تول لیتا ہوں میں

دنیا کے مزے میں ڈوب کر کیا ترتے
آنکھیں رکھتے تو کیوں گڑھے میں گرتے
لو دیکھ لو اب عیش پرستوں کی دسا☆
مردے دیکھے نہ ہوں گے چلتے پھرتے

☆ دسا یعنی درگت، ٹھیٹھ محاورہ ہے۔ (یگانہ)

واللہ یہ زندگی بھی ہے قابلِ دید
اک طرفہ طلسم، دید جس کی نہ شنید
منزل کی دھن میں جھومتا جاتا ہوں
پیچھے تو اجل ہے آگے آگے امید

دنیا کے مزے ہیں کس قیامت کے مزے
صحرا کی گھنی چھاؤں میں جنت کے مزے
کچھ دیر تو بیٹھتے چلو سائے میں
کیا یاد کرو گے دشتِ غربت کے مزے

دنیا کی ہوا کیا ہے؟ پیامِ غفلت
یہ عالمِ رنگ و بو، مقامِ غفلت
بیداریِ موہوم ہے آئینِ حیات
بدلا ہے نہ بدلے گا نظامِ غفلت

تھمنے کا نہیں قافلۂ موجِ سراب
کٹنے کا نہیں مرحلۂ موج سراب
آغاز ہی آغاز ہے، انجام کجا؟
عالم ہے عجب سلسلۂ موج سراب

واللہ یہ دنیا بھی عجب دنیا ہے
ہر رنگ میں وہ کشش کہ دل کھنچتا ہے
منھ بولتی ،جیتی جاگتی تصویریں!
اعجازِ ہنر ہے یا کوئی دھوکا ہے؟

سنتا ہوں کہ ہر رنگ میں ہے تو موجود
ہر بو میں ہے معرفت کا پہلو موجود
وہ رنگ بھی کیا رنگ ہے ماشاء اللہ
جس میں کوئی خوشبو ہے نہ بدبو موجود

تعظیم تری کرتے ہیں سب آنکھوں سے
پیدا ہے نشۂ ادب آنکھوں سے
سجدہ نہ کریں کسی کی پوجا نہ کریں
ثابت ہے مگر دردِ طلب آنکھوں سے

ہے اور بھی ایک راہ، مذہب کے سوا
منطق کے سوا، علمِ مذبذب کے سوا
باز آگئے منزل سے،کہاں کی منزل؟
مطلب نہیں کوئی، ترکِ مطلب کے سوا

مطلوب ہے خواجہ کوئی احساں تازہ
اس دردِ طلب کا کوئی درماں تازہ
کلمے سے غرض ہے نہ بھجن سے مطلب
اک نعرۂ ہو سے کر دے ایماں تازہ

مطلب نہیں کوئی ترکِ منزل کے سوا
مقصد نہیں کوئی ترکِ باطل کے سوا
کعبے کا ہوا میں نہ صنم خانے کا
سر جھک نہ سکا کہیں، درِ دل کے سوا

مر مر کے مسافر سرِ منزل پہنچا
پہنچا تو سہی مگر بہ مشکل پہنچا
دیکھیے کوئی اس دردِ طلب کی پرواز
دل ایک تڑپ میں تو درِ دل پہنچا

دل کے ہاتھوں خراب رہتے ہی بنی
افتاد پڑی جیسی، سہتے ہی بنی
ہم تیری تلاش میں کہیں کے نہ رہے
کعبے کو بھی خیر باد کہتے ہی بنی

زنجیر سے ہونے کا نہیں دل بھاری
ہوں پاؤں میں کتنے ہی سلاسل بھاری
کعبے کا سفر ہی کیا ہے؟ گھر سے در تک
دل سے دل تک مگر ہے منزل بھاری

ہر گام پہ استخارہ کرتے نہ بنی
تھی دل سے لگی، کنارہ کرتے نہ بنی
دیوانہ بتائے کیا، کدھر جاتا ہے
منزل کی طرف اشارہ کرتے نہ بنی

پھر کوئی نئی لگن لگی ہے شاید
ہاں ہاں، تہِ پیرہن لگی ہے شاید
دل پریم کے ساگر میں بے تاب ہے کیوں
تازہ کوئی ڈگن☆ لگی ہے شاید

☆ مچھلی کے شکار کے لیے ڈور میں جو کانٹا باندھا جاتا ہے، اسے ڈگن کہتے ہیں۔ (یگانہ)

ہاں اے دلِ ایذا طلب، آرام نہ لے
بدنام نہ ہو، مفت کا الزام نہ لے
ہاتھ آ نہ سکے پھول تو کانٹے ہی سہی
ناکام پلٹنے کا کبھی نام نہ لے

پروانے کہاں مرتے پچھڑتے پہنچے
دیوانہ صفت ہوا سے لڑتے پہنچے
پیاس آگ میں کود کر بجھانے والے
دھن کے پکے تھے، گرتے پڑتے پہنچے

❁

یاد آگئی آوازِ دلِ گم گشتہ
ملنے لگا پھر سازِ دلِ گم گشتہ
پہنچا ہے کہاں خاک کا پتلا اڑ کر
اللہ ری پروازِ دلِ گم گشتہ

❁

وہ دل جسے کہتے ہیں دیارِ امید
آئینۂ صد نقش و نگارِ امید
شاید تری جلوہ گاہِ عالی ہے وہی
جس گھر میں ہے جلوہ گر بہارِ امید

❁

دل میں آ بیٹھ دردِ پہلو ہو کر
پھر اپنے تئیں دکھا دوں، میں تو ہو کر
آئینے میں کیا دیکھتا ہے رنگ اپنا
مجھ میں تو سما دیکھ ذرا، بو ہو کر

❁

اپنی حد سے گزر گئے اب کیا ہے
منجدھار سے پار اتر گئے اب کیا ہے
اے شوقِ وصال، اے تمنائے سکوں
دونوں پلے تو بھر گئے، اب کیا ہے

رونا ہے بدا جنھیں وہ جم جم روئیں
جب عیش مہیا ہو تو ہم کیوں روئیں
فردا معلوم و رازِ فردا معلوم
رات اپنی ہے پھر کیوں نہ مزے سے سوئیں

نشہ نہ سہی، یہ دردِ سر کیا کم ہے
نظارۂ حسنِ رہ گزر کیا کم ہے
اب تک تازہ ہے یادِ ایامِ شباب
اپنے لیے عید پیچھے تر کیا کم ہے

کعبے کی طرف دور سے سجدہ کر لوں
یا دَیر کا آخری نظارہ کر لوں
کچھ دیر کی مہمان ہے جاتی دنیا
ایک اور گنہ کر لوں کہ توبہ کر لوں

ڈرتے ڈرتے گناہ کر لیتا ہوں
دزدیدہ سہی نگاہ کر لیتا ہوں
وہ حسنِ کشش کہ داد دیتے ہی بنے
دل تھام کے آہ آہ کر لیتا ہوں

حسن اپنی نظر سے گر چلے گا کہ نہیں؟
ہاتھ اپنے زوال پر ملے گا کہ نہیں؟
دورِ فلک انتقام لے گا کہ نہیں؟
چڑھتا ہوا دن کبھی ڈھلے گا کہ نہیں؟

دزدیدہ نگاہی کا سبب کیا کہیے
بیگانگیٔ حسنِ طلب کیا کہیے
دل کے گاہک ہیں کیا سیانے گاہک
اندازِ پیامِ زیرِ لب کیا کہیے

وہ مست کہ بے پیے چھلکتا جائے
نشے میں شباب کے بہکتا جائے
آئینے کا سامنا کرے گا کیوں کر
اپنے سائے سے جو بھڑکتا جائے

پوشیدہ ادائے دل بری کیا کہنا
ظاہر میں وہی کج نظری کیا کہنا
دشمن کی خوشی کے واسطے آپس میں
یہ پردۂ جنگِ زرگری کیا کہنا

پھر جوشِ غضب کو تھام لیتے ہی بنی
پھر چشمِ کرم سے کام لیتے ہی بنی
منھ سے تو نہ پھوٹے آپ، ماشاء اللہ
آنکھوں سے مگر سلام لیتے ہی بنی

ہنگامۂ عیش، جان جوکھم ہی سہی
آخر میں بلا سے تلخیِ غم ہی سہی
عید اپنی منا لیتے محرم ہی سہی
مل جاتے کہیں آپ جہنم ہی سہی

مخمورِ مے شباب ہو لینا تھا
کم سے کم ایک نیند سو لینا تھا
دامانِ ہوس کہیں بھگو لینا تھا
بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لینا تھا

منھ تکتے ہیں دور سے سبب کچھ نہ سہی
اک حسنِ طلب تو ہے، طلب کچھ نہ سہی
بندہ کہو، خادم کہو، جو کچھ بھی کہو
آگے تھے ہمیں سب کچھ، اب کچھ نہ سہی

پیراہنِ تن ہے گو غبار آلودہ
ہے دامنِ دل مگر بہار آلودہ
کچھ نشۂ رنگ و بو ہے اب تک باقی
شاہد ہے مری چشمِ خمار آلودہ

دم زندہ دلی کا آج تک بھرتے ہیں
کیوں زندگیِ گزشتہ پر مرتے ہیں
افسردہ دلوں کو گناہوں کا کیا مزہ
دل بہلاتے ہیں، غم غلط کرتے ہیں

پیری کی ہوس ہزار منتر پڑھتی
گھٹنے کے سوا عمرِ رواں کیا بڑھتی
جھونکے میں فنا کے کیا پنپتا کوئی
مرجھائی ہوئی بیل منڈھے کیا چڑھتی

دیکھے ہیں بہت چمن اجڑتے بستے
کیا کیا گلِ بے خار لٹے ہیں سستے
اے زندہ دلانِ باغ، اتنا نہ ہنسو
آنسو بھی نکل آتے ہیں ہنستے ہنستے

یاران چمن آگ برسنے کی ہے دیر
روؤ گے بہت، برق کے ہنسنے کی ہے دیر
پھولوں سے لدی ہوئی دلھن کیا جانے
ان تازہ گلوں پہ رات بسنے کی ہے دیر

یارانِ شباب رات کٹنے کی ہے دیر
بجھتا ہے کنول، ہوا پلٹنے کی ہے دیر
محفل میں جھومتے رہو گے کب تک
آنکھیں کھلنے کی، دل اچٹنے کی ہے دیر

فکر انجام خارِ پیراہن ہے
یہ رنگ، یہ بو غبارِ پیراہن ہے
نازک ایک ایک تارِ پیراہن ہے
دو دن میں خزاں، بہارِ پیراہن ہے

سورج کو گہن میں نہیں دیکھا شاید
کیوں، چاند کو گہن میں نہیں دیکھا شاید
اے حسنِ دو روزہ پہ اکڑنے والو
یوسف کو کفن میں نہیں دیکھا شاید

دنیا سے چلے کوئی تو کیا لے کے چلے
اک تحفۂ دردِ بے دوا لے کے چلے
یا دشمن و دوست کی دعا لے کے چلے
یا کچھ نہ سہی، نامِ خدا لے کے چلے

❁

دنیائے دنی کا آسرا لینا کیا
باطل کے آگے سر جھکا لینا کیا
ناحق احسانِ نا خدا لینا کیا
بندے کے تئیں خدا بنا لینا کیا

❁

مردوں کو یہ دنیائے دنی کیا چھلتی
سر پھوڑ چلے، کوہ کنی کیا چلتی
معلوم ہے فرہاد پہ جو گزری
ٹل جائے قیامت، شدنی کیا ٹلتی

❁

جس باگ پہ چاہے موڑتی ہے دنیا
کستی ہے کبھی جھنجھوڑتی ہے دنیا
پائے ہمت کو توڑتی ہے دنیا
نا مرد بنا کے چھوڑتی ہے دنیا

❁

اے ہمتِ مردانہ دکھا دے وہ کمال
کہتے ہیں جسے جہادِ نفسِ اہلِ کمال
بہتر ہے دیو کو پکڑ لے زندہ
قابو میں کر لے، نفس کو مار نہ ڈال

مفلس کو مزہ زیست چکھنے نہ دیا
اس نقدِ شباب کو پرکھنے نہ دیا
دنیا سے لپٹتے تو لپٹتے کیوں کر
پٹھے پہ کبھی ہاتھ تو رکھنے نہ دیا

دنیا نے جسے اپنے شکنجے میں کسا
چھوٹا نہ کبھی موت کے پنجے میں پھنسا
پانی بھی نہیں مانگتا اس کا مارا
سوتا ہے پڑا، جیسے ناگن کا ڈسا

شاہوں کو نگاہوں سے گرا کر مارا
شہزادوں کو در بدر پھرا کر مارا
دنیا سے لپٹنے والے بے موت مرے
ایک ایک کو کیا دِھرا دِھرا مارا

مَردوں کو کشاں کشاں لیے پھرتی ہے
پھرتے ہیں جہاں جہاں لیے پھرتی ہے
منھ موڑ کے لکھنؤ سے پہنچے ہیں دکن
تقدیر کہاں کہاں لیے پھرتی ہے

اے لکھنؤ! اے دیارِ دور افتادہ
اے جانِ من! اے بہارِ دور افتادہ
اب دور سے اس خاک کو سجدہ کر لے
میں کون ہوں؟ اک مزارِ دور افتادہ

وہ گھر، وہ در، وہ آستانہ بھولا
وہ گل، وہ چمن، وہ آشیانہ بھولا
وہ لحن، وہ نغمہ، وہ ترانہ بھولا
وہ دور، وہ عہد، وہ زمانہ بھولا

اے پائے طلب ہوا پہ سبقت لے چل
اس وادیِ وحشت سے سلامت لے چل
وہ جانِ وفا نہ جانے کس حال میں ہے
لے چل مجھے لکھنؤ، امانت لے چل

گھر چھوڑ جو در بدر ہوا کچھ نہ ہوا
بیکار کا دردِ سر ہوا کچھ نہ ہوا
فانوس کے باہر نہ لگی شمع کی لو
جب دھیان ادھر ادھر ہوا کچھ نہ ہوا

کعبے سے ہے آج اپنا سفر اور طرف
میں اور طرف ہوں راہبر اور طرف
کیسے حرم و دیر، اِدھر ہوں نہ اُدھر
دل اور طرف کو ہے نظر اور طرف

منزل ہی نہیں کوئی ٹھہرنے کے لیے
عالم عالم ہے سیر کرنے کے لیے
ہر پست و بلند ہے گزرنے کے لیے
یہ پاؤں ہیں کیا زمیں پہ دھرنے کے لیے؟

دل کعبۂ بت خانہ نما کیوں نہ ہوا
ہاں محرمِ بیگانہ نما کیوں نہ ہوا
سنتا سب کی مگر نہ کہتا اپنی
فرزانۂ دیوانہ نما کیوں نہ ہوا؟

ہوگی کسی رہ نما کو منزل کی خبر
پوچھے کوئی نا خدا سے ساحل کی خبر
ہم اس کی نظر کے دیکھنے والے ہیں
وہ کون؟ جو رکھتا ہے تہِ دل کی خبر

منزل کی خبر کسے ہے، منزل کی نہ پوچھ
منجدھار میں بہتا چل، ساحل کی نہ پوچھ
کیا جانیے کس گھاٹ لیے جاتا ہے
آنکھیں جو دکھائیں دیکھ لے، دل کی نہ پوچھ

امکانِ طلب سے کوئی آگاہ تو ہو
منزل کا تہِ دل سے ہوا خواہ تو ہو
چل پھر کے ذرا دیکھ جھجکتا کیا ہے
مل جائے گی راہِ راست، گم راہ تو ہو

منزل کا پتا ہے نہ ٹھکانا معلوم
جب تک نہ ہو گم، راہ پہ آنا معلوم
کھو لیتا ہے انسان تو کچھ پاتا ہے
کھویا ہی نہیں تو نے تو پانا معلوم

آرام سے سوتا ہے کوئی کمل میں
منگل کوئی گاتا ہے پڑا جنگل میں
میں ماہیِ بے آب، مجھے چین کہاں
اک موجِ پریشاں ہوں عجب ہلچل میں

دیکھوں کب تک گلوں کی یہ تشنہ لبی
فطرت کا گلہ کروں تو ہے بے ادبی
پیاسے تو ہیں جاں بلب مگر ابرِ کرم
دریا پہ برستا ہے، زہے بوالعجبی!

بادل اُمڈا فلک پہ بجلی کڑکی
ساون کی ہوا سے آگ دل کی بھڑکی
خلوت میں بجز شمع ابھی کوئی نہیں
پروانوں کی شام ہی سے پسلی پھڑکی

دیوانہ ہے، پروانے کا مذہب کیا ہے
مطلب سے ہے مطب اور مطلب کیا ہے
دی جل کے صدا شمع کو ہنگامِ سحر
مطلب تھا جبھی تک آپ سے، اب کیا ہے؟

دیوانہ کیوں تری نظر پر نہ چڑھے
پروانہ وہ کیا جو شمع کے سر نہ چڑھے
کس کام کا وہ خار جو دل میں نہ گڑے
وہ پھول ہی کیا ہے جو مہیسر نہ چڑھے☆

☆ 'پھول وہی ہے جو مہیسر چڑھے' اک مثل ہے یعنی پھول کی معراج یہی ہے کہ دیوتا پر چڑھایا جائے۔ جو دیوتاؤں پر چڑھایا نہ گیا وہ کس کام کا؟ (یگانہ)

سر دھنتے تھے اسرار و معانی سن کر
پروانہ و شمع کی کہانی سن کر
جا پہنچے یگانہؔ کون سے عالم میں
چپ لگ گئی کیوں دل کی سنانی☆ سن کر

☆سنانی بمعنی خبرِ مرگ (یگانہ)

کوئی تجھ کو پکارتا جاتا ہے
کوئی ہمت ہی ہارتا جاتا ہے
کوئی تہ کو سدھارتا جاتا ہے
دریا ہے کہ موجیں مارتا جاتا ہے

دھارا ہے زمانے کا رواں بے سروپا
پھرتے ہیں زمین و آسماں بے سروپا
کیا جانیے کس منزلِ موہوم کی دھن
کھینچے لیے جاتی ہے کہاں بے سروپا

موجوں سے لپٹ کے پار اترنے والے
طوفانِ بلا سے نہیں ڈرنے والے
کچھ بس نہ چلا تو جان پر کھیل گئے
کیا چال چلے ہیں ڈوب مرنے والے

کشتی آخر اجل سے لڑتے ہی بنی
لڑنے کو لڑے مگر پچھڑتے ہی بنی
کاغذ کی ناؤ میں جہاں آگ لگی
گھبرا کے بھنور میں کود پڑتے ہی بنی

❁

گرادبِ بلا میں سب ہیں گھرنے کے لیے
آخر کو ہیں دن سب کے پھرنے کے لیے
کیا کہیے مگر سنگ دلوں کا انجام
پتھر کہیں ڈوبتا ہے ترنے کے لیے

❁

آپ اپنی بلاؤں میں کیوں گھرتا ہے
خشکی میں ڈوب کر کوئی ترتا ہے
کیا باد کے گھوڑ پہ اڑا پھرتا ہے
جھونکا کھاتے ہی منھ کے بھل گرتا ہے

❁

کیوں مذہبِ جمہور سے ہم باز آئے؟
رازی کی سمجھ میں خاک یہ راز آئے
آنکھ ایسی تو ہو کہ حق کو پہچان سکے
کان ایسے تو ہوں کہ دل کی آواز آئے

❁

وہ دل جسے لاگ ہو کسی سے نہ لگاؤ
اک خاک کا ڈھیر ہے جہاں چونپ[1] نہ چاؤ
ٹھنڈی مٹی[2] کا اک انوکھا پتلا
پہلو میں ہمیں کو دیکھ لو، دور نہ جاؤ

[1] چونپ بمعنی ولولہ، امنگ، چاؤ بمعنی شوق، ارمان۔ [2] دل لبھانے یا رجھانے والی باتوں پر بھی جس شخص میں جوش یا ہلہلا پیدا نہ ہو، اسے کہتے ہیں کہ یہ شخص کسی ٹھنڈی مٹی کا بنا ہوا ہے۔ (یگانہ)

پتلا مٹی کا خاک ہوگا کہ نہیں
پیراہنِ عمر چاک ہوگا کہ نہیں
آلودۂ رنگ و بوئے مستانہ سہی
دل خاک میں مل کے پاک ہوگا کہ نہیں ؟

دل کو حد سے سوا دھڑکنے نہ دیا
قالب میں روح کو پھڑکنے نہ دیا
کیا آگ تھی سینے میں جسے فطرت نے
روشن تو کیا مگر بھڑکنے نہ دیا

دل زندہ ہے، دردِ مغتنم ہے جب تک
آباد ہے گھر، ہجومِ غم ہے جب تک
بچھڑے ہیں تو کیا، آپ سے اک لاگ تو ہے
دم بھرتے رہیں گے دم میں دم ہے جب تک

پیاری دنیا کے چاؤ دیکھے ہیں بہت
ٹیڑھے سیدھے سبھاؤ دیکھے ہیں بہت
کیا پیر فلک تاؤ دکھاتا ہے
ان آنکھوں نے تاؤ بھاؤ دیکھے ہیں بہت

مَردوں کا اصول جان لینے کی ہے دیر
دشوار کو سہل مان لینے کی ہے دیر
منجدھار تو کیا ہے، آگ میں کود پڑیں
کچھ بھی نہیں، دل میں ٹھان لینے کی ہے دیر

کیا مفت کا بہتان خدا پر باندھا
کیا گردشِ تقدیر کا چرخہ نادھا☆
فطرت کیا ساتھ دیتی نامردوں کا
جیتے مردوں کو کون دیتا کاندھا

☆ نادھنا بمعنی شروع رہنا، چلانا مگر محاورے میں چرخہ نادھنا بمعنی دکھڑا رونا، گلے شکوے کرنا (یگانہ)

دیوانۂ کار التجا کیا جانے
خود اپنے ارادوں کے سوا کیا جانے
تقدیر کے چکر میں جو آیا ہی نہ ہو
وہ بندۂ تدبیر دعا کیا جانے؟

ہم پلہ تھے دو گل، کوئی چھوٹا نہ بڑا
کانٹوں میں تلا کوئی نگاہوں میں تڑا☆
کھلتا نہیں، کیا جانیے کیا پھیر پڑا
پروان چڑھا کوئی گھورے پہ سڑا

☆ تڑا بمعنی تلا۔ (یگانہ)

مہماں نہ سہی ایک مسافر ہی سہی
دل رکھ لے، بلا سے بارِ خاطر ہی سہی
ساقیِ ازل ہم بھی ترے دور میں ہیں
اول نہ سہی تو سب سے آخر ہی سہی

پھولوں کو ہوا کھا کے مہکتے ہی بنی
بلبل کو مہک پاتے ہی چہکتے ہی بنی
سبزے پہ چڑھا رنگ لہکتے ہی بنی
دل میں تھی دبی آگ دہکتے ہی بنی

بوسہ نہیں، بوسے کا مزا لیتا ہوں
جھوٹی سچی ہوس بجھا لیتا ہوں
چلتا نہیں زور ان سے لپٹیے کیوں کر
منھ دیکھ کے بس ہونٹ☆ چبا لیتا ہوں

☆ غصہ ہو یا شوق، دونوں حالتوں میں ہونٹ چبانے لگنا تقاضائے فطرت ہے۔ (یگانہ)

اللہ ری تصور کی یہ رنگیں نظری
غربت میں بھی دل جلوں کی کھیتی ہے ہری
کروٹ کروٹ ہے لہلہاتی جنت
جب تک ہے ہوائے لکھنؤ سر میں بھری

منظور نہیں کسی کی خاطر، نہ سہی
ہوتے نہیں خود بزم میں ظاہر، نہ سہی
آئینہ☆ در آئینہ تمھیں دیکھ لیا
غائب ہی سہی، بلا سے حاضر نہ سہی

☆ مشاہدۂ حاضر تو یہ ہے کہ کوئی شخص روبرو کھڑا ہے، اسے دیکھ رہے ہیں۔ مشاہدۂ غائب یہ ہے کہ شخص کا عکس پہلے ایک آئینے میں پڑا، پھر اس آئینے کا عکس دوسرے میں، پھر دوسرے کا تیسرے آئینے میں، یہ مشاہدہ تو ہے مگر مشاہدۂ غائب۔ (یگانہ)

دیوانے ترے غضب کی رفتار چلے
آئینہ بغل میں مار، بازار چلے
اللہ نگہبان ہے خود بینوں کا
ایسا نہ ہو گاہکوں میں تلوار چلے

کچھ دردِ نہاں کی مہربانی ہو جائے
پیدا دل میں ذرا روانی ہو جائے
پھر چشمِ ندامت کا دکھا دوں اعجاز
پتھر بھی خدا چاہے تو پانی ہو جائے

آنکھیں ہیں تو انکارِ حقیقت مشکل
دل میں ہے مزہ تو ترکِ لذت مشکل
دایوانۂ عشق کیا کرے گا توبہ؟
توبہ آساں مگر ندامت مشکل!

کرنا جو کچھ تھا کر چکے اپنا حساب
بھرنا جو کچھ تھا بھر چکے اپنا حساب
دل ہی نہ رہا تو موت کا ڈر کیسا؟
مرنا برحق ہے، مر چکے اپنے حساب

کیوں کھول دیے راز ازل کے ناحق
پنجے میں پھنسے آپ اجل کے ناحق
ہاں، کیوں نہ اٹھے شورِ انا الحق پہ فساد
بڑ مار اٹھے پیٹ کے ہلکے نا حق

❁

آئینۂ حق ہوں ،خود پسندی کیسی
دیوانہ ہوں اپنا، ہوش مندی کیسی
عالم میں جدھر دیکھیے میں ہی میں ہوں
پستی کسے کہتے ہیں بلندی کیسی؟

❁

دل نشے میں سرشار نظر آنے لگا
ویرانہ بھی گلزار نظر آنے لگا
کیا جانے محبت نے چڑھایا کیا رنگ
عالم گلِ بے خار نظر آنے لگا

❁

باز آگئے تیری راہ تکنے والے
تھک تھک کے ہوئے ہیں ڈھیر تھکنے والے
پانی کیا ہے، ہوا بھی تھم جاتی ہے
تھکتے نہ تھکے مگر بھٹکنے والے

❁

گھر بولتا ہے آج دلدر بھاگا
دکھ درد کے ماروں کا نصیبہ جاگا
دن کاٹے ہیں گن گن کے اسی دن کے لیے
ساجن آتے ہیں راستا دے کاگا

دل تھا غنچہ مگر بکسنے کے لیے
ہنستوں کو دیکھ کر ترسنے کے لیے
کھلنے کی ہوس میں اور چہرہ بگڑا
منھ چاہیے کھل کھلا کے ہنسنے کے لیے

یارانِ چمن، یہ رنگ و بو مجھ سے ہے
تم سے کیا ہو گا، لکھنؤ مجھ سے ہے
میں جانِ سخن ہوں بلکہ ایمانِ سخن
دنیائے ادب کی آبرو مجھ سے ہے

گزری ہے بہارِ عمر تنکے چنتے
آتش کدۂ شوق میں جلتے بھنتے
یارانِ چمن گاتے ہیں اپنی اپنی
میری سنتے تو دیر تک سر دھنتے

وہ دَور رہا، نہ وہ زمانہ باقی
ہے اور کوئی دن یہ فسانہ باقی
کیسا ادبار اور کہاں کا اقبال
دنیا فانی مگر یگانہ باقی

بادل کو لگی کھلتے برستے کچھ دیر
دل کو نہ لگی اجڑتے بستے کچھ دیر
بچوں کی طرح موم ہوا ہوں ایسا
روتے کچھ دیر ہے نہ ہنستے کچھ دیر

راگ اور کوئی چھیڑ کہ لذت بھی ملے
بیکار ہیں سب بادِ مخالف کے گلے
ٹھنڈی آہوں سے دل نہ ٹھنڈا ہوگا
وہ سانس تو لے غنچۂ دل جس سے کھلے

بخشش کسے کہتے ہیں عنایت کیسی
ملک اپنا ہے، مال اپنا، اجازت کیسی
قدرت کا خزانہ ہے تصرف کے لیے
تقدیر کے ٹکڑوں پہ قناعت کیسی

وہ جوش، وہ اضطراب، منزل میں کہاں
وہ شوقِ طلب تھکے ہوئے دل میں کہاں
شاعر کی تہ کو فلسفی کیا پہنچے
منجدھار کا زور شور ساحل میں کہاں؟

ہوں صید کبھی اور کبھی صیاد ہوں میں
کچھ بھی نہیں بازیچۂ اضداد ہوں میں
مختار، مگر اپنی حدوں میں محدود
ہاں، وسعتِ زنجیر تک آزاد ہوں میں

ہنگامۂ شوق و آرزو سے مجبور
دنیا کی ہوائے چار سو مجبور
گلچیں کی تمنا پہ خدا رحم کرے
گل ہیں پروازِ رنگ و بو سے مجبور

ہر سانس ہے بازیچۂ امواجِ فنا
ہر ذات ہے آمادۂ معراجِ فنا
کیا شوکتِ شاہانہ ہے، ماشاء اللہ
ہے تاج کے اوپر اور اک تاجِ فنا

مشکل کوئی مشکل نہیں جینے کے سوا
خاموش لہو کا گھونٹ پینے کے سوا
کھلتے ہیں جبھی جوہرِ تسلیم و رضا
جب کوئی سپر ہی نہ ہو سینے کے سوا

ہیں خاک برابر مگر اکسیر ہیں ہم
غالبؔ کے پیر، ثانی میر ہیں ہم
دنیائے ادب تھی منتظر مدت سے
معلوم ہے کس خواب کی تعبیر ہیں ہم

دنیا میں کوئی اور حسیں ہو بھی تو کیا
پردے میں کوئی پردہ نشیں ہو بھی تو کیا
عالم میں جدھر دیکھیے، میں ہی میں ہوں
حسن اپنے سوا اور کہیں ہو بھی تو کیا

مہمان ہے تو صاحب خانہ ہوں میں
آئینہ حسنِ جاودانہ ہوں میں
مجھ سا کوئی دوسرا نہ تجھ سا کوئی
یکتائے جہاں تو ہے، یگانہؔ ہوں میں

اقلیمِ سخن نام مرا جپتا ہے
کیوں لکھنؤ اپنے بھاڑ میں تپتا ہے
تصویرِ یگانہ آپ بول اٹھے گی
ہاں ایسے ہی منھ پہ بانکپن کھپتا ہے!

کیوں شرح کا دفتر کوئی احمق کھولے
ہے یہ وہ سخن کہ اپنے منھ سے بولے
کانٹوں کا تلا ہوا نگاہوں میں جچا
لے تول لے پاؤ رتی باون تولے

دنیا کا خود اصلاح پہ آیا نہ مزاج
رخ کیاکرتا گدائے شاہانہ کا مزاج
دیوانوں نے دیوانوں کا پایا نہ مزاج
کیوں راہ پہ آتا دلِ دیوانہ کا مزاج

کس دھن میں کوہکن نے تیشہ باندھا
سر پھوڑ کے خود موت کا آگا باندھا
قدموں سے لپٹ گئی حیاتِ ابدی
کیا عشق کے سر اجل نے سہرا باندھا

آسان نہیں موت کی آہٹ لینا
گہوارۂ بے خودی میں کروٹ لینا
بیدار دلی ہے اور الٹی زحمت
اچھا نہیں اپنے سر پہ یہ جھنجھٹ لینا

بے درد دوا مانگنے والا تو کون؟
کیوں میرے سوا مانگنے والا تو کون؟
ہنستا ہوں خود اپنے حال پر، میرے لیے
رو رو کے دعا مانگنے والا تو کون؟

ان مردہ پرستوں کا ہے مذہب کیسا
ہر حال میں بد حال، یہ مشرب کیسا
کل تک تو اسی کل کو برا کہتے تھے
گزرے ہوئے کل کا ذکرِ خیر اب کیسا

کافر کا مسلمان سے بس کیا چلتا
دیووں کا سلیمان سے بس کیا چلتا
لاکھوں شیطاں پر ایک انساں بھاری
شیطان کا انسان سے بس کیا چلتا

مے کیا ہے؟ خونِ دل بھی پی کر نہ چھکا
جی بھر کے برا کام کوئی کر نہ سکا
مجھ کو کوئی مجھ سے پوچھے، اللہ رے میں!
وہ میں کہ گناہ کرتے کرتے نہ تھکا

ہاں فکرِ رسا دیکھ، بڑا بول نہ بول
گنجینۂ معنی سرِ بازار نہ کھول
جس کی جتنی ضرورت اتنی قیمت
ہیرا کبھی کنکر ہے کبھی ہے انمول!

رہنے کا نہیں بند درِ آزادی
دیتی ہیں ہوائیں خبرِ آزادی
دروازۂ زنداں درِ توبہ تو نہیں
ہاں المدد اے دردِ سرِ آزادی!

سنتا نہیں ناخدا، پکاریں کب تک
پوچھیں کب تک پتا بچاریں کب تک
غوطہ ہی لگا دیکھیں، ذرا تھاہ تو لیں
منجدھار میں ہاتھ پاؤں ماریں کب تک

کس کام کا دل جو ہو خبر سے خالی
منھ میں ہے زباں مگر اثر سے خالی
ان عقل کے اندھوں پہ خدا رحم کرے
آنکھیں دو دو مگر نظر سے خالی

ہم ایسوں کا درد رکھنے والا تو کون؟
یہ لذتِ تلخ چکھنے والا تو کون؟
کیا دل کو ٹٹولتا ہے اندھوں کی طرح
ٹوٹے ہی سہی، پرکھنے والا تو کون؟

بے درد بلا سے قصہ کو تہ کر دے
پیمانہ اسیروں کا لہو سے بھر دے
پھانسی ہی سہی، حکم رہائی نہ سہی
کب سے لٹکے☆ ہیں بال باندھے بردے

☆ بال باندھے غلام لٹکے ہیں یعنی معلق ہیں۔ ان کے قدمے کا کوئی فیصلہ نہیں ہو چکتا۔ (یگانہ)

دکھ درد کو موہوم سمجھنا مشکل
مشکل ہے یہ مفہوم سمجھنا مشکل
اپنی ہستی غلط نہ اپنی بیتی
موجود کو معدوم سمجھنا مشکل

❁

دنیا سے اٹھے ہیں دل کی دل ہی میں لیے
کس کام کی زندگی کہ ناکام جیے
وہ درد دیا جس کی دوا تھی نہ دعا
دل تجھ سے لگایا تھا اسی دن کے لیے

❁

ہاں جب ہے مزہ کہ دوست دشمن ہو جائے
ہر پہلوے خوب و زشت روشن ہو جائے
سکھ میں جو سواد ہے تو دکھ کے دم سے
سکھ ہی سکھ ہو تو پھر اجیرن ہو جائے

❁

اے بادِ مراد! آہ تیرے چلتے
اک عمر کٹی ہے خاک منھ پر ملتے
اِس شوخیِ رفتار پہ جی کیوں نہ جلے
دِل کے بدلے کبھی تو گھی جلتے☆

☆ دل جلنے کے بدلے کبھی گھی کے چراغ بھی جلتے۔ مراد برآتی (یگانہ)

❁

زندانِ بلا سے خاک اڑا کر چھوٹے
یارانِ ہوس کا جی چھڑا کر چھوٹے
دیوانوں سے کچھ بس نہ چلا یاروں کا
دل توڑ کے، زنجیر تڑا کر چھوٹے

کیوں پیرِ فلک دِھرانے والا تو کون؟
چل! خاک بسر پھرانے والا تو کون؟
ٹھہرا ہے ہوا پہ آشیانہ اپنا
گر جائے خود، گرانے والا تو کون؟

دلی کی زبان لکھنؤ کیا جانے
میرؔ و مرزاؔ کی گفتگو کیا جانے
دل درد سے خالی ہے تو بکواس فضول
خاموش! زبان عشق تو کیا جانے

پنجاب سے ایمان سلامت لائے
اب جائیں گے کیا، جان رہے یا جائے
وہ حسن کا عالم کہ الٰہی توبہ
توبہ ہوئی، اب سے آئے گھر سے آئے

کیا جانے کوئی عید منانے کے مزے
جب تک نہ اٹھائے دل لگانے کے مزے
اے عید منانے والو، مجھ سے پوچھو
روٹھے ہوئے دوست کو منانے کے مزے

کیا فصلِ بہاری کی خبر نے مارا
یا بوالہوسی کے دردِ سر نے مارا
یارانِ شکستہ پر ہیں کتنے بے تاب
کس کی آوازِ بال وپر نے مارا؟

مزاحیہ

تقدیر پہ کیا زور ہے، کھوٹی ہی سہی
بوٹی نہ ملی تو روکھی روٹی ہی سہی
چرخہ تو چلائے جاؤ گاندھی جی کا
دھوتی نہ سہی تن پہ لنگوٹی ہی سہی

آتا نہیں کچھ گرہ سے کھونے کے سوا
دولت کے نشے میں بھنگ ہونے کے سوا
دو دن کی زندگی کا حاصل کیا ہے
کھانے پینے، لپٹ کے سونے کے سوا

ڈر کیا ہے، بلا سے رات اندھیری ہی سہی
کچھ ہو نہیں سکتا تو دلیری ہی سہی
پھرتے ہیں ترے کوچے میں اہلے گہلے☆
چوری نہ سہی تو ہیرا پھیری ہی سہی

☆اہلے گہلے پھرتے ہیں یعنی اینڈے اینڈے پھرتے ہیں۔(یگانہ)

کیا نفس میں زور ہے ابھی تک
کیا کوئی لگور ہے ابھی تک
کیوں کان کھڑے ہوتے ہیں آہٹ پا کر
دل میں کوئی چور ہے ابھی تک

نازک بانہیں مروڑ ڈالوں نہ کہیں
قابو پا کر جھنجھوڑ ڈالوں نہ کہیں
ترسا ہوا میں ہوں تمھیں ڈر لگتا ہے
منھ چومتے ہی بھنبھوڑ ڈالوں نہ کہیں

دلی سے ادھر وہ غیرت حور چلا
میں نشہ شوق میں ادھر چور چلا
چلتی گاڑی میں منھ چڑھانا اس کا
میں دور سے دانت پیستا گھور چلا

ہر عید کو اک دلھن نئی کیوں کرتا
دو دن کی جوانی میں کئی کیوں کرتا
ہاں موت کو آغوش میں لیتے ہی بنی
خود آئی تو آئی پہ گئی کیوں کرتا☆

☆ آئی پر گئی کیوں کرتا یعنی آئی پر کیوں چوکتا۔(یگانہ)

نخاس سے خلعت کوئی منگوا لیتا
یا چوک سے جوڑا کوئی منگوا لیتا
حجلے میں ڈٹا ہے شیخ کفنایا ہوا
داڑھی کی طرح کفن بھی رنگوا لیتا

پامالِ ازل تھا دل تو کیوں کر جڑتا
کس دل سے بھلا چمن کی جانب مڑتا
کلیاں بھی نہ پھوٹیں پر پروا کجا
کس بل پہ کوئی جنم لنڈورا اڑتا

عاشق ہوں ترا، کالا کلوٹا ہی سہی
سچا نہ سہی بلا سے جھوٹا ہی سہی
صد پارۂ دل میں ہیں یہ جلوے کس کے؟
آئینہ پھر آئینہ ہے ٹوٹا ہی سہی

❁

جب اٹھ گیا پردہ تو نظر کیوں نہ اٹھے
لڑ جائے نظر تو شور و شر کیوں نہ اٹھے
انسان ہے انسان فرشتہ تو نہیں
شیطان چڑھا سر پہ تو سر کیوں نہ اٹھے

❁

منبر پہ جناب جب کبھی ریز کریں
جو بات کریں مضحکہ انگیز کریں
انگور حلال اور مےِ انگور حرام
گڑ کھائیں گلگلوں سے پرہیز کریں

❁

کھوٹے تو بہت دیکھے کھرے کم دیکھے
دل دیکھے مگر درد بھرے کم دیکھے
سنجیدہ مزاج اور ایسے مکار
ایسے مکار مسخرے کم دیکھے

❁

دیوانے ترے پہاڑ اوجھل بیٹھے
جنگل میں منا رہے ہیں منگل بیٹھے
کعبے میں شیخ بلبلاتا پھرتا
دیکھیں تو سہی یہ اونٹ کس کل بیٹھے؟

بہتیرے جوانانِ خوش اسلوب مرے
بے موت بھسم ہو گئے یا ڈوب مرے
مرنا اس کا کہ مر کے زندہ ہو جائے
مرنے کو مرے ہم بھی مگر خوب مرے

شاہوں سے مری کلاہ ٹیڑھی ہی رہی
بدمغزوں سے رسم وراہ ٹیڑھی ہی رہی
ٹیڑھے مرزا کو کون سیدھا کرتا
سیدھی نہ ہوئی نگاہ، ٹیڑھی ہی رہی

دل تنگ نہ ہو تنگ خیالوں کی طرح
جوتے بھی کھاؤ تر نوالوں کی طرح
کھسیانی ہنسی ہنس کے کرو دل خالی
صورت ہی بنا لو ہنسنے والوں کی طرح

بیہودہ نگار سے الجھتے کیوں ہو
اس نا ہموار سے الجھتے کیوں ہو
آزادؔ کو کہتا ہے برا کہنے دو
کیوں ایسے گنوار سے الجھتے کیوں ہو

اندھی نگری کے رہنے بسنے والے
نظارۂ معنی کو ترسنے والے
ٹوٹے ہوئے دل کے نغمۂ دل کش پر
دیوانی ہنسی ہنستے ہیں ہنسنے والے

پیارے صاحب سنو تو پیارے صاحب
کھسیانے نہ ہو شرم کے مارے صاحب
خود ناچ تو آتا نہیں، آنگن ٹیڑھا
ہارے تو سدھارے ناںپارے ۱؎ صاحب

۱؎ اودھ میں ایک ریاست کا نام ہے نانپارہ۔ جب کوئی شخص ہار کر شرمندہ اور کھسیانا ہو جاتا ہے تو اس پر یہ مثل کہی جاتی ہے۔ ہارے تو چلے نانپارے (یگانہ)

تقلید کے پھندے ہیں گلے جن کے
واللہ قدم رکھتے ہیں کیا کیا گن کے
رفتار میں تیزی ہے نہ پرواز بلند
شاعر تو نہیں توتے ۲؎ ہیں ادوائن کے

۲؎ سست رفتار شخص پر ادوائن کے توتے کی پھبتی کہی جاتی ہے۔ جس طرح توتا پلنگ کی ادوائن پر رسان رسان قدم رکھتا ہے، وہی حال تقلید پیشہ متاشعرین کا ہے۔ (یگانہ)

استاد یگانہ بے گرے کیوں ہوتے
آپ اپنی نگاہوں میں برے کیوں ہوتے
استاد ازل کے ہیں جو جو شاگردِ رشید
غالبؔ کی طرح بے سرے کیوں ہوتے

دیوانوں کے یہ زور نہ دیکھے نہ سنے
نادانوں کے یہ شور نہ دیکھے نہ سنے
جھنڈے پہ چڑھانے کو چڑھاتے ہیں مگر
غالب سے چچا☆ چور دیکھے نہ سنے

☆ چچا سعدی اور چچا غالب میں بڑا فرق ہے۔ (یگانہ)

اب کون مناتا ہے انسان کی خیر
ہاں چاہیے چار جز کے دیوان کی خیر
غالبؔ پہ جو ایمان نہ لائے کافر
پھر جان کی خیر ہے نہ ایمان کی خیر

غالبؔ کو میرؔ سے بڑھانے والے
چوروں کو بانس پہ چڑھانے والے
اندھوں کو اپنے ساتھ لے ڈوبیں گے
دنیا کو غلط سبق پڑھانے والے

چنگیزی لہو ہے اپنی رگ رگ میں رچا
مجھ سے جو تنے تو منہ کی کھاؤ گے بچا
غالبؔ کو چچا بنا کے چھوڑا میں نے
غالبؔ میرے چچا، میں غالبؔ کا چچا!

بھونڈا پن ہے مذاقِ غالب میں رچا
مرزا کا کمال اپنی نظر میں نہ جچا
محفل میں ہے اب رنگِ یگانہؔ غالب
وہ کون یگانہؔ؟ وہی غالبؔ کا چچا

کس سے کہوں کیا ہوں میں، ارے واہ رے میں
آفت ہوں بلا ہوں میں، ارے واہ رے میں
بھاری ہے بڑے بڑوں پہ مردہ اپنا
غالبؔ کا چچا ہوں، ارے واہ رے میں

استادوں کے ساتھ دل لگی سوجھتی ہے
نشے میں خودی کے،دور کی سوجھتی ہے
غالبؔ کے چچا بنے ہو ماشاء اللہ
جو سوجھتی ہے یار نئی سوجھتی ہے
(مزاحیہ عنوان کے تحت رباعیاں ختم)

ہر رنگ کو کہتا ہے فریبِ نظری
ہر بو کو ہوائے منزلِ بے خبری
ہر حسن کو فلسفی کی آنکھوں سے نہ دیکھ
دشمن کو مبارک ہو یہ بالغ نظری

کچھ کر تو چلیں کوششِ ناکام سہی
انعام کے بدلے اور دشنام سہی
امید سلامت ہے تو کیوں باز آئیں
بوسہ نہ سہی بوسہ بہ پیغام سہی

سنسار میں چار دانگ اندھیاری ہے
کیا جانیے خواب ہے کہ بیداری ہے
آنکھیں ہیں مگر حسنِ نظر سے خالی
اندھیر ہے یا سمے کی بلہاری ہے

کیا جانیے کیا مصلحتِ باری ہے
کیوں پاپ کی اتنی گرم بازاری ہے
شیطان کو سجدہ کرے انسان یہ کیا
شاید یہ بھی سمے کی بلہاری ہے

دنیا کی ہوا کھا کے کچھ ایسے بگڑے
ایمان پلٹ گیا، ارادے بگڑے
کیا کیا دیں دار پریم پاپی نکلے
کیا اچھے بنے تھے، کیسے اچھے بگڑے

آخر یہ شباب یاد آئے گا نہ کیا
یہ خانہ خراب یاد آئے گا نہ کیا
جنت کیا دور ہے گنہ گاروں سے
بھولا ہوا خواب یاد آئے گا نہ کیا

موجی من کی یہ ایک دھن کیا کم ہے
پاپی ہی سہی مگر یہ پُن کیا کم ہے
کس پریم کی دیوی کا پجاری ہوں میں
گن کوئی نہیں مگر یہ گن کیا کم ہے

اللہ رے موت کے پسینے کا مزہ
اس پیاس میں آبِ سرد پینے کا مزہ
سر اپنا اس آغوشِ محبت پہ نثار
مرتے دم تک ملا ہے جینے کا مزہ

ہوتا کوئی پہلو میں بٹھانے والا
آغوشِ محبت میں اٹھانے والا
دل آپ ہی آپ گدگدائے بھی تو کیا
جب تک نہ ہو کوئی گدگدانے والا

ارمان نکلنے کا مزہ ہے کچھ اور
اور رشک سے جلنے کا مزہ ہے کچھ اور
ہاں یاد ہے دوست سے لپٹنا لیکن
دشمن کو کچلنے کا مزہ ہے کچھ اور

❁

بے درد ہو کیا جانو مصیبت کے مزے
ہیں رنج کے دم قدم سے راحت کے مزے
دوزخ کی ہوا تو پہلے کھا لو صاحب
کیا ڈھونڈتے ہو ابھی سے جنت کے مزے

❁

جب تک نہ سہیں رنج تو راحت معلوم
جنت معلوم، سیرِ جنت معلوم
دوزخ کی ہوا کھائی نہیں، کیا جانے؟
معصوم کو جنت کی حقیقت معلوم!

❁

بے رنگ ہے آج دل کا رنگ، آہ یہ کیا
پھر ہونے لگی درد سے جنگ، آہ یہ کیا
دکھ درد کے ماروں کو کہاں چھوڑ چلے
نواب بشیر یار جنگ، آہ یہ کیا

❁

کیا ہنستے ہیں بے کسوں پہ ہنسنے والے
آنسو کہیں تھمتے ہیں برسنے والے
کس دل سے بشیر بیگ کو مردہ کہوں
مرتے ہیں کہیں دلوں میں بسنے والے

کیا جانیں یہ کم بخت ہیں بندے کن کے
اللہ ہی پھیرے تو پھریں دن ان کے
جینے کا ہنر سیکھیں تو کیوں کر سیکھیں
جیتے مردے جو سانس لیں گن گن لیں

کہتے ہیں کہ شیطاں کبھی سوتا ہی نہیں
انسان سے غافل کبھی ہوتا ہی نہیں
مُلاّ بھی مگر کم نہیں ہشیاری میں
موقع کوئی ہاتھ آئے تو کھوتا بھی نہیں

ہندو کو مسلمان سے ہے جان کا ڈر
کافر سے مسلمان کو ایمان کا ڈر
ہم ایسے نڈر نکلے کہ بس اپنے سوا
اللہ کا خوف ہے نہ شیطان کا ڈر

فانوس خودی میں آپ مستور ہیں ہم
پردہ یہ اٹھے تو نور ہی نور ہیں ہم
دیکھا تو سہی تو نے مگر کیا دیکھا
جتنے نزدیک اتنے ہی دور ہیں ہم

دونوں دیوانے ہیں علی کے طالب
جان ایک ہے گو جدا جدا ہیں قالب
مذہب میں، شاعری میں، قومیت میں
غالبؔ ہیں یگانہؔ اور یگانہؔ غالبؔ

شاعر تو ہیں بہتیرے، ادھورے، بے ڈول
اربابِ نظر کا یاد رکھیو یہ قول
داغؔ و جگرؔ و حسرتؔ و فانیؔ جیسے
'شاعر' ہیں یگانہؔ تو ہزاروں لاحول

ہاں شوخی طبع ہے، لڑائی تو نہیں
کہتا ہوں کھری، اس میں برائی تو نہیں
کیوں ہر کس و ناکس ہے یگانہ دشمن
قاضی کی گدھی کوئی بھگائی تو نہیں

استاد فقط راہ بتا دیتا ہے
یا پاؤں میں پہیے بھی لگا دیتا ہے
شاگرد تو شاگرد ہے، بندہ تو نہیں
بندے کو جو دیتا ہے، خدا دیتا ہے

دیوانہ روی کا حق ادا کرتا چل
چلنا تو ہئی شور بپا کرتا چل
گردش میں بھنور ہے بونڈ لا چکر میں
ہاں تو بھی یونہی رقصِ فنا کرتا چل

شرحیں لکھنے دو، یوں ہی دن کاٹنے دو
انبار لگانے دو، گڑھے پاٹنے دو
'آیات' و 'ترانہ' کا مزہ کیا جانیں
غالبؔ کے سگوں کو ٹھیکرا چاٹنے دو

فطرت کچھ اور ہے خدا ہے کچھ اور
بالغ نظروں کا منتہا ہے کچھ اور
جس کے دم سے ہے دل کی دنیا روشن
اس جاگتی جوت کے سوا ہے کچھ اور

تازہ مژدہ کوئی سنانا ہے تو آ
اجڑے گھر کو مرے بسانا ہے تو آ
پھر بند نہ ہو جائے کہیں دل کا کواڑ
ایسے میں سویرا ہے آنا ہے تو آ

ترسی ہوئی آنکھوں کا تقاضا ہے تو کیا
پھوٹی ہوئی آنکھوں کی تمنا ہے تو کیا
اترے گا کبھی نہ حسنِ بے رنگ کا عکس
روشن ہے تو کیا، آئنہ اندھا ہے تو کیا

دنیا میں رہ کے راست بازی کب تک
مشکل ہے کچھ آساں نہیں سیدھا مسلک
سچ بول کے کیا حسین بننا ہے تجھے
اتنا سچ بول، دال میں جیسے نمک

کیا بھانپتا ہے بھانپنے والے باز آ
حیران ہے کیوں، ناپنے والے باز آ
کھنچتی جائے گی اور بھی دور سے دور
آفاق کی حد ناپنے والے باز آ

نظارۂ بیدار بھی مہمل ٹھہرا
ہے ایک سے بڑھ کر ایک پردہ گہرا
افسانۂ شاہدِ حقیقت باطل
کہتا گونگا ہے اور سنتا بہرا

کس منہ سے کہے کوئی کہ تو ایسا ہے
ویسا تو نہیں ایک بھی، تو جیسا ہے
ہاں ہے تو سہی مگر نہ جانے کیا ہے
ایسا نہیں ویسا نہیں، پھر کیسا ہے؟

ان عقل کے اندھوں میں ہے یہ غل کیسا؟
میں جُز ہوں وہ کُل ہے، یہ تعقل کیسا؟
کُل ہی کُل ہے کہاں کا جُز کیسا جُز؟
جُز کُل سے الگ ہوا تو پھر کل کیسا؟

منزل کی جستجو میں گم رہتا ہوں
ہنگامۂ آرزو میں گم رہتا ہوں
امید کا سبز باغ، اے صلِ علی
اک عالم رنگ و بو میں گم رہتا ہوں

ممکن نہیں اندیشۂ فردا کم ہو
ہاں نشۂ غفلت ہو تو ایذا کم ہو
ٹلنے کی نہیں قیامت اچھا نہ ٹلے
منھ پھیر لو اپنا کہ یہ دھڑکا کم ہو

دنیا سے الگ جا کے کہیں سر پھوڑو
یا جیتے ہی جی مردوں سے ناتا جوڑو
کیوں ٹھوکریں کھانے کو پڑے ہو بیکار
بڑھنا ہے بڑھو، نہیں تو رستہ چھوڑو

کیا کیجیے رام رام کرتے ہی بنی
جائز نہ سہی، یہ کام کرتے ہی بنی
چاہا تو بہت، بتوں سے منھ پھیر چلوں
جھکتے ہی بنی، سلام کرتے ہیں بنی

پھر ساحلِ امید دغا دے نہ کہیں
اب تک کوئی آس پار اترنے کی نہیں
پانجھی میں بھی ہے زور وہی دھارے کا
لو پاؤں تلے سے نکلی جاتی ہے زمیں

بیداریِ موہوم کا پردہ نہ ہٹا
کہنے کے لیے وقت بہت خوب کٹا
کیا کہیے کل سے آج تک کیا گزری
پانی کتنا بہا ہے، پل کتنا گھٹا ہے؟

زیبا نہیں یہ تنگ مزاجوں کے چلن
گل چیں سے لاگ، باغباں سے ان بن
کیا حوصلہ، کیا ظرف ہے، ماشاء اللہ
اک بھیس میں دہری دہری ماتھے پہ شکن

کانوں میں آئی کیسی آواز نئی
دل کی دنیا میں سنسنی دوڑ گئی
کس سے روٹھا ہے، ہم سے یا دنیا سے
دنیا کی طرف نہ دیکھ، دنیا تو ہئی

اللہ غنی بتوں کی یہ جلوہ گری
کیا ساری خدائی ہے خداؤں سے بھری
اتنے ہیں خدا تو خود پرستی ہی بھلی
یک سوئی ہے اچھی کہ پریشاں نظری؟

لڑتے ہی نظر پینگ بڑھا لیتا ہے
الٹا سیدھا سبق پڑھا لیتا ہے
دل کی باتوں کو سنگ دل کیا سمجھیں
دو باتوں میں داؤ پر چڑھا لیتا ہے

وہ حسن ہی کیا ہے جو گلے کٹوائے
فتنے برپا کرے قیامت ڈھائے
دیکھا ہو گا مگر نہ دیکھا ہوگا
وہ حسن جسے دیکھ کے چپ لگ جائے

اربابِ وفا ہیں کڑھنے کھپنے کے لیے
اندر اندر سلگنے تپنے کے لیے
کس دل سے دلِ دوست دکھاؤں واللہ
دل چاہیے بے دھڑک تڑپنے کے لیے

والله وہ زندگی بھی ہے قابلِ دید
جس کی ہر سانس اک پیامِ امید
زندہ ہے وہی جو مر کے زندہ ہو جائے
پیغامِ اجل جس کے لیے مژدۂ عید

❁

دل کا دامن کبھی نہ چھوٹے واللہ
آئینہ ادراک نہ ٹوٹے واللہ
دل ہے روشن تو دین و دنیا روشن
آنکھیں پھوٹیں، ہیانہ پھوٹے واللہ

❁

کچھ دردِ محبت کی کسک ہے تو سہی
ہلکی سی نبض میں دھمک ہے تو سہی
چڑھ جائے کوئی لہر تو پھر کیا چارہ
کچھ دن کے لیے موت میں شک ہے تو سہی

❁

اک وہ کہ پھرا کرتے ہیں اکڑے اکڑے
اک ہم کہ شکنجے میں پڑے ہیں جکڑے
بے چارہ جو درد سے ہو یوں دست بہ دل
کس ہاتھ سے ظالم کا گریباں پکڑے؟

❁

کیوں مجھ پہ توجہ ہے، خدا خیر کرے
نا کردہ گنہ گار بھی بے موت مرے
جن کی کوئی پرسش ہی نہ ہو، ایسوں سے
کرتا بھی ڈرے اور نہ کرتا بھی ڈرے

وہ مستِ شباب یاد آتا کیوں ہے
امکانِ ہوس کو آزماتا کیوں ہے
میں یہ نہیں کہتا کہ مرے پاس آجا
پرچھائیں سی پردے پہ دکھاتا کیوں ہے؟

کیوں ذوقِ نظر، طعنۂ غفلت سہتا
جی میں اپنے نہ جانے وہ کیا کہتا
جب حسن و شباب ہو سراپا دعوت
دل کو کب تک کوئی مسوسے رہتا؟

کیوں ساری خدائی میں اب اندھیر نہ ہو؟
ایمان پلٹتے بھی کوئی دیر نہ ہو
جاتی رہے بھوک پیاس، جلوہ ایسا
دیکھیے تو کبھی چشمِ ہوس سیر نہ ہو

بھوکا تیرا کبھی نہیں چھکنے کا
انداز تو دیکھے کوئی منھ تکنے کا
کیوں کر ممکن ہے حسن سے منھ پھیرے
مارے سے کبھی دل نہیں مر سکنے کا

ہر رنگِ شباب اپنی طرف کھینچتا ہے
ہر حسنِ حجاب اپنی طرف کھینچتا ہے
آپ ایسے کہ جنبش نہیں کرتے ،ورنہ
ہر دامِ سراب اپنی طرف کھینچتا ہے

کھلتے ہیں علم سے بشر کے جوہر
پاکیزہ شرست و بد گہر کے جوہر
جب اٹھ گیا پردۂ جہالت، ناداں
کھلتے پھر کیوں نہ خیر و شر کے جوہر ؟

❁

عاشق ہی نہیں ہوس کے بندے بھی تو ہیں
آنکھوں کے سوا عقل کے اندھے بھی تو ہیں
اک وہ ہیں کہ دوست سے گلے ملتے ہیں
پرچھائیں پہ دوڑتے ہیں ،ایسے بھی تو ہیں

❁

گزرا ہوا وقت ہاتھ کیوں کر آئے
پودا مرجھا گیا تو پھل کیا لائے
کب تک جھوٹی تسلیوں کی خاطر
چوکا اک بوند کا گھڑے ڈھلکائے؟

❁

افسانۂ حسن و عشق دہرا لینا
بچوں کی طرح سے دل کو بہلا لینا
کیا کیجیے اب وقت کچھ ایسا آیا
خالی مل مل کے ہاتھ گرما لینا

❁

نغمہ بھی کوئی وجد میں لاتا نہیں اب
کیسا ہی مزہ ہو دل کو بھاتا نہیں اب
اللہ اللہ یہ وقت بھی آپہنچا
پیاری صورت پہ پیار آتا نہیں اب

بازار میں جب کوئی بھی گاہک نہ رہا
دکھتے دل سے کسی نے کیا خوب کہا
آغاز وہ تھا، حسن کا انجام یہ ہے
ساری وہ رنگ و بو ہوا ہوگئی، ہا!

❁

کچھ کام کرو کہ چارۂ غم ہے یہی
زخمِ دلِ ناکام کا مرہم ہے یہی
اللہ سے لو لگایئے، بیٹھے کیا ہو؟
شیطاں سے نپٹ لو کہ مقدم ہے یہی

❁

مردانِ عمل کو اجر کی پروا کیا
خود ذوقِ عمل اجر ہے، اندیشہ کیا
دنیا میری بلا سے خوش ہوکہ نہ ہو
میں اپنے سے خوش ہوں تو غمِ دنیا کیا

❁

آپ اپنی جگہ جو شرم سے گڑ جائے
اس پر کوئی ترس نہ تجھ کو آئے
میرا تو خدا ایسا نہ ہوگا بخدا
بندے کی خطا بندے کے منھ پر لائے

❁

زمزم سے گناہوں کا ہے دھونا اچھا
یا خوفِ عذاب سے ہے رونا اچھا
مہمل ہے یہ سب، دل تو یہی کہتا ہے
دوزخ میں گھس کے پاک ہونا اچھا

بوسیدہ عمارت پہ کہاں تک کہگل
سودائے عمل ہے یہ کہ فکرِ باطل
کیوں حال سے بیزار ہو، کیا چاہتے ہو
ماضی سے بندھے سلسلۂ مستقبل

مطلب یہ ہے انھیں میں ہم بھی ہوتے
یعنی کوئی قادری نظامی ہوتے
کیا چیز ہیں ہم، قوم کے دل سے پوچھو
سب چاہتے ہیں یگانہؔ سنی ہوتے

حافظ کو بھی اپنا پیشوا کہنے لگے
غالب کو بھی اپنا ہی سگا کہنے لگے
اپنی جماعت میں گھسیڑا، کیا خوب
دیکھا جسے ڈانڈگا، چچا کہنے لگے

ڈر ہے اثرِ مذہب و ملت نہ پڑے
تدبیرِ سیاست کی تمھیں لت نہ پڑے
دھوکا ہے یہ سب دولت دین و دنیا
تم پر بھی کہیں سایۂ دولت نہ پڑے

کیا کیا حرم و دیر میں آوارہ پھرا
بندہ اپنی نظر سے پھر بھی نہ گرا
ماحول سے جنگ پر تلا کیوں نہ رہے
رہتا ہے جو ہر طرف گناہوں سے گھرا

غیرت ہی نہیں جاؤ جہنم میں پڑو
جوتے غیروں کے کھاؤ، آپس میں لڑو
کیوں خاکِ وطن کو کر رہے ہو ناپاک
آباد کرو جیل، الگ ہٹ کے سڑو

یہ گردش انقلاب یہ فتنہ گری
کیا ساری خدائی ہے خبیثوں سے بھری
آندھی، طوفان، زلزلے جاگ اٹھے
شیطان نے سنائی واہ کیا خوش خبری!

کہتے ہیں شہیدوں نے شہادت پائی
ٹھنڈے ٹھنڈے سدھارے، راحت پائی
کیا کہیے مگر اس کی خوشی کا عالم
منھ موڑ کے حق سے جس نے دولت پائی

مردانِ خدا کسی کے آگے نہ جھکے
دل شعلۂ غم سے پھک رہا ہے تو پھکے
جادہ اپنا ہے اور ارادہ اپنا
دھارا کیا پتھروں پہاڑوں سے رکے

آندھی طوفان سر سے گزرے ہر چند
خاطر میں نہ لایا کوئی دشوار پسند
ثابت قدمی کا راز کیا پوچھتے ہو
گہرا اتنا ہی ہوگا جتنا ہے بلند

پستی سے بلندی پہ جو چڑھتا جائے
ہر خطرے سے لا حول ہی پڑھتا جائے
ایسے کو سہارا نہ ملے کیا معنی
گرتا پڑتا جو آگے بڑھتا جائے

گاڑے ہیں بہادروں نے کیا کیا جھنڈے
کیا کیا کوڑے چکھائے ہیں کیا کیا ڈنڈے
تھی سہو و خطا جوشِ عمل کے دم تک
جب دم نہ رہا تو پڑ گئے ٹھنڈے

کیا پیاس بجھانا ہے سر چشمۂ گناہ سے
بھوکے کے لیے شرطِ ادب ؟ واہ جی واہ
کچھ بھی جو پس و پیش ہوا ہو ،واللہ
قانون دھرا رہ گیا قصۂ کوتاہ

ممکن نہیں سب کے سب تونگر ہو جائیں
تقدیر کے دائرے سے باہر ہو جائیں
ہے ایک کا رنج دوسرے کی راحت
خوش کون رہے جو سب برابر ہو جائیں

کیا کہیے زمیں کتنی ہے زر کتنا ہے
سب کچھ سہی، جنجال مگر کتنا ہے
دولت کو ہونستے ہو، یہ تو دیکھو
دولت کے ساتھ دردِ سر کتنا ہے

جلوؤں کی یہ تکرار رہا کرتی ہے
آنکھ اپنی گنہ گار رہا کرتی ہے
وہ صبح کا عالم تھا، یہ شب کا عالم
نظارے پہ کیا مار رہا کرتی ہے

زاہد بھی ہے اپنے رنگ میں مست الست
میں بھی اپنے خیال میں حسن پرست
کیا یوسف نادیدہ کی تعریف کروں
وہ نکہتِ پیرہن کہ اندھا بھی ہو مست !

فطرت کا تقاضا ہے بشر سے لغزش
میدانِ عمل میں نامور سے لغزش
پیدا کتنے ہیں، کتنے معنی پنہاں
کب تک نہ ہو اربابِ نظر سے لغزش

آندھی اٹھ کر پہاڑ کے دامن سے
ہاتھی کو اڑا لے گئی کجلی بن سے
پامال کرے کون سی طاقت اس کو
پتاتا پھرے جو اپنے ہلکے پن سے

ہر گام پہ تازہ گل کھلاتے چلیے
ہر روز کوئی فتنہ اٹھاتے چلیے
فطرت کے ساتھ ساتھ چلنا ہے اگر
ہر وقت بگاڑتے بناتے چلیے

کل تک تو وہی ہم تھے وہی دنیا تھی
دل میں پنہاں وہی نئی دنیا تھی
دیکھا کرتے تھے خواب آزادی کا
آج آنکھ کھلی تو دوسری دنیا تھی

دل پہلے جو سادہ تھا سو تاریک ہوا
خطرہ جو بہت دور تھا نزدیک ہوا
آنکھیں پھوٹی تھیں روشنی کے مارے
تہذیب کا انجام بہت ٹھیک ہوا

رہنا ہے دیس میں تو بسنا سیکھو
خدمت کے لیے کمر تو کسنا سیکھو
مشکل کا وقت ہے تو ہنس کر ٹالو
ہنسنا آتا نہیں تو ہنسنا سیکھو

بپتا اپنے ہی دیس میں کیوں نہ سہے
بے چارہ غریب کیا کہے، کس سے کہے
رہنا ہے یہیں اچھی بری سہنا ہے
دل میں ان کے جگہ رہے یا نہ رہے

دنیا سے الگ بیٹھے ہو دامن جھاڑے
بکھرائے ہوئے بال، گریباں پھاڑے
روٹھے تو سہی پھر بھی نہ پیچھا چھوڑا
گھر چھوڑ کے جا بیٹھے کہاں پچھواڑے!

مٹتے مٹتے ہے اب تک اتنا کس بل
جمہور کی ذہنیت کو دیتا ہوں کچل
چنگیز بچہ ہوں شیخ چلی تو نہیں
تاریخ پکارے ہے ہمیں 'گریٹ مغل'

بننے کی ہوس میں کوئی اتنا نہ بنے
ہستی نہ بگڑ جائے، تماشا نہ بنے
فطرت کا تقاضا تو یہی ہے واللہ
انسان بنے آدمی دیوتا نہ بنے

نیرنگیٔ دنیا سے وفا چاہتا ہے
سادہ لوحی تو دیکھو کیا چاہتا ہے
دیکھیں کس کس کو راس آتی ہے بہار
ہر نخلِ ہوس نشو و نما چاہتا ہے

کیا کہیے یہ دنیائے دنی کے مارے
کیوں نہ پنپیں گے بد دلی کے مارے
اربابِ خرد غم زدہ و دست بدل
ناچے ہے سبک مغز خوشی کے مارے

ہاں جب ہے مزہ قدرِ عمل پہچانے
دشمن بھی مرے قلم کا لوہا مانے
تخریب بھی کرتا ہوں برائے تعمیر
میں کون سے بھیس میں ہوں، تو کیا جانے؟

تقلید کا بندہ نہیں خود سر ہوں میں
واللہ اک آزاد سخنور ہوں میں
وہ موج نہیں ہوں میں جسے ساحل روکے
دھارا ہوں آج کل سمندر ہوں میں

غالبؔ

اتنا بھی سمجھتے نہیں بونگے بوکھل
آخر آخر ہے اور اول اول
اکمل متاخر، متقدم افضل
غالب افضل، مگر یگانہ اکمل

بدبیں کی نظر سے کیوں میں الٹا دیکھوں
سچ مچ جیسا ہوں کیوں نہ ویسا دیکھوں
آنکھیں اپنی ہیں اور جلوہ اپنا
آئینہ پرائی آنکھ سے کیا دیکھوں

ہاں میرؔ سے اعجاز بیانی سیکھی
گویا تلوار کی روانی سیکھی
اور 'قاطع برہان' سے کیا فیض ملا
غالبؔ کی طرح بدزبانی سیکھی

پنجاب سے سیکھ آئے ہو کیا خوب ہنر
غالب کا نہ غالب کے سگوں کا کچھ ڈر
ایسے کبھی منھ سے پھول جھڑتے تو نہ تھے
اوکھی بکتے ہو کیا کیا مزے لے لے کر

❁

مرزا کو فلاطوں کے سوا پاؤگے
سقراط و ارسطو کا چچا پاؤگے
غالبؔ کو غلیچی کی نظر سے دیکھو
ایسا نہ کروگے تو خطا پاؤگے

❁

کیا امتِ غالبؔ میں بپا ہے فریاد
مرزا کی بت پہ آہ ایسی بیداد
ہنس ہنس کے جلا جلا کے کرتے ہو جہاد
کیا کہنے ہیں، واہ ہاتھ لانا استاد

❁

غالبؔ کے سوا کوئی بشر ہے کہ نہیں
اوروں کے بھی حصے میں ہنر ہے کہ نہیں
مردہ بھیڑوں کو پوجتا ہے ناداں
زندہ شیروں کی کچھ خبر ہے کہ نہیں

❁

خاصہ نہ سہی بلا سے کھرچن ہے بہت
تن ڈھکنے کو صاحب کا اتارن ہے بہت
دلی کا تخت الٹ گیا، ٹھینگے سے
نوشہؔ کے لیے خلعت و پنشن ہے بہت

پیری میں بھی ہے مزاج رندانہ وہی
ساقی وہی، شیشہ وہی، پیمانہ وہی
دلی تو ہے تخت و تاج کے ماتم میں
مرزا کی ہے گفتگو ظریفانہ وہی!

تلوار سے مطلب ہے نہ کھانڈے سے غرض
مومن سے سرو کار نہ ٹانڈے سے غرض
رنگون میں دم توڑتا ہے شاہ ظفرؔ
غالبؔ کو ہے اپنے حلوے مانڈے سے غرض

کیا مطلب، مرہٹوں پہ کیسی بیتی
یا غدر کے پرکٹوں پہ کیسی بیتی
یہ دیکھنا ہے قلم سے چنگیزی کے
غالبؔ کے دَلچھوں پہ کیسی بیتی

یاروں کا گلا ہے اور مرزا کی چھری
بنتی نہیں کچھ بات بجز خانہ پری
کس دل سے یگانہؔ کو بھلا دے کوئی
واللہ قلم کی مار ہوتی ہے بری

دل کتنوں کے چٹنی ہوئے پستے پستے
بہ بہ گئیں غم سے آنکھیں رستے رستے
کیا لاگ غلیچیوں سے رکھتا ہے قلم
تیز اور ہوا جاتا ہے گھستے گھستے

مغرب زدہ بدھوں کو نہ یوں چمکارو
چمکار کو کب مانتے ہیں، پھٹکارو
یہ زورِ قلم ملا ہے کس دن کے لیے
مارو مارو غلیچیوں کو مارو

بگڑی تو عزیزوں سے بنائے نہ بنی
یوں مر کے دکھا دیتے ہیں جب دل میں ٹھنی
وہ ٹھاٹھ کچھ اور ہی تھا، یہ شان کچھ اور
غالب شکنی کہاں، کہاں خود شکنی

پڑھتا ہے کوئی شعر کوئی سنتا ہے
منھ تکتا ہے کوئی، کوئی سر دھنتا ہے
اربابِ نگاہ رولتے ہیں موتی
اندھا نقاد کنکری چنتا ہے

دوبھر ہو سماج پر، حکومت پہ کھلے
جس کا دھندا کبھی چلائے نہ چلے
راس آئے نہ مذہب، نہ سیاست ہی پھلے
بے چارہ غریب شاعری لاد نہ لے

توبہ، نگہِ شوق جہاں گڑتی ہے
ہٹتی نہیں کم بخت وہیں سڑتی ہے
ننگے کی طرف دیکھ کے ہنسنا کیا خوب
جب دیکھو نظر بری جگہ پڑتی ہے

ڈھکاتی ہے کیا کیا یہ لگاوٹ کی نظر
تیکھی چتون کبھی یہ میٹھے تیور
جب دیکھتا ہوں تمہیں تو جی چاہتا ہے
کچا کھا جاؤں جیسے مولی گاجر

❁

درشن کچھ بھی نہیں مگر نام بڑا
لیلی کو کبھی آپ سے پالا نہ پڑا
کیا حسن ہے واہ کیا مسیحائی ہے
مردہ بھی تمہیں دیکھ کے ہوتا ہے کھڑا

❁

دروازہ کیوں نہ بند ہو روزی کا
دھندا چل نکلا آتش افروزی کا
کس نے ہڑتال کا پڑھایا تھا سبق
خمیازہ اٹھاؤ اب بد آموزی کا

❁

الٹا رستہ بتانے والے باز آ
ٹوٹا چرخہ چلانے والے باز آ
کل جگ میں ہوس فضول ہے ست جگ کی
الٹی گنگا بہانے والے، باز آ

❁

سنتا ہی نہیں، زمانہ کیا کہتا ہے
دل ہے اپنا، وہ اپنے خوش رہتا ہے
دیوانہ تو دیوانہ، اسے کیا پروا
دھارا تہذیب کا کدھر بہتا ہے

منبر سے جنابِ شیخ اتر لیتے ہیں
اک زحمتِ طرفہ اپنے سر لیتے ہیں
پاکیزہ مزاج ایسے نہ دیکھے نہ سنے
ہر 'پھونک' پہ آب دست کر لیتے ہیں

ڈوبے تو بہت ہوں گے ترے کم ہوں گے
اس طرح کے طوفاں میں گھرے کم ہوں گے
لو سنگِ ملامت سے ہوئے اور بھی سخت
ایسے تو یگانہؔ سر پھرے کم ہوں گے

آپ اپنی مثال لکھنؤ کا ہر فرد
عورت وہ مرد مار، وہ نازک مرد
نواب بہادر کی نزاکت دیکھی
سارنگی سن کے ہوگیا کان میں درد

ٹیڑھے مرزا نے پہلے رشتہ جوڑا
پھر گومتی والوں ہی کا کدو پھوڑا
دلی والوں کو کیا اچھوتا چھوڑا
غالبؔ کا بت بتاؤ کس نے توڑا

کیوں لکھنو میرزا یگانہؔ سے تنا
بگڑا ہوا کھیل پھر بنائے نہ بنا
میدانِ ادب مار چلا چنگیزی
چت ہو گئے تم، پون بھئی ہریالا بنا

چھٹ بھیوں کی شاعری کا یہ زور یہ شور
ایسوں کو کہے گا کون میدان کا چور
شاعر ہیں یا مشاعروں کے ٹھیے
سن پائی کوئی 'طرح' لگانے لگے زور

کیا خوب ہیں یہ ناز و نیاز آپس کے
دل میں لیتے ہیں چٹکیاں ہنس ہنس کے
ہنستے ہنستے ہی بات بڑھ جاتی ہے
ایسا نہ ہو میں بھی گدگدادوں کس کے

انسان وہی انسان ہے سعید الدارین
دکھ درد پہ اوروں کے جو ہو خود بے چین
کس منھ سے کہوں کہ میں ہوں تیرا بندہ
بندہ تیرا ہے ایک الطاف حسین☆

☆ سیدی ومولائی جناب سید الطاف حسین بی اے، ہڈ ماسٹر، اسلامیہ ہائی سکول، اٹاوہ (یگانہؔ)

دل ہے بنیادِ عالمِ کون و فساد
دل ہی نہ رہا تو زندگانی برباد
تھے دشمن و دوست سب اسی کے دم تک
دونوں پہلوئے زندگی تھے آباد

ادراکِ وجودِ حق میں عاجز ہے بشر
چکر میں ہے عقل جیسے دریا میں بھنور
اس بحر میں ہاتھ پاؤں مارے کیا کیا
ساحل کا پتا ملا نہ کچھ تہہ کی خبر

شاید کوئی اعجاز تھی حسرت کی نظر
دشمن بھی کھڑے روتے ہیں بالیں پر
اپنی تو زباں تک نہ کھلی یاس مگر
اس معنیٔ بے لفظ میں کیسا تھا اثر

دریائے محبت کے بھنور میں پڑ کر
دیکھیں تو ابھرتے ہیں شناور کیوں کر
ساحل کی ہوا تک نہ رہے گی سر میں
جب ڈوبنے والوں کو ہوئی تہ کی خبر

آوازے کسی پہ کسنے والا توکون
ہاں پیتے ہیں مے، ترسنے والا تو کون
الست مچاتے ہیں ادھم شام و سحر
ہم زندہ دلوں پہ ہنسنے والا تو کون ؟

حاسد جلتے ہیں آتشِ حسرت میں
عاشق جلتے ہیں آتشِ فرقت میں
حاسد جائیں گے سیدھے دوزخ کی طرف
عاشق جائیں گے بے دھڑک جنت میں

رکھتے ہیں جو سودائے محبت سر میں
آتے نہیں خوفِ مرگ سے چکر میں
واعظ کو لحد کا ڈر ہے، جیسے بچے
جاتے ہوئے ڈرتے ہیں اندھیرے گھر میں

سوتا ہوں ترے ساتھ ،ارے واہ رے میں !
روتا ہے رتن ناتھ ،ارے واہ رے میں!
دیکھا جو مجھے مہری کے رستے بھاگا
پالا ہے مرے ہاتھ ،ارے واہ رے میں!

افسانۂ دیو و جن سے ڈر جاتے ہیں
بچپن ہی سے کان جن کے بھر جاتے ہیں
وہ نامِ اجل سے یاسؔ پھر کیوں نہ ڈریں
موت آنے سے پیشتر ہی مر جاتے ہیں

حاسد جتنے ہیں بے اجل مرتے ہیں
مر مر کے زندگی کے دن بھرتے ہیں
مردوں کے مقابلے میں کیوں کر آئیں
کچھ کر نہیں سکتے تو حسد کرتے ہیں

حاسد مکار و پر دغا ہوتے ہیں
ظالم بے درد بے وفا ہوتے ہیں
خود مٹتے ہیں غیروں کو مٹانے کے لیے
آپ اپنی آگ میں فنا ہوتے ہیں

محفل تری بے رنگ نہ ہوجائے کہیں
اس رنگ میں پھر بھنگ نہ ہو جائے کہیں
ثابت ہے ترا جلوۂ بے رنگ مگر
اندھوں میں کوئی جنگ نہ ہوجائے کہیں

حاسد کو غم و رنج سے چارا ہی نہیں
غیروں کی خوشی کبھی گوارا ہی نہیں
مٹ جائے کوئی تو دل کو خوش کر لینا
جینے کا کوئی اور سہارا ہی نہیں

ایامِ جوانی کو کیوں یاد کرو
دل کو یاس اس غم سے آزاد کرو
پیری کا علاج خود فراموشی ہے
مے پی کے خدا کو اپنے یاد کرو

دنیا کے فریب سے جو بچنا چاہو
خود اپنی حفاظت کرو غفلت نہ کرو
شیطاں کی شرارتوں کا شکوہ ہے عبث
دشمن کی نظر سے اپنے دل کو دیکھو

روکے گا کوئی کیا دلِ آگاہ کی راہ
دیوانے کی یا چور کی یا شاہ کی راہ
منزل ہے وہی سب کی مگر کیا کہیے
کھوئی ہوئی کیوں بندۂ درگاہ کی راہ

جی چاہے تو دل لگائیے بسم اللہ
آشوب کوئی اٹھائیے بسم اللہ
دل کی دنیا میں ہو کا عالم کیوں ہے
سوتے فتنے جگائیے بسم اللہ

نامحرم اسرار نہ سن لے کوئی
دیکھو پسِ دیوار نہ سن لے کوئی
شوریدہ مزاج سر پٹکنے نہ لگیں
زنجیر کی جھنکار نہ سن لے کوئی

ناقہموں کو کیوں راہ بتائے کوئی
دیوانوں کو کیوں ہوش میں لائے کوئی
زاہد کی ہدایت کو عصا کافی ہے
اندھوں کو چراغ کیوں دکھائے کوئی

پھر دردِ خدا چاہے تو کروٹ بدلے
پیدا ہو تڑپ مردہ دلی کے بدلے
مٹنے کے نہیں زندلی دلی کے آثار
یارانِ قفس سے شرط کوئی بد لے

مرنا جینا تو داخلِ فطرت ہے
دونوں کا وجود قابلِ عبرت ہے
مرنا برحق ہے جس پہ لازم ہے شکر
باطل ہے زیست ،زیست پر لعنت ہے

وہ حسن ہی کیا جس میں نہ ہو خوئے وفا
دل ڈھونڈتا ہے دل میں پہلوئے وفا
اربابِ ہوس کی دل لگی کیا؟ وہی رنگ
مستوں کی غذائے روح کیا؟ بوئے وفا

کچھ معنی و مطلب سے نہ آگاہ ہوا
حق چھوڑ کے باطل کا ہوا خواہ ہوا
استاد سے منھ موڑ کے کیا پھل پایا
پڑھ پڑھ کے کتاب اور گمراہ ہوا

❁

پروا کوئی رکھتا نہ طلب رکھتا ہوں
ہاں ایک کھٹک سی روز و شب رکھتا ہوں
جس کی کوئی دوا نہیں تیرے سوا
دل میں وہ دردِ منتخب رکھتا ہوں

❁

ایسا نہ سمجھیو کوئی خیلا ہوں میں
دُھن کا پکا ہوں گو اکیلا ہوں میں
دم کیوں نہ بھروں پھر میں علی کا ہر دم
معلوم ہے کس گرو کا چیلا ہو ں میں

❁

سکھیوں میں، سہیلیوں میں ہنس لینے دو
پھولوں میں دو گھڑی تو بس لینے دو
بادل ہے گھرا ہوا ،برس لینے دو
ہاں دل کو ذرا اور ترس لینے دو

❁

کون ایسا ہے دنیا کی جسے چاہ نہ ہو
سب سے ہو الگ کسی کے ہمراہ نہ ہو
دیکھا تو یگانہؔ کے ہیں انداز کچھ اور
درویش کے بھیس میں شہنشاہ نہ ہو

چنگیز کا پوتا ہوں، علی کا بندہ
بندے کو تو آتا نہیں لندا پھندا
میت ہے پڑی یار الکشن میں چلے
جاتے نہیں چھوڑ دیتے چلتا دھندا

❁

اندھوں کو مبارک ہو یہ دیوانہ روی
کیا جانیں یگانہؔ کی وہ بیگانہ روی
دریا ہوں میں صحرا کا بگولا تو نہیں
دیوانہ روی بھلی کہ مستانہ روی

❁

آئے گی قدم باقدم آتے آتے
ظالم تجھے کیا دیر قیامت ڈھاتے
نیرنگِ جمال پر چڑھا رنگِ جلال
دنیا ہی بدل گئی پلک جھپکاتے

❁

کیوں مرد مدافعانہ رفتار چلے
چلنا ہے تو چنگیزی تلوار چلے
جولاں گہہِ ہستی کا یہی ہے دستور
میدان اس کا ہے جو پہلے مار چلے

❁

قیمت میں ہیں بدگہر، حلالی سے سوا
تکیوں کے ہیں بول فکرِ عالی کے سوا
جی جانتا ہے طرزِ یگانہؔ کے مزے
گالی تو نہیں مگر ہے گالی سے سوا

کچھ قدرِ ہنر ہے نہ کوئی قیمتِ فن
بن پڑنے کی بات ہے، کہاں کی جدّن!
ڈفلی بھی عجب ناچ نچا دیتی ہے
منڈھتی ہے تو خوب بجتی ہے 'ٹھنک ٹھن'

ہنستے ہی رہیں ہم تو عدو کیوں نہ جلے
ایسی زندہ دلی کہاں تک نہ کھلے
گریہ وہ جسے تو ہی سنے یا نہ سنے
خندہ ایسا کہ سات گھر ٹھیکا لے

نقاد چغد ہے کہ گدھا ہے، کیا ہے
اندھا ہے کہ نیت کی خطا ہے، کیا ہے
'آیات' و 'ترانہ' دیکھ کر بھی نہ کھلا
آئینہ ہے یا الٹا توا ہے، کیا ہے؟

اتنی طاقت کہاں سے کوئی لائے
سو مرتبہ اندر آئے باہر جائے
اس پر یہ ستم جب آئے، ٹھوکر کھائے
ایسی بے ہودہ نوکری؟ باز آئے!

سارے جھگڑوں سے پا گیا چھٹکارا
دل ہے خالی تو کیا کرے بے چارا
فرہاد کا درد سر اٹھاتا کیوں کر
گھسیارے کا بنا رہا گھسیارا

نیت ہے بخیر، بول اپنا بالا
سادہ سی بات جس کا مطلب سیدھا
چولھا مُلّا کا چاہے اوندھا ہو جائے
رندوں کا پیالہ تو نہ ہوگا اوندھا

ہم بندے ہیں بندوں سے ہے مطلب اپنا
ہے ایک خدا کو چھوڑ کر سب اپنا
انسان بنیں یہی ہے کرتب اپنا
سیرت اپنی ہے عین مذہب اپنا

کا فر کوئی اپنا ہے نہ دیں دار اپنا
اچھا نہ سہی کوئی خریدار اپنا
ٹیکا ہے نہ گھٹا ہے یہاں ماتھے پر
سیرت اپنی ہے اور کردار اپنا

مرزا کا قدم غلط نہ پڑتے دیکھا
ناحق کبھی یارو سے نہ لڑتے دیکھا
سیدھے سے آدمی تھے بالکل سیدھے
جھکتے کبھی نہ دیکھا نہ اکڑتے دیکھا

ناکامیوں سے حوصلہ ہوتا نہیں پست
بدنام سہی، حال میں اپنے ہیں مست
لکھی تھی میرزا یگانہ کے لیے
باطن کی فتح اور ظاہر کی شکست

تخریب جسے کہتے ہیں اہلِ غفلت
عارف کی نظر میں ہے سراسر حکمت
کیوں آگ نہ برسے، کیوں نہ بھونچال آئے
نیت جیسی ہو جس کی ویسی برکت

ہوگا کوئی شریف کوئی عالی گوہر
میں تو نہ شریف ہوں نہ اعلیٰ افسر
عزت جو مٹائے سے کسی کی مٹ جائے
ایسی عزت پہ مارتا ہوں ٹھوکر

کچھ دن تو رہا فتح کا سودا سر میں
ہل چل سی مچ گئی زمانے بھر میں
لوٹا تو سہی، لوٹ کے لے جائیں کہاں
دلی کیوں کر سمائے ان کے گھر میں

تصویرِ عمل بہ چشمِ بینا ہم ہیں
ظاہر ہے کہ لاشریک، تنہا ہم ہیں
کام اپنا ہے، شوق اپنا ہے، ڈھب اپنا ہے
اپنی ڈیوٹی کے کارفرما ہم ہیں

دنیا میں وہ مزا رہا بھی تو نہیں
اس باغ میں اب بوئے وفا بھی تو نہیں
پھولوں سے پھلوں تک چھک گیا ہوں ایسا
چکھنا معلوم، سونگھتا بھی تو نہیں

زندہ ہے ادب تو قوم مرنے کی نہیں
روشن ہے آفتاب سے روئے زمیں
مرزا کا ذکرِ خیر کرنے والو!
آخر یہ ٹریجڈی ہے یا فتح مبیں ؟

کیا جانے کوئی کدھر کدھر جانا ہو
جانے وہی جس نے حق کو پہچانا ہو
منزل اپنی ہے اور جادہ اپنا
رہبر دیکھے تو کتنا کھسیانا ہو

ایسے میں سویرا ہے بھگا لے جاؤ
اردو ہو کہ فارسی بچا لے جاؤ
الو بولا سدھارنے والوں کا
تشریف کا ٹوکرا اٹھا لے جاؤ

دیوانۂ عشق کو نصیحت توبہ!
وہ عقل کی باتیں وہ حقیقت توبہ
جذبہ کسی جذبے ہی سے مٹ سکتا ہے
نفرت سے بدل گئی محبت توبہ

بے کار ہے دوست مسلماں سے گلہ
دیتے ہیں بہادر ہی بہادر کو صلہ
حاصل ہے کسے عزت و ذلت کا شرف
جو لکھنؤ کے ہاتھوں یگانہ کو ملا

یہ تیزی طبع، اف یہ کج رفتاری
دس بیس پہ جانتے ہو خود کو بھاری
کیا زور ہے کیا زعم ہے ماشاء اللہ
آپ اپنے پاؤں پہ کلہاڑی ماری؟

مٹی میں نہ مل جائے عداوت ساری
برباد نہ ہو جائے یہ آتش باری
صدمہ پہنچا کے دیکھ لو، میں کیا ہوں
پتھر میں کیا بھرا ہے، اک چنگاری

سنتے ہو یار پھبتیاں یاروں کی
چلتی رہی ہیں چٹکیاں یاروں کی
دیوانہ بن کے میں بھی اک کام کروں
کہیے تو اڑادوں دھجیاں یاروں کی

کیا ہو گئی وہ حسن کی رنگت نہ رہی
بس رنگ ہی رنگ ہے طراوت نہ رہی
روکھے پھیکے سے پیٹ بھر لیتا کیا
کیا لذتِ عیش جب طبیعت نہ رہی

سرکار کی وہ قدر، وہ قیمت نہ رہی
ایمان پلٹ کیا گیا، ارادت نہ رہی
سچ بول کے ناصح نے چھڑایا تم سے
وہ پاک محبت، وہ عقیدت نہ رہی

سینہ کافر کا چاک کر ڈالیں گے
قصہ دم بھر میں پاک کر ڈالیں گے
سچ کے بل پہ اکڑتا ہے چنگیزی
ہم سچ کو کچل کر خاک کر ڈالیں گے

لڑتے ہی نگاہ دل دھڑکنے نہ لگے
نیت معصوم کی بھٹکنے نہ لگے
دل کے اندر دبی ہوئی چنگاری
دنیا کی ہوا کھا کے بھڑکنے نہ لگے

اتنا سادہ تو کوئی انسان بنے
محفل میں قدم رکھتے ہی نادان بنے
گہرے اتنے کہ تھاہ دیتے ہی نہیں
بیٹھے ہیں جو کھوئے ہوئے انجان بنے

واعظ کو مناسب نہیں رندوں سے تنے
منبر پہ لتاڑ دیں اگر دل میں ٹھنے
اچھے ہیں یگانہ یا برے جیسے ہیں
یاروں نے بنا دیا کہ خود ایسے بنے

انسان کی صحبت آدمی چاہتا ہے
زندہ رہتا ہے، زندگی چاہتا ہے
دل ہو چنگا تو پھر گنواروں سے بھی
ہنسنے کو بولنے کو جی چاہتا ہے

ظالم کو بھی دیوانہ ہنسا دیتا ہے
اندازِ ستم گری بھلا دیتا ہے
چھوتا ہے ، نہ چھیڑتا ہے ، حیرت تو یہ ہے
پتھر بھی ہو دل تو گدگدا دیتا ہے

کہنے کو تو کعبہ بھی خدا کا گھر ہے
دیکھا تو وہی اینٹ ہے یا پتھر ہے
حق کا مرکز ہے حق شناسوں کے لیے
یہ سینۂ بے کینہ عجب مندر ہے

اللہ اللہ حضور کی سوجھتی ہے
نخاس سے رام پور کی سوجھتی ہے
ٹیلے پہ چڑھ کے طور کی سوجھتی ہے
دیوانے کو کتنی دور کی سوجھتی ہے

ایسا نہ ہو حق کا سامنا ہو جائے
سارا یہ طلسمات ہوا ہو جائے
کیا کرتا ہے، سچ پہ جان دینے والے
یاروں کا مزہ نہ کر کرا ہو جائے

ایسا نہ ہو یہ حسن مصیبت ہو جائے
یہ گرمیِ بازار اک آفت ہو جائے
اچھا ہے ڈھل چلی جوانی ان کی
سورج نہ ڈھلے تو پھر قیامت ہو جائے

پیدا ہوئے فاختہ اڑانے کے لیے
دولت ہاتھ آئی لٹانے کے لیے
آزاد تھا تو آزاد انھیں کیا پروا
کھانے کے لیے ہیں، بلبلانے کے لیے!

فطرت سے سہو کا نہیں اندیشہ
زنہار، تغافل نہیں اس کا پیشہ
پتا پتا اسی سے پاتا ہے غذا
جس کی خاک کا پروردہ ہے ریشہ ریشہ

آخر نگہِ شوق نے گرما ہی دیا
مجبور نے مختار کو شرما ہی دیا
کچھ بس نہ چلا اپنے گنہ گاروں سے
سرکار نے حکمِ عشق فرما ہی دیا

رباعیات

(فارسی)

تا چند فریبِ نظرِ نکشودہ
تا کے ہوسِ بال و پرِ نکشودہ
دارد چہ عجب از پسِ پردہ خبرے
خاموش نشینے بہ درِ نکشودہ

❁

یک موجِ نشاطِ صبح دم بر خیزد
صد خندۂ تلخ از دلم بر خیزد
درعینِ بہار نخلِ غم بر خیزد
تلخی و خوشی ہر دو بہم بر خیزد

❁

پنہاں نتواں داشت ز صاحب نظرے
گوید چہ عجب ز مبتدایم خبرے
از دردِ خدا داد نگاہم سرشار
ایں دیدی و دل آئنہ یک دگرے

❁

پیراہنِ تن عالمِ دیگر دارد
یوسف بہ کفن عالمِ دیگر دارد
گم گشتہ تماشا بتماشائے دگر
ہر چشم زدن عالمِ دیگر دارد

❁

از چشمۂ حیواں دمِ آبے نکشم
وز مے کدۂ خضر شرابے نکشم
شام و سحر، مرگ و حیاتِ دگرے
از عمرِ ابد رنجِ عذابے نکشم

گم گشتہ ام از خود خبرے می خواہم
پروانہ صفت بال و پرے می خواہم
آتش بزنم بدیں سیہ خانۂ دل
زیں خانۂ تاریک، درے می خواہم

سرگشتہ بدیں طلسمِ خامم بنگر
بے درد، بحالِ دردِ ناکم بنگر
آغازِ خوش انجامم، دانم زکجاست
خاکم بنگر، ز خاکِ پا کم بنگر

یاد آمدہ آن چناں گناہے کہ مپرس
دارم ز دلِ خویش گواہے کہ مپرس
تا سنگ بر آئینۂ امید زدم
دزدیدہ ام بسینہ آہے کہ مپرس

ایں سادہ دلاں ہلاکِ تدبیر خود اند
نا محرمِ خندہ ہائے تقدیرِ خود اند
از حکمِ قضا بخاک و خوں غلطیدہ
دیوانہ صفت کشتۂ شمشیرِ خود اند

شوقت غلط است و آرزویت غلط است
فکرت غلط است و جستجویت غلط است
جولانیِ گردباد، بے مرکز ہیچ
سودائے سیرِ چارسو یت غلط است

تا شیشۂ آرزو زطاق افتادہ
ناگاہ بجان و دل نفاق افتادہ
برکام و دہن چہ اتفاق افتادہ
شیرینی و تلخی ز مذاق افتادہ

دورانِ شباب و ہائے ہو پا برکاب
ہنگامۂ شوق و آرزو پا برکاب
ایں نازو نیازِ من و تو پا برکاب
گل پا برکاب و رنگ و بو پا برکاب

شعلہ ز شرارت نتواں باز آمد
پروانہ ز فطرت نتواں باز آمد
انساں کہ مرکب است از جہل و خطا
از جرمِ محبت نتواں باز آمد

کاریست کہ از دستِ یگانہؔ شدنی ست
ایں مرد کہ یکتائے زمانہ شدنی ست
برباد دہد دفتر پارینہ را
غالبؔ پسِ امروز فسانہ شدنی ست

دیوانہ صفت جوش و خروشم بنگر
ہنگامۂ شوقِ خام جوشم بنگر
آزادیِ من ننگِ گرفتاریِ من
در سایۂ گل قفس بدوشم بنگر

متفرقات

کسی مسیح نفس کی جو خاک پا ہوتی
تو اپنی خاک خدا جانے کیا سے کیا ہوتی
کہاں سے کھینچ کے کہاں عندلیب آ پہنچی
کشش قفس کی زیادہ اب اور کیا ہوتی
امیدِ دامن دل سے لپٹ ہی جاتی یاسؔ
جو نام کو بھی یہ کم بخت بے حیا ہوتی

ہوتی تو آئینے کی طرح رکھتے سامنے
عہدِ شباب کی کوئی تصویر بھی نہیں
کیا دیکھتے ہو یاسؔ وہ کام اپنا کر گئے
پھر ہاتھ میں کماں بھی نہیں، تیر بھی نہیں

پھر ملے یا نہ ملے وقت کہ شب ہے آخر
دردِ دل یار سے رو لے ابھی تنہائی ہے

کھینچ لائی آخر اس گورِ غریباں کی فضا
دل کش ایسی بھی کوئی دنیا میں آبادی نہیں
اپنی اپنی گا رہے ہو کچھ ہماری تو سنو
اے اسیرو! اس برس بھی حکمِ آزادی نہیں

چلتا نہیں فریب کسی عذر خواہ کا
دل ہے بغل میں یا کوئی دفتر گناہ کا

اب کیا لگے گا دل چمنِ روزگار میں
مارا ہوا ہے دیدۂ عبرت نگاہ کا
دنیا مقامِ ہو نظر آئے گی ناگہاں
ٹوٹے گا جب طلسم فریبِ نگاہ کا
دل کائناتِ عشق میں شاہوں کا شاہ ہے
مختارِ کل تمام سفید و سیاہ کا
ثابت ہوا کسی پہ نہ جرمِ وفا کبھی
پردہ کھلا نہ عشقِ سراپا گناہ کا

حسنِ نیت پہ مرے شاہدِ عصمت ہے گواہ
خود حجاب آ گیا جب یار کی صورت دیکھی
جھلملانے لگا جس وقت چراغِ سحری
مڑ کے بیمار نے ایک ایک کی صورت دیکھی
آنکھ جب بند ہوئی یاسؔ تو پھر کچھ بھی نہ تھا
اس طلسماتِ عناصر کی حقیقت دیکھی

ناخدائے کم ہمت ہاتھ پاؤں مار آیا
تہ کی کیا خبر لاتا، حوصلہ بھی ہار آیا
شوق میں رہائی کے منھ سے پھول جھڑتے ہیں
دن پھرے اسیروں کے، مژدۂ بہار آیا
یاسؔ، امیدِ فردا نے واہ کیا تسلی دی
مضطرب نگاہوں کو حکمِ انتظار آیا

اکثر امیدوارِ رہائی جو مر گئے
میرے خیالِ خام کی اصلاح کر گئے
اب کون ہے جو حسنِ طلب کا جواب دے
جاں باز تیرے، وقت سے پہلے ہی مر گئے
اپنی خبر نہیں تو مزہ کیا گناہ کا
لذت کہاں جب آپ ہی حد سے گزر گئے

خاکساری نے کیا بے سروساماں مجھ کو
سحرِ عید بھی ہے شامِ غریباں مجھ کو

یاسؔ کے بیڑے کو گردابِ بلا میں ڈال کر
نا خدا ظالم کھڑا ہنستا ہے اب ساحل کے پاس

عجب انداز ہے چرخِ ستم گر کی شرارت کا
زباں کو مل نہیں سکتا کوئی پہلو شکایت کا

خوگر نہیں ہم ایسی خاموش زندگی کے
ہیں مشورے فلک سے اب جنگِ زرگری کے
احکامِ حق سے اکثر منھ موڑتے ہیں سرکش
پابند ہیں تو کس کے، اک حکمِ آخری کے
ظاہر میں خضر صورت، باطن میں غول سیرت
زاہد بھی آدمی ہے یا بھیس میں کسی کے

کیا جانیں خونِ ناحق یا آبِ آتشیں تھا
کچھ سوجھتا ہے واعظ غلبے میں تشنگی کے؟
دیکھی زمیں کسی نے، پہنچا کوئی فلک پر
دردو زلالِ مے کا ایک ایک گھونٹ پی کے

کنجِ قفس میں دل کے بہلنے کا کوئی سامان نہیں
موسمِ گل تک دن گننا بھی مشکل ہے آسان نہیں
کیسی جفائیں،کیسی وفائیں،آج مرے کل دوسرا دن
عشق کی دنیا دیکھ چکے اب جینے کا ارمان نہیں
ہوش میں آنا اور غضب ہے،خوب گزرتی ہے غش میں
درد کی لذت کون اٹھائے ،جان میں اپنی جان نہیں

پہلے معلوم نہ تھا سلسلۂ جذب و کشش
اب تو پیغام وسلام آپ سے آساں ہوں گے

جان پیاری ہے حیاتِ جاوداں پیاری نہیں
زندگی کیا؟ موت کی جب گرم بازاری نہیں

جگر کی شاعری جاپانی مال

دو روزہ نوجوانی، حسنِ نسوانی کیا کہنے
جگر کی شاعری یا مال جاپانی کیا کہنے

کسی کی غزل کی پیروڈی

کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو
کوئی ٹانگیں پسارے سو رہا ہو
کسی کے گھر میں بیٹا ہو رہا ہو
کوئی قسمت پر اپنی رو رہا ہو
کوئی ٹانگیں سکیڑے سو رہا ہو
کوئی پٹی سے چمٹا رو رہا ہو

ادب خبیث کا نمونہ

گائے جا بجائے جا
ناچے جا نچائے جا
برسے جا برسائے جا
دمڑی سیر لگائے جا
ہیں سنترے دو رس بھرے
لقا کبوتر کس بھرے
کیا رس بھرے کیا کس بھرے

نیا ادب

قدریں ہی الٹ گئیں تو غیرت کیسی
پھر کیوں نہ گدھوں سے ہو حماقت ہو ایسی
سر تو نیچے ہے اور ٹانگیں اوپر
ہت تیرے نئے ادب کی ایسی تیسی

سوال:

کیا کوئی بات دور کی سوجھی؟
منھ کے پاس آکے گھورتا کیا ہے

جواب:

رنگ و بو ایسی اشتہا انگیز
چکھ نہ ڈالوں تو پھر مزہ کیا ہے

جواب الجواب:

پہلے چھے ہی گال کاٹ لیا
ابتدا یہ تو انتہا کیا ہے
کس زباں سے ہو آپ کی تعریف
آپ کے سامنے گدھا کیا ہے

❁

جو دل کو توڑ کے فرمائے فکرِ دل جوئی
وہ کیا شکستہ دلوں کا مزاج داں وتا ہے
غم اپنے حق میں ہے گویا غذائے روحانی
یہ دردِ دل جو نہ ہوتا تو میں کہاں ہوتا
خود اپنے دل کو دکھاتا ہوں ،اے معاذ اللہ
بغل میں کاش کے اک درد جاوداں ہوتا
ثبوت زندگیِ عشق کچھ تو دینا تھا
نشانِ دل نہ سہی، دردِ بے نشاں ہوتا
کہاں کے بوئے حقیقت ،کہاں کا رنگِ مجاز
جو اب سے دور یہ پردہ نہ درمیاں ہوتا

❁

مبارک ہو نویدِ وصل پر مدہوش ہو جانا
بھنور میں ڈوب کر گم گشتۂ آغوش ہو جانا

مذاق عشق سے نا آشنا ہے کام جاں جب تک
سمجھ میں آئے کیوں کر نیش غم کو نوش ہو جانا

قطعہ

دل بہت آج دھڑکتا ہے خدا خیر کرے
اپنے سائے سے بھڑکتا ہے، خدا خیر کرے
ایک اک سانس پہ گھبرا کے تڑپ اٹھتا ہے
آپ ہی آپ پھڑکتا ہے، خدا خیر کرے

جنابِ یاسؔ ہیں اور انتظامِ باغِ سخن
ہوائے تند کے جھونکے ہیں اور چراغِ سخن

محبت رقیبوں سے عداوت ہے یاس سے
کسی پر عنایتیں کسی پر یہ شدتیں

دل آشنائے معنیِ بیگانہ ہو گیا
جادو نہ چل سکا کوئی حسنِ مجاز کا
خود نفسِ بے حیا نے کی زندگی حرام
پھر کیا ضرور شکوہ عمرِ دراز کا

آج وہ کیوں زیرِ خاک سوتے ہیں آرام سے
کانوں پر رکھتے تھے ہاتھ جو موت کے نام سے
دنیا کی آرزو نہ دین کی آرزو
اڑے ہیں ہوش ایسے اب گردش ایام کے

جلوہ معنی کجا، دیدۂ حیراں کجا
باز آؤ یاسؔ اس آرزوئے خام سے

کلام یاسؔ پر ٹھہری نہ جوہری کی نظر
تو کیا امید کرے کوئی بادشاہوں سے

آئینہ اسلاف ہوں، یہ کیا کم ہے
وضاف نہیں صاف ہوں، یہ کیا کم ہے
گاندھی نہیں، اجمل نہیں، آزاد نہیں
میں بندۂ الطاف ہوں، یہ کیا کم ہے

ام صغریٰ (بیٹی) کی وفات پر

دیکھو صغریٰ یہ حال میرا کیوں ہے
منھ میری طرف سے تم نے پھیرا کیوں ہے
چاروں جانب تھیں چار شمعیں روشن
آج ایک طرف گھر میں اندھیرا کیوں ہے؟

وہ جانِ ادب، خاصۂ خاصانِ ادب
ساتھ اپنے یگانہؔ لے گئے شانِ ادب

مقدر کے کرشمے ہیں، خطا کیسی، سزا کیسی
مجھے اپنے کیے پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا

اجل کے واسطے خالی نہیں مکاں اپنا
ہے ایک دشمنِ جاں میہماں اپنا

کیا خوب الٹے پاؤں جوانی پھر آگئی
دیکھو نہ، میرا شعر جوانوں سے لڑ گیا
دامِ خرد سے چھوٹ کے پہنچا مراد کو
دیوانہ بن کے قیس بنا، یا بگڑ گیا
شیطان کا مقابلہ کیا عشقِ پاک سے
لڑنے کو لڑ پڑا مگر آخر پچھڑ گیا

کمالِ عشق ہے دونوں جہاں سے بے خبر ہونا
حواسِ ظاہری و باطنی کا منتشر ہونا
بتوں کے دل کو شاید خانہ کعبہ سمجھتے ہو
بہت مشکل ہے اس گھر میں غریبوں کا گزر ہونا
بلائے جاں ہے مستوں کے لیے اندیشۂ فردا
مآلِ کار کی تصویر کا پیشِ نظر ہونا

کون جانے وعدۂ فردا وفا ہوجائے گا
آج سے کل تک خدا معلوم کیا ہوجائے گا
کیا سمجھتے تھے یگانہؔ محرمِ رازِ فنا
غرق ہوکر آپ اپنا ناخدا ہوجائے گا

حق بجانب ہے جو صیاد گلا گھونٹ دے اب
سوئے فتنوں کو اسیروں نے جگانا چاہا

٭

بے ہودہ سر پٹکنے کا حاصل نہیں کوئی
نقشِ قدم تک اب سرِ منزل نہیں رہا

٭

سر سلامت پھر بہارِ سنگِ طفلاں دیکھنا
دل سلامت، لذت صد درد و درماں دیکھنا
جنگِ حسن و عشق کا کیا دل شکن نظارہ ہے
شعلہ و پروانہ کو دست و گریباں دیکھنا
آنکھ بھر کر جاگتے میں کوئی دیکھے، کیا مجال
خواب میں ممکن ہو شاید روئے جاناں دیکھنا
جلوۂ موہوم کیا اک درد کا پیمانہ تھا
ہوگیا آپے سے باہر ظرفِ انساں دیکھنا

٭

چوٹ کھاتے کھاتے دل سنگ آزما ہو جائے گا
درد بڑھتے بڑھتے آپ اپنی دوا ہو جائے گا

٭

تلاطم نے اچھالا تھا بھنور نے گھر کر مارا
خیالِ خام تھا بحرِ فنا سے پار ہو جانا

٭

کوئی محرم نہیں اس دل کے نہاں خانے کا
داغ پنہاں نہیں یہ گنج ہے ویرانے کا
چارہ سازوں نے سنی ایک نہ دیوانے کی
راستہ روک لیا بیچ سے ویرانے کا

صبحِ پیری نے کیا دل کے کنول کو ٹھنڈا
آئنہ خانے پہ عالم ہے سیہ خانے کا
کیا اسی پردے میں ہوجائے گا دیدارِ خدا
شوق بے حد ہے ان آنکھوں کو صنم خانے کا

❁

رہوں گا صورتِ تصویر پابندِ رضا ہو کر
ملے گی چپ کی داد افسانۂ بعدِ فنا ہو کر

❁

صیاد، آہ کیا کریں فصلِ بہار میں
دل اختیار میں نہ اجل اختیار میں
دل تنگ ہوں کشاکشِ امید و بیم سے
دن گن رہا ہوں حسرتِ روزِ شمار میں
وہ دن گئے کہ زور نہ چلتا تھا چرخ کا
مست اینڈتے تھے سایۂ ابرِ بہار میں

❁

ہاتھ اٹھتے ہی چمک جاتی ہے بجلی دور تک
ہائے اب وہ جَس کہاں اس دستِ بے شمشیر میں

❁

دامنِ مطلبِ نایاب کی اللہ رے ہوس
دستِ شل حوصلۂ بے سور پا کرتے ہیں

❁

شہیدانِ وفا سوتے ہیں جلتی دھوپ میں غافل
غضب کی نیند آتی ہے ہوائے تیغِ قاتل سے

وہی امام ہے اس شاہ راہِ فطرت کا
جو دل کے ساتھ ہے اور دل کے اختیار میں ہے
طلسمِ خاک کو دیوارِ آہنیں نہ سمجھ
سوادِ منزل اسی پردۂ غبار میں ہے
اسی کو کہتے ہیں شاید طلسم بیم و رجا
یہ کیفیت جو نگاہِ غبار میں ہے

❁

تمیز عشق و ہوس وحشیوں سے ناممکن
کھڑے ہیں بیچ دوراہے پہ حق و باطل کے

❁

انگڑائیوں کا زور ہے دُکھتا ہے بند بند
ہنگام صبح بس نہیں چلتا خمار سے
لاشہ کسی غریب کا پھکوا دیا تو کیا
لپٹے گی روح سایۂ دیوارِ یار سے
دل نے جہادِ نفس کیا بھی تو کیا ہوا
آخر شہید ہوکے پھرا کار زار سے

❁

باز آ ریشہ دوانیِ جفا سے ظالم
بڑھتے بڑھتے کہیں ایسا نہ ہو افسانہ بنے

❁

خون ناحق پہ پسینہ بھی نہ آیا ظالم
توبہ خشک عجب کیا ہے جو باطل ہو جائے

❁

ذرے ہی پارس تھے اپنی خاکِ پرتاثیر کے
آشنا تھا کون پہلے نام سے اکسیر کے

ڈوب کر لائے تہِ دریائے فطرت کی خبر
فکر سے جوہر کھلے آئینۂ تدبیر کے
خانۂ زنداں تو کیا تھا، شش جہت بھی کانپ اٹھے
زلزلے آئے جو نالوں سے مری زنجیر کے
پھٹ پڑے دیوار و در پردہ نہ اپنا کھل سکا
رنگ بے ڈھب ہو چلے تھے آسمانِ پیر کے
دیکھیے انجام کیا ہو ہستیِ موہوم کا
منتظر ہیں کب سے ہم اس خواب کی تعبیر کے
لذتِ دردِ نہاں اک معنیِ بے لفظ ہے
اضطرابِ بے سبب قابل نہیں تحریر کے

سرِ برہمن ابھی ٹھوکروں سے ہو پامال
بتوں کے دل میں اگر خدا ڈال دے نیکی

قفس پر بادل آئے، آشیانے پر گری بجلی
چمن میں آگ برسے خانۂ دل تک دھواں آئے
دعائیں ہوں تو ایسی ہوں، سفارش ہو تو ایسی ہو
فلک آمیں کہے، دل سے صدائے الاماں آئے

ارتقا سے جو فرشتہ کوئی شیطاں ہو جائے
کیا یہ ممکن ہے کہ بڑھ کر کبھی انساں ہو جائے
وحشیو، اپنی اسیری کو مبارک سمجھو
تو سہی بابِ سعادت درِ زنداں ہو جائے

دعائے خیر کا وہ کیا امیدوار رہے
جو اپنی آگ میں جل کر گناہ گار رہے

یہ رنگ یہ بو ایک ہی جھونکے کی ہے مہماں
قائم نہ ہوا پر کوئی بنیاد رہے گی
منزل کی طلب ہے تو پس و پیش کہاں تک
خالی کبھی راہِ عدم آباد رہے گی؟

رنگ و بو لائی نویدِ دردِ سر میرے لیے
کر چکے پیشین گوئی بال و پر میرے لیے

تختِ رواں سے ہمت مردانہ کم نہیں
منزل کی دھن میں خوف کسے سنگِ راہ کا

کچھ عجب خاک کے پتلے میں کرامت دیکھی
غم غلط ہو گیا جب چاند سی صورت دیکھی
سر تو اٹھتا نہیں اب ناز اٹھانا کیسا
ناتوانوں کی مگر آپ نے ہمت دیکھی

غضب ہے جرمِ شور انگیز پر مجبور ہو جانا
پتے کی بات کہہ کر بے دھڑک منصور ہو جانا
خدائی بھر میں ہلچل ہے، یہ کیا قانونِ قدرت ہے
ارے بندہ تو کیا اللہ کا مجبور ہو جانا

کمالِ عشق کن آنکھوں سے دیکھے گا جمال اپنا
لپٹ کر شمع سے آخر سراپا نور ہو جانا

جاگتی جوت کی تھی سب لیلا
آنکھ مندتے ہی تھا اندھیرا پاک

ہاتھ پھیلا کے گڑ گڑانا کیا
مانگنا ہے دعا تو دل میں مانگ

جامہ (تو) ایسا تولواں پھینک دیا اتار کر
آپ نے کھٹملوں کا کیا اچھا یہ خوں بہا دیا
ہائے وہ ماجرائے شب ، ہائے وہ صبح اولیں
جھک کے سلام کیوں کیا ،آئینہ کیوں دکھا دیا

کاٹ دی رات ایک کروٹ سے
نیند تیری حرام کیا کرتا

فریبِ ہستی برباد، اے معاذ اللہ
ہوا سے بونڈ لے چکر میں آئے ہیں کیا کیا

کون کہتا ہے روح کو آزاد؟
چاہے تو کھینچ لائے آدم زاد
کوئی جلتا ہے رشک سے تو جلے
ارے جیسا چراغ ویسی مراد

ایک لیلیٰ کے اتنے دیوانے
سچ تو ہے ایک انار سو بیمار
آگئی چھینک رک گیا پیشاب
پھر بھی انساں ہے فاعلِ مختار
کس مزے میں ہیں بیویوں والے
عیش کرتے ہیں روز مرہ، ادھار
نہ تجھی میں رہا نہ مجھ میں کچھ
میرے آگے اب اتنا منھ نہ پسار

کیوں نہ مہنگے جلیں گے سستوں سے
کس کے دم سے ہے گرمیِ بازار

وہیں پہ عرش اتر آئے کیا تماشا ہے
کسی کے دھیان میں متوالے جس جگہ بیٹھے
اتر کے تخت سے پہنچے ہیں عرش پر گویا
نجف میں جھومتے ہیں کتنے کج کلہ بیٹھے

مری طرف سے بھی اک ہاتھ، اے ترے صدقے
دھگڑ کا تاؤ خصم پر اتارنے والے

عجب نہیں جو کبھی چپ کی داد مل جائے
کسے خبر، کوئی کس بھیس میں کدھر گزرے
نہ لینے دوں تمھیں کروٹ، نہ میں ہی کروٹ لوں
جو میرے ساتھ کوئی شام یا سحر گزرے

ڈھونڈ لے گی خود اجل مجھ کو کوئی پروا نہیں
بے نیازی کارِ ساز مدعا ہو جائے گی
مردوں سے شرط باندھ کے سوئی ہے اپنی موت
مردے کو کیا سمجھ کے جگایا کرے کوئی

دردمندوں کو تڑپنے تلملانے کے سوا
کیا خبر اپنا دلِ ہمدرد کس مشکل میں ہے

جو بلند خاکِ دل سے کبھی کچھ غبار ہوتا
مرے جذبِ بے کسی کا اک اشتہار ہوتا

ہے کوئی ایسا محبت کے گنہ گاروں میں
سجدۂ شکر بجا لائے جو تلواروں میں
دل سی دولت ہے اگر پاس تو پھر کیا پروا
نام لکھوایئے یوسف کے خریداروں میں
روح نے عالمِ بالا کا ارادہ باندھا
چھڑ گیا ذکرِ وطن جب وطن آواروں میں

سخن ہی کیا ہے جو محسودِ لکھنؤ نہ ہوا
وہ گل ہی کیا جو نہ کھٹکے نگاہِ دشمن میں

کنجِ قفس میں یاسؔ دل کا کواڑ کھولیے
سنتا ہے کون آپ کی بولیے یا نہ بولیے

رات بسے کی دیر تھی ،اف رے فریبِ رنگ و بو
پھولوں کو اب تو سونگھیے، اب تو نظر میں تولیے
بجلی کڑک رہی ہے یاس، گونجتا ہے قفس تمام
نغمہ درد تا بکے، دیکھیے، آنکھ کھولیے

حسنِ مطلق کی قسم، شاہد یکتا کی قسم
آج ڈنکا ہے یگانہ تری یکتائی کا

سچی شاعری

کہاں کا چرخہ کہاں کا تکلہ
کہاں کا چوک اور کہاں کا چکلہ
خدا خدا کر
خدا خدا کر
کہاں کا گنا کہاں کا پونڈا
کہاں کی لونڈی کہاں کا لونڈا
خدا خدا کر
خدا خدا کر
کہاں کی دولت کہاں کی دنیا
کہاں کا مومن کہاں کا دھنیا
خدا خدا کر
خدا خدا کر

ادب جدید۔ تھو!

سنترے رس بھرے کرارے گول
نیتیں کیوں نہ ہوں گی ڈانواں ڈول

حسن و عصمت کی اب وہ قدر کہاں
کیوں نہ بک جائے کوڑیوں کے مول
چل رہی ہے ہوائے آزادی
تو بھی گھونگھٹ الٹ دے، ٹانگیں کھول

یہ نغمۂ درد کون گا سکتا ہے
یہ سوز و گداز کون پا سکتا ہے

یہ سب کشتِ ہوس مٹی ہے سرسبزی سے کیا حاصل
گری برقِ فنا جس دم ،لگی بس آگ خرمن میں
فرشتوں کے بھی تیور جلتے ہیں یاں شعلۂ دل سے
حرارت آفتاب حشر کی ہے، داغ روشن میں

غیر بے موت مرے ،داغ رہا یاروں کو
زیرِ دیوار صنم جب مری تربت دیکھی

کاش اپنی روح خانۂ تن سے نکل سکے
زندانِ آب و گل کوئی راحت کا گھر نہیں
صیاد کیا سنائیں تجھے ماجرائے دل
نالوں میں اب وہ درد نہیں ،وہ اثر نہیں
ٹوٹیں وہ ہاتھ جن کی نہ ہو التجا قبول
کٹ جائے وہ زبان کہ جس میں اثر نہیں

بنے گا نہ بازارِ عالم میں سودا
گئے نیک و بد پر نظر رکھنے والے

خزاں ہو چلی ہے بہارِ مجازی
یہ چھینٹے نہیں اب اثر کرنے والے

گلی میں تری ٹھوکریں کھا رہے ہیں
کہاں تھک کے بیٹھیں سفر کرنے والے

چراغِ ہدایت ہیں یہ نقشِ عبرت
دلِ بے اثر پر اثر کرنے والے

دولتِ دیدار نے آنکھوں کو روشن کر دیا
مرتبہ عین الیقین کا آج حاصل ہوگیا

لے اڑی خلوت سرا سے تم کو بوئے پیرہن
آخر اک دن سب حجابِ ناز باطل ہو گیا

پار اترنے ڈوبنے والے محیطِ عشق کے
حلقۂ گرداب اک آغوش ساحل ہو گیا

صورت آبادِ جہاں خواب پریشاں تھا کوئی
دیکھتے ہی دیکھتے سب نقشِ باطل ہو گیا

حشر کے دن یاسؔ ناحق زاہدوں میں جا پھنسا
ہم گنہ گاروں کی صف میں کیوں نہ شامل ہوگیا

ہوش مستوں کو ہے اب خم کا نہ پیمانے کا
اثر اتنا ہوا یاسؔ کے افسانے کا

حسن سے اپنے وہ نادان ہوا ہے آگاہ
شوق بڑھتا چلا اب آئنے اور شانے کا

تنِ بے جا کی خرابی ہے مجھے یاد اب تک
ہول کیا دل میں سمائے کسی ویرانے کا
دشتِ غربت میں جو زندانِ وطن یاد آیا
اور گھٹنے لگا دم آپ کے دیوانے کا

لادے ہوئے سفر کا سر انجام دوش پر
اب مر چلے ہیں موت ترے انتظار میں

بعدِ فنا بھی ہے دلِ بے جاں شریکِ حال
خالی کبھی مرا قفسِ گل نہیں رہا
پار اترے جب دو آبۂ امید و بیم سے
پھر کچھ خیالِ دامنِ ساحل نہیں رہا

نظر آجائے اگر دل کو سوادِ منزل
گرم رفتارِ فنا صورتِ پروانہ بنے

نگاہ یاسؔ میں اک مشتِ خاک ہے انساں
بلند و پست جہاں جس کے اختیار میں ہے

غمزے اٹھاتے کب تک بادِ مراد کے
آخر کو ایک غوطے میں ہم پار اتر گئے

نگہِ یاسؔ کجا، جلوۂ امید کجا
شب دیجور و شب ماہ ہے یکساں مجھ کو

عدم آباد کو ویرانۂ دل میں نہاں پایا
نظر پہنچی کہاں تک واردِ عبرت سرا ہو کر
خبر لائے گا کیا کوئی تہِ دریائے فطرت کی
تصور بھی بھٹکتا ہے نگاہ نا رسا ہو کر

بتوں نے داد بھی دی میرے سر جھکانے کی
ذرا بھی شرم کسی دشمنِ بے وفا نے کی ؟

رہے گا روز و شب اک حسرت خاموش کا جلوہ
مجاور روشنی کب تک کرے گا میرے مدفن پر

دردِ بے ہنگام کا شکوہ نہ کچھ دل کا گلہ
غش سے چونکایا مجھے پھر موت کی تاخیر نے

شش جہت دکھلاتے رہتے ہیں برابر آئنہ
بے خبر سمجھے ہیں غافل حق و باطل سے مجھے

نہیں معلوم شبستان خودی میں رہ کر
سیر کیا دیدۂ بیدار نما کرتے ہیں
مردہ دل دور رہیں ، سنگ دل آئیں نزدیک
درد مند آج سر بزم صلا کرتے ہیں

کون سا دل ہے درد سے خالی
کون سے دل میں جا کرے کوئی؟

یگانہ کم سے کم اتنی تو لاج رکھنی تھی
کہ لکھنؤ سے وفا اہلِ لکھنؤ کرتے

خراب پھرتا ہے دیوانہ کیوں بگولا سا
زمیں میں صورت آبِ رواں سما نہ گیا

تو کس خدا پر نادیدہ ریجھا
فکرِ رسا کی یہ روشنی کیا؟

اس سے تو غفلت اچھی ، یہ کیا مصیبت آئی
چونکے تو ایسے چونکے جیسے قیامت آئی

تڑپا رہی ہے مقصد موہوم کی خلش
کیا روگ لگ گیا ہے دلِ امیدوار کو

وہ بھی دن ہو گا کہ دشمن مہرباں ہو جائے گا
کج روی سے آپ عاجز آسماں ہو جائے گا
بوسہ مانگیں، مانگنے دو، اتنے کھسیانے نہ ہو
منہ چڑھا دو بس جوابِ جاہلاں ہو جائے گا
طفلِ دل مچلا تو مچلا پھر ہے کس کے مان کا
دیکھ کر تجھ کو جواں کیا نوجواں ہو جائے گا

قطعہ

گرم ہے حسن کا بازار، خدا خیر کرے
مست ہیں کافر و دیں دار خدا خیر کرے
آنکھ لڑنے لگی دیوانوں سے دیوانوں کی
چل نہ جائے کہیں تلوار خدا خیر کرے

قطعہ

مبارک ہو کسی کی جستجو میں در بدر ہونا
وطن کو چھوڑ کر آلودۂ گردِ سفر ہونا
اندھیری رات میں ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھانا
بلند و پست سے راہِ طلب میں بے خبر ہونا
فلک چکر میں آیا ہے مری ایذا پسندی سے
خیالِ خام تھا مجھ پر جفاؤں کا اثر ہونا

مثلث

امید و بیم میں کٹے تو کیا مزہ شباب کا
ہوائے دہر دیتی ہے پیام انقلاب کا
الٹ نہ جائے ناگہاں ورق مری کتاب کا

کسی کی کیا مجال ہے جو چرخِ پیر سے لڑے
امنڈ رہا ہے ابرِ غم نہ جانے کب برس پڑے
رندھا ہوا ہے چار سمت بادل انقلاب کا

ہوائے تند دل جلوں کے دل کو روندتی ہے کیا
قفس پہ میرے بے دھڑک یہ برق کوندتی ہے کیا
چلے گا بے دلوں سے کچھ زور نہ اضطراب کا

نہ مبتدا کی کچھ خبر نہ کچھ خبر کا مبتدا
دلِ شکستہ گم ہوا تو پھر کہاں کا سلسلہ
یہی ورق نکل گیا تو مول کیا کتاب کا

نگاہِ تشنہ کام میں حرام بھی حلال ہے
نہ کوئی امر ممتنع، نہ کوئی شے محال ہے
فریب مجھ سے پوچھیے کرشمۂ سراب کا

پکارنے سے کام ہے پکارتا ہوں بار بار
دیارِ حسن میں ہو یاس کیوں کوئی امیدوار
جوابِ باصواب یا جوابِ بے صواب کا

مثلث

ناخدائے کم ہمت ہاتھ پاؤں مار آیا
تہ کی کیا خبر لاتا حوصلہ بھی ہار آیا
پار اتارنا کیسا؟ بارِ سر اتار آیا

کشتیِ حیات اپنی جا رہی تھی دھارے پر
سنگ دل تماشائی ہنستے تھے کنارے پر
دل وہی شکستہ دل پھر بروئے کار آیا

خانۂ خدا معلوم، شیخ و برہمن جھوٹے
اس طلسمِ حیرت سے کب اسیرِ غم چھوٹے
پائے مضطرب ٹوٹے جب کہیں قرار آیا

بے زبان آپس میں آج ہی سے لڑتے ہیں
شوق میں رہائی کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں
دن پھرے اسیروں کے مژدۂ بہار آیا

شام سے بھڑک اٹھی اور بجھی لگی دل کی
یاس امیدِ فردا نے واہ کیا تسلی دی
مضطرب نگاہوں کو حکمِ انتظار آیا

فارسی اشعار

دیدنی نا دیدنی را ہیچ آثارے نماند
گل بدستارم کجا، بر دامنم خارے نماند
ہر کسے افگندہ خود را در پناہ ناکساں
بندگانِ ناخدا را باخدا کارے نماند

سہرا

کیا دل آویز ہے نوشاہ کے سر پر سہرا
زیوروں میں ہے عجب شان کا زیور سہرا
روئے زیبا پہ کس انداز سے لہراتا ہے
دلِ بے تاب کو تڑپائے نہ کیوں کر سہرا
آتشِ رشک سے جلنے لگے دل حاسد کا
دیکھ کر اس عرق آلودہ جبیں پر سہرا
تار تار اس کا ہے عاشق کو رگ جاں سے عزیز
جان کیا مال ہے جس کے ہو برابر سہرا
چشمۂ نور کی موجیں بھی ہیں لڑیوں سے خجل
غرق ہے حسن کے دریا میں سراسر سہرا
طالبِ دید گرا پڑتا ہے اب ایک پر ایک
حشر برپا نہ کرو رخ سے ہٹا کر سہرا
روزِ روشن ہوا، گزری شبِ تاریکِ فراق
جلوہ دکھلا دیا جب تم نے الٹ کر سہرا
بار بار آتی ہے اک بوئے محبت اس سے
دامنِ بادِ بہاری ہے سراسر سہرا
چاندنی کھیت کرے، مانندہو شمعِ محفل
بیٹھے مسند پہ جو نوشاہ الٹ کر سہرا
جھوٹ کہتا نہیں پیارے اسی سہرے کی قسم
جامہ زیبی کا ہے بس آج ترے سر سہرا
قابل دید ہے یاسؔ آج کا شاہانہ جلوس
دیکھنے والے بس اب دیکھ لیں آ کر سہرا

ہاشم اسمٰعیل

بمبئی والے ہاشم اسماعیل
ہوں تو ایسے دوست، ایسے خلیل
حیدرآباد میں مجھے یہ ملے
جیسے نعمت خدا کی قدرت سے
ایسے مخلص کہاں سے پاؤں گا
کون ہے اک دوارکا کے سوا
مردِ جوہر شناس شایستہ
خدمتِ دوست پر کمر بستہ
وہ ہیں ممبئی میں، لکھنؤ میں ہم
پھر بھی ان کی نظر میں ہیں ہر دم
میرے دکھ درد کا انھیں احساس
اپنے اخلاق اپنے فرض کا پاس
ہے یہ معیار ان کے ایماں کا
مرتبہ جانتے ہیں انساں کا
گرگٹوں کو یگانہؔ دیکھ چکے
خوب رنگِ زمانہ دیکھ چکے

قطعۂ تاریخ

اے زہے حسن فیضِ ملکِ دکن
دور پہنچا ہے جس کا آوازہ
سرپرستوں سے ہے یہیں کے بندھا
آج علم و ہنر کا شیرازہ
تم بھی تسکینِ ذوق کیوں نہ کرو
وا ہے شعر و سخن کا دروازہ
اک اضافہ ہے دید کے قابل
ہے معینؔ سخن گلِ تازہ

۱۳۵۸

ختم شد

بمبئی: ۱۵ اکتوبر [illegible]

مکرمی وسیم فرحت صاحب
یگانہ چنگیزی پر آپ کا مونوگراف
مل گیا۔ شکریہ۔ کتاب یگانہ کے بارے
میں آپ کے دقیق اور عمیق مطالعے کا
مجموعہ ہے۔ ہندوستان میں فی الوقت آپ
تنہا ماہر یگانہ ہیں اور یہ بڑی خوشی
کی بات ہے۔
امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
فضیل جعفری

مکتوب بنام وسیم فرحت (علیگ) از معروف نقاد مرحوم فضیل جعفری

بیسویں صدی کی سب سے زیادہ چونکانے والی ادبی شخصیت
جس کے افسانے گلی کوچوں سے عدالتوں تک پہنچے
بادشاہِ فرنگ جس کی کہانیوں سے چونک اٹھے
دلیرانہ طرزِ ادا، بے باکانہ طرزِ تحریر جس کی شناخت
معاشرتی بدخالی کو آئینہ دکھانے والی پہلی خاتون افسانہ نگار
بدنامی کے خرقے کو شہرت کی خلعت پہنانے والی ادیبہ
اردو ادب کی سب سے زیادہ مشہور افسانہ نویس
عصمت چغتائی پر ایک قطعی نئے زاویہ سے نگاہ ڈالتی کتاب

عصمت چغتائی

مصنف

وسیم فرحت (علیگ)

عمدہ دبیز کاغذ، بہترین جلد سازی، دیدہ زیب سرورق

صفحات: ۱۲۰ قیمت: ۱۵۰ روپیے

رابطہ

آئیڈیل پبلی کیشنز

کہکشاں کالونی، ولگاؤں روڈ، امراوتی۔ ۴۴۴۶۰۱
موبائل: 09730222321
Email
idealpublications1@gmail.com

گزشتہ صدی کا سب سے زیادہ مقبول عوامی شاعر،
غالبؔ کے بعد دوسرا شاعر جس کے دیوان ہزاروں ایڈیشنوں میں چھپے،
فلمی صنعت کو ادب کی چاشنی سے مملو کرنے والا جادوگر،
بلا تفریق زبان و ادب، ہندی اردو میں یکساں مقبولیت رکھنے والا شاعر،
رومانیت و انقلاب کے آتش پاروں سے لبریز شاعری،
دنیا کی کم و بیش سبھی زبانوں میں جس کی شاعری کے تراجم،
جس کے فلمی گیت تا قیامت اسے زندگی بخشتے رہیں گے،
ترقی پسند تحریک کا مقبول ترین شاعر ساحرؔ لدھیانوی، کے فن و شخصیت پر

ساحر لدھیانوی

عکس و آئینہ

مصنف

وسیم فرحتؔ (علیگ)

ساحرؔ کے شائقین کے لیے انمول تحفہ، بہت جلد منظرِ عام پر

رابطہ

آئیڈیل پبلی کیشنز

کہکشاں کالونی، ولگاؤں روڈ، امراوتی۔ ۴۴۴۶۰۱
موبائل: 09730222321
Email: wkfarhat@gmail.com

☆ وسیم فرحت (علیگ) کی بے پناہ ادبی ذہانتیں سہ ماہی 'اردو' کی ادارت تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ یگانہ چنگیزی پر ان کی تصنیفات اتھارٹی کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ ذہانتیں انھیں اپنے والد معتبر شاعر خلیل فرحت کارنجوی سے ملی ہیں جنھیں وہ بڑے جتن و طمطراق سے بروئے کار لا رہے ہیں۔ ہندوستان کے ایک غیر معروف علاقہ سے کسی جماعتی و ادبی گروہ بندی کی بیساکھی کے بغیر وسیم فرحت کا اپنی منفرد شناخت بنانے میں کامیاب ہونا، قطعاً یگانہ چنگیزی کی یاد دلاتا ہے۔ یگانہ سے وسیم کی ذہنی ہم آہنگی کا ارتقائی سفر بذات خود زندگی سے عبارت ہے۔

ندا فاضلی

☆ کسی شخص کے کاموں کو غیر معمولی قرار دینا مبالغہ آمیزی کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے دعووں کو سچ ثابت کرنا آسان نہیں ہوتا تاہم بعض اشخاص اس مبالغہ آمیز بیان کو بھی اپنے حق میں سچا ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انھیں پر عزم افراد میں وسیم فرحت (علیگ) کا نام شامل ہے۔ وسیم فرحت اردو کے عاشقِ صادق اور ایک جنونی انسان ہیں، جو ٹھان لی وہ کر گزرتے ہیں اور معیار سے کبھی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ ان کی جنوں پسندی نے ایسے ایسے لائق رشک کارنامے انجام دئے ہیں جو ہوش و خرد کی بساط سے باہر ہیں۔ ثبوت میں دیگر کاموں کے علاوہ یگانہ چنگیزی پر محنتِ شاقہ اور ان کا رسالہ 'اردو' بطور خاص پیش کئے جا سکتے ہیں۔ 'آفریں باد بر ایں ہمتِ مردانہ تو'۔

خالد محمود

بیسویں صدی کے سب سے زیادہ چونکا دینے والے فنکار

یگانہؔ چنگیزی کے کم یاب و نہایت اہم مضامین کا مجموعہ

۱۹۱۶ء تا ۱۹۵۵ء کے درمیان ہندو پاک کے مختلف رسائل میں شائع

یگانہؔ کے روایت شکن علمی، تحقیقی و تنقیدی مضامین

ایسے معرکہ آراء مضامین کہ جن کی بدولت یاسؔ عظیم آبادی، یگانہؔ چنگیزی ہوئے

یگانہؔ کی قلم کا سر چڑھ کر بولتا جادو، مضامین کی صورت میں آتش پارے

مرتب کی ان تھک محنت کا ثمرہ، بے حد قیمتی اور معلوماتی طویل حواشی

ریسرچ اسکالر، پروفیسر اور عام قاری کے لیے نایاب تحفہ

اردو ادب میں پہلی مرتبہ مع طویل مقدمہ مرتب

عالمی اردو ادب کے نشاۃ الثانیہ کی یاد دلاتی ضخیم کتاب

یگانہ شناسی

مرتب، محقق، تحشیہ نگار

وسیم فرحتؔ (علیگ)

ایک منفرد و تاریخی کتاب

طباعت کے آخری مراحل میں

میر، غالب واقبال کے بعد موضوع وہیتی ندرت کے لحاظ سے
سب سے انوکھا شاعر
اپنے زمانے میں سب سے زیادہ سرخیوں میں رہنے والا مفکر
جس کی بلند قامتی، جس کی بے بہا عظمت کا ایک زمانہ معترف
وجودی شاعری کے ذریعے اردو ادب کو قطعی سمت بخشنے والا پہلا شاعر
اپنے زمانے کا سب سے زیادہ معتوب، مظلوم شاعر
جس کی شاعری کسی جنگ وجدل کی روداد کا عنوان بن سکتی ہے
ابوالمعانی، امام الغزل میرزا یگانہ چنگیزی
کی مکمل حیات، کوزے میں دریا
پہلی مرتبہ کسی سرکاری ادارے سے اشاعت

مونوگراف
یگانہ چنگیزی

مصنف

وسیم فرحت (علیگ)

ایک انوکھی شان سے پہلی مرتبہ شائقینِ یگانہ کے لیے
وسیم فرحت کی ان تھک محنت کا ثمرہ

صفحات: ۱۲۰ قیمت: ۳۰ روپیے محض (دوسرا ایڈیشن)

جلد رابطہ کریں

اُردو اکادمی دہلی

سی پی او بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی۔۶

امام الغزل، ابوالمعانی، ہم نوائے آتش جیسی صفات سے متصف،

علامہ اقبال، جوش ملیح آبادی، مالک رام جیسے عالم جس کی استادی کے قائل

ہزار طوفانوں سے ایک جان پہ لڑنے میں ماہر، اردو ادب کا سب سے زیادہ معرکہ خیز شاعر

جس کی شعری تہہ داری کا ایک عالم معترف، اپنے فن میں یکتا

غالب شکن **میرزا یگانہ چنگیزی** کی حیات وفن پر مبسوط کتاب

تاریخِ اردو ادب میں پہلی بار

یگانہ چنگیزی

(شخصیت وفن)

مصنف

وسیم فرحت (علیگ)

چونکا دینے والی تحریروں سے ادب میں پہچانے جانے والے محقق ونقاد وسیم فرحت

کی ان تھک تحقیق کا ثمرہ، یگانہ چنگیزی کی مکمل حیات، فن کا تجزیہ مع انتخابِ کلام

طویل مقدمہ، مرتب نیز تفصیلی ومدلل حواشی، بقلم یگانہ کے تحت یگانہ چنگیزی کے خطوط کے عکس

امریکن برانڈ کاغذ، کثیر رنگی سرورق، مجلد (Hard Bound)،

انگریزی کتابوں کو منہ چڑائے ایسی جلد سازی

جدید تکنیکوں سے آراستہ دیدہ زیب سرورق، بے حد اہم وحوالہ جاتی کتاب

صفحات: ۴۰۰ قیمت: ۸۰۰ روپیئے

(پورے پاکستان میں مفت ہوم ڈلیوری)

مرزا یگانہ چنگیزی کھردرے لیکن کھرے شاعر تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ انفرادیت مقبول و مروج رویوں یا رجحانات میں نہیں روایت کی روح میں ہوتی ہے جسے تخلیق کے تیشے سے حاصل کرنا ہوتا ہے تقلید سے نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ادبی معاشرے نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ یگانہ پر آپ نے جتنا کام کیا ہے وہ عدیم المثال ہے۔ اب پچھلے چند دنوں سے آپ کا مرتب و مدون 'کلیاتِ یگانہ' میرے مطالعہ میں ہے۔ یہ کام اداروں کا ہے جسے آپ نے تنہا کر دکھایا ہے۔ اس کے لیے میری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔ مطالعہ کے دوران معلوم ہوا کہ آپ نے بھی مشفق خواجہ کی طرح یگانہ کے ان اشعار کا شاملِ اشاعت کرنا مناسب خیال نہیں کیا جو مسلک و مذہب کے نقطۂ نظر سے باعثِ دل آزاری ہوں۔ یہ عصری حالات، معاملات اور مذاق و معیار کے مطابق بھی ہے اور مستحسن بھی۔ بقول یگانہ، 'کوئی صاحب نظر اپنی طرف سے بدگماں کیوں ہو'۔ لیکن اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر ایسی تمام تخلیقات سامنے ہوتیں تو پرانے ادبی سرمایے کے نئے قاری کو یہ سمجھنے میں مدد ملتی کہ لکھنو میں گزرے حادثے کے بیج کہاں کہاں بکھرے پڑے ہیں۔ یہ سب باتیں ضمنی لیکن ضروری ہیں۔ اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ 'کلیاتِ یگانہ' آپ کی تحقیقی، ترتیبی اور تدوینی صلاحیتوں کا شاہکار اور تاریخی دستاویز ہے۔ جس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوگا کہ اگر یگانہ نہ ہوتے تو اردو ہی نہیں ہندوستانی زبانوں میں لکھی جانے والی غزل کی یہ چھب نہ ہوتی نہ ایسا ڈھب۔

شین کاف نظام

KULLIYAT-E-YAGANA

by

Waseem Farhat (Alig)

میں بہت کم کتابیں پوری پڑھ پاتا ہوں، لیکن یقین جانئے کہ ''یگانہ چنگیزی'' شروع سے آخر تک پڑھی۔ واقعی یہ ایک اچھی کتاب ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران میں نے چند مقامات پر نشانات بھی لگائے ہیں۔ آپ نے کڑی محنت سے کام انجام دیا ہے۔ آپ کی کتاب ان چند اچھی کتابوں میں سے ایک ہے جنہیں میں بہ شوق اپنی میز پر رکھنا پسند کرتا ہوں۔

شمس الرحمٰن فاروقی

یگانہ چنگیزی پر آپ کا مونوگراف مل گیا۔ شکریہ۔ کتاب یگانہ کے بارے میں آپ کے دقیق اور عمیق مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ ہندوستان میں فی الوقت آپ تنہا ماہرِ یگانہ ہیں، اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔

فضیل جعفری

وسیم فرحت (علیگ) کی بے پناہ ادبی ذہانتیں سہ ماہی 'اردو' کی ادارت تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ یگانہ چنگیزی پر ان کی تصنیفات اتھارٹی کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ ذہانتیں انھیں اپنے والد معتبر شاعر خلیل فرحت کارنجوی سے ملی ہیں جنھیں وہ بڑے جتن و طمطراق سے بروئے کار لا رہے ہیں۔ ہندوستان کے ایک غیر معروف علاقہ سے کسی جامعاتی و ادبی گروہ بندی کی بیساکھی کے بغیر وسیم فرحت کا اپنی منفرد شناخت بنانے میں کامیاب ہونا، قطعاً یگانہ چنگیزی کی یاد دلاتا ہے۔ یگانہ سے وسیم کی ذہنی ہم آہنگی کا ارتقائی سفر بذاتِ خود زندگی سے عبارت ہے۔

ندا فاضلی

ISBN 978-93-91238-09-4

978-93-91238-09-4

URDU PUBLICATIONS

'ADABISTAN', NEAR WAHID KHAN URDU D.ED COLLEGE,
WALGAON ROAD, AMRAVATI-444601 (MAHARASHTRA)
MOBILE: 09370222321 / 07020484735
EMAIL: WKFARHAT@GMAIL.COM